ان من الشعر لحکمة و ان من البیان لسحرا

فیضانِ شوق

ھ ۱۳۴۶

المعروف بہ

دیوانِ شوق

Ram Babu Saksena

(از)

نتیجۂ کلک گہر سلک افصح الفصحا مستند الشعرا المحقق یگانۂ استاذ زمانہ [illegible]

جناب شیخ احمد علی شوق قدوائی لکھنوی مرحوم

حسب فرمائش

جناب خان بہادر شیخ رضی الدین احمد صاحب بیرسٹر ایٹ لا گونڈہ

باہتمام

سید مرتضیٰ حسین بلگرامی

در مقبول المطابع گورنمنٹ اودھ نیوز طبع شد



شوق قدوائی

دیباچہ

دیوانِ شوق طبع ہوکر قدردانانِ سخن کے ہاتھوں میں پہونچتا ہے اس دیوان کی اہمیت اور خصوصیات کو خاصانِ ادب ہی محسوس فرما سکتے ہیں اگر عوام کو بھی اس سے فائدہ پہونچے تو اس اشاعت کا مقصد بالکل پورا ہوجائے۔

مصنفِ مرحوم کی وصیت کے مطابق اس دیوان کی اشاعت برادرِ محترم خان بہادر شیخ رضی الدین صاحب بیرسٹر ایٹ لا گونڈہ نے اپنے خاص اہتمام سے فرمائی جس کے لئے موصوف نہ صرف میرے بلکہ تمامی دنیائے ادب کے شکریۂ خاص کے مستحق ہیں۔ اور میں مہتمم مقبول المطابع گونڈہ سید مرتضیٰ حسین صاحب بلگرامی کا بھی نہایت شکر گزار ہوں جنہوں نے اسکی صحت طباعت کیلئے خاص انتظام اور غیر معمولی کوشش ملحوظ خاطر رکھی۔

سید حسن عابد صاحب جعفری آکسن بیرسٹر ایٹ لا ایڈیٹر رسالہ شمع آگرہ نے مصنفِ مرحوم کی تصویر کا بلاک عنایت فرما کر مجھے موقع دیا کہ مصنف کی تصویر بہ آسانی اس دیوان میں شامل کر سکا۔ موصوف کی اس نوازش کا میں تہِ دل سے شکر گزار ہوں نیز اس دیوان کا قابلِ قدر مقدمہ جو اسی دیوان کیساتھ شائع کیا جارہا ہے عزیزی مولوی محمد معین الدین صاحب انصاری (فرنگی محلی) بیرسٹر ایٹ لا کی نگارش قلم کا نتیجہ ہے اس سے قبل مختصراً رسالہ شمع ماہ جولائی ۱۹۲۵ء میں ایک دوسرے عنوان سے شائع ہوکر بہت کچھ مقبول ہوچکا ہے اب مقدمہ مذکور عزیز موصوف نے نظرثانی کرکے اشاعت کیلئے تیار کیا ہے جس کے بغیر کلام شوق کی پوری زینت نہیں ہوسکتی تھی۔

اس اشاعت کی غرضِ خاص مصنفِ مرحوم کی وصیت کو پورا کرنا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اسکی تکمیل نہایت لطف و خوبی سے ہوگئی

طاہر علی قدوائی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

از قلم مولوی محمد معین الدین انصاری بی۔اے (کینٹب) ایم۔آر۔اے۔ایس (لنڈن) بیرسٹر ایٹ لا لکھنؤ

سوانحعمری مصنف

منشی شیخ احمد علی شوق قدوائی مرحوم اپنے آبائی وطن قصبہ جگور ضلع لکھنؤ میں ۱۸۵۲ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد شیخ کاظم علی قدوائی متخلص بہ تپش لکھنوی اودھ کے ایک عالی نسب اور ممتاز رئیس تھے۔ مرحوم کا بچپن مصیبت میں گذرا۔ اڑھائی سال کی عمر میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ موروثی جائداد زمینداری کا اکثر حصہ ہنگامۂ غدر میں تلف ہو گیا۔ مکتبی تعلیم ماں کے زیر سرپرستی وطن ہی میں شروع ہوئی۔ مولوی عبدالحیؒ موہانی ایک صوفی منش بزرگ جن کا مشہور مزار اسی قصبہ میں ہے اُن کے معلم تھے۔ ابھی دس گیارہ سال کی عمر تھی کہ اُن کو شیخ امیر الزماں صدیقی جو اُن کے بہنوئی تھے اور اناؤ میں سرکاری عہدہ دار تھے اپنے ساتھ اُناؤ لے گئے اور جب وہ رامپور میں ایک بڑے عہدہ پر سرفراز ہوئے تو اپنے ساتھ اُن کو رامپور میں رکھا اور نہایت شفقت سے فارسی اور عربی کی تعلیم شروع کرائی۔ اس کے بعد پھر اُن کے بہنوئی کا مستقل قیام سہسوان ضلع بدایوں میں ہوا تو شوق کو بھی وہیں رہنا پڑا جہاں اُنھوں نے مولانا ریاض الحسن مرحوم سے علوم عربیہ حاصل کئے اور پھر بدایوں کے اسکول میں انٹرنس کی جماعت تک انگریزی تعلیم حاصل کر رہے تھے

ابھی حضرت شوق کا سن اٹھارہ ہی سال کا تھا کچھ ایسے اتفاقات وطن میں پیش آئے کہ اُن کی مادرِ محترمہ نے اُن کو سلسلۂ تعلیم ترک کرنے پر مجبور کیا اور بلا لیا۔ وطن کا آنا قیام لکھنؤ کے مرادف تھا۔ اُنکی

مستقل سکونت اپنے پھوپھی زاد بھائی منشی امتیاز علی مرحوم سابق وزیر بھوپال کی مشہور کوٹھی میں سالہاسال رہی۔ اسی اثناء میں اُن کو فکر معاش نے گھیرا اور کچھ عرصہ تک عہدۂ تحصیلداری پر فیض آباد میں رہے۔ مگر یہ مشغلہ مرضی کے مطابق نہ تھا مستعفی ہو کر لکھنؤ چلے آئے اور اخبار "آزاد" نکالا جو لکھنؤ کے ابتدائی اخبارات میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ اس اخبار کے فائل جہاں کہیں ہیں قدر کے ساتھ رکھے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان میں سیاست سے زیادہ ادبیات کا مواد محفوظ ہے۔ چند سال کے بعد یہ مشغلہ بھی مجبوراً ترک کیا اور بھوپال میں سرکاری ملازمت قبول کی جہاں نظامت (کلکٹری) کے عہدہ تک ترقی کی اور پنشن لے لی پھر آخر عمر میں رامپور آکر کتب خانۂ سرکاری میں ملازم ہوئے (مرحوم کے چھوٹے بھائی شیخ واحد علی آبر مرحوم بھی یہیں عرصہ سے مقیم تھے) یہاں مشغلہ طبیعت کے بالکل موافق تھا۔ یعنی ترتیب لغات کا کام سپرد تھا۔ جو تقریباً پندرہ سال تک نہایت انہماک اور محنت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ زیادہ تر وقت کتب خانہ میں کٹتا اور اس عرصہ میں اُن کو بیچ کے طور پر بھی ادبی خدمات جاری رکھنے کا کافی موقع ملتا تھا۔

بالآخر ضعف پیری اور علالتوں کے سلسلوں نے مجبور کر کے یہ مشغلہ ترک کرایا اور مرحوم مستعفی ہو کر ضلع بارہ بنکی میں آگئے اور خانہ نشین ہو گئے۔ دو برس بھی نہ گذرے تھے کہ مرض الموت (استسقاء) شروع ہوا جب مرحوم زندگی سے بالکل مایوس ہو گئے تو اپنی صاحبزادی (اہلیہ خان بہادر شیخ رضی الدین احمد صاحب بیرسٹر) کے پاس گونڈہ چلے گئے اور ماہ مئی ۱۹۲۵ء میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

خصوصیاتِ مصنف

حضرت شوق کا مرنا اس زمانہ میں دنیائے اردو کے لئے ایک زبردست حادثہ تھا۔ بہت سے قابلیت والے لوگ پیدا ہوئے اور پھر پیدا ہونگے۔ بہت سے شاعر اور ادیب موجود ہیں اور رہیں گے۔ محقق زبان اور جدید و قدیم شاعری کو بڑھانے اور پھیلانے والے برابر آتے جائیںگے۔ مگر شوق کہاں جنھوں نے ساٹھ برس تک اس رہگذار ادب کی خاک چھانی تھی!؟ دنیائے اردو اُن کے سے ارباب ادب کو اگلوں اور پچھلوں کے

درمیان ایک کڑی شمار کرتے تھے۔ اُنھوں نے لکھنؤ میں آمانت اور وزیر کے رنگ کی انتہا دیکھی۔ رامپور میں امیر اور داغ کا عروج دیکھا۔ اور اب ہندوستان کے ہر گوشہ سے جدید شاعری کی صبح کو دیکھ رہے تھے کہ اُنکی آنکھیں بند ہوگئیں چنانچہ آپکی طبیعت اگرچہ فی الواقع ابتدا سے گویا الگ تھی مگر پھر بھی اُنکی ذات وہ تھی جس کی موجودگی سے ماضی اور مستقبل میں کم و بیش ایک قسم کی یکسانی ایک حد تک باقی تھی کیونکہ اُنکی وقعت پرانے طرز کے شعرا اور نئی روشنی کے سخن فہموں میں برابر تھی۔ وہ نقادی اور اظہار رائے سے بہت کم چوکتے تھے۔ اُن کا مطالعہ غیر معمولی طور پر وسیع اُنکی معلومات وافر اور تجربہ بڑھا ہوا تھا جس کا اثر اُنھوں نے طرح طرح سے دورِ حاضرہ کے ادبیات پر ڈالنے کی کوشش کی ضعیف العمری میں اُنھوں نے شاعری کے موضوع پر جسقدر لکھ ڈالا ہے بہت سے نو عمر اس قدر مواد پیدا کرنے سے عاری ہیں۔

اردو کی دنیا میں چاہے جس چیز کی کمی ہو مگر شعرا کی کمی نہیں البتہ جس قسم کے شعرا کو زبانِ اُردو کی آنکھیں ڈھونڈھتی ہیں اُنکی کمی قابلِ شرم ہے۔ ایک حالی تھے جنھوں نے جادۂ رسم و رواج سے ہٹکر ایک راہ نکالی اُنکے سے لوگ ایک "شاعر" کی حیثیت سے خواہ اچھے تھے یا برے، اُنکی زبان اور عروضی قابلیت اعلیٰ پایہ کی تھی یا نہ تھی۔ جو قواعد شاعری ہمارے قدما مدّون کر چکے تھے خواہ اُنکی پابندی اُن لوگوں نے کی یا نہیں، یہ سوالات سر دست در پیش نہیں ہیں۔ اردو کا مورخ اور بے تعصب ادیب اگر اُن کو داد دیتا ہے تو کم از کم اُنکی جدت طرازی اور اخلاقی جسارت پر کہ اُنھوں نے قدیم صحبتوں اور روایتی دائروں سے باہر قدم نکالا اور اپنی راہ لی حاسد اُن کے پیچھے پڑ گئے محض اس بنا پر کہ وہ پرانی لکیر کیوں چھوڑے دیتے ہیں۔ یا اس لئے کہ قدامت کا اقتدار کیوں گھٹا یا جا رہا ہے۔ مگر ان جدّت پسندوں کی باتیں کچھ ایسی قرینِ فطرت اور لگتی ہوئی تھیں کہ باوجود اُنکی خامیوں اور لغزشوں کے دلوں میں گھر کرنے لگیں۔ اور جب یہ راہ کھل گئی تو بزمِ سخن کی نیرنگیاں عجب لطف دکھانے لگیں۔

اسی نظر سے ہم اکبر اور اقبال کے مدح سرا ہیں۔ اسی بنا پر شبلی اور شوق کو مجدّدینِ ادب میں

شمار کرتے ہیں۔ یہ بات اور ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا مذاقِ سخن رنگ مضامین معیار خوبی طرز ادا وغیرہ جداگانہ تھا۔ اگر ایک مزاحیہ کہتا تھا تو دوسرا قومیت کا رنگ لئے ہوئے۔ اگر ایک مورخ کی بے تکلفانہ شان رکھتا تھا تو دوسرا مصور یا محرم راز کی۔ یہ انفرادی تفریقین ہیں اور عجب نہیں کہ یہ شعرا ایک دوسرے کے ہم پلہ بھی نہ ہوں۔ مگر ان چار پانچ ہستیوں میں خدمتِ علم اور حسنِ نیت کے لحاظ سے جو جوہر مشترک تھا وہ یہی کہ انھوں نے روایتی شاعری کو بت بنا کر نہیں پوجا۔ بلکہ اپنا قبلہ الگ بنایا جسکی طرف اب ساری دنیائے اردو کا سر نیاز جھکتا ہے۔

حالی اور اقبال کی طرح شوق بھی اپنی جدتوں کی بدولت بہت مطعون ہوئے سخن فہموں کا رجحان انکی طرف دیکھکر حاسد اور نقاد دو توں نکل آئے۔ بعض اخباروں اور رسائل کے پرانے فائل دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کے طرزِ جدید کے کلام کی بلکہ اسکی لپیٹ میں اُنکے روایتی طرز کے کلام کی چیتھاڑ کرنے کی کوششیں مدتوں جاری رہیں۔ موافقین شوق نے بھی جوابات کے تار باندھ دئے۔ مگر فی الجملہ نتیجہ یہ ہوا کہ پڑھنے والے کے جوہر اور بھی چمک گئے۔ اور اس ضمن میں جو ہرزہ سرائی ہوئی تھی اُس کا اثر کچھ دیر پا نہ تھا تنقید بھی اُسی پر ہوتی ہے جو کسی لائق ہوتا ہے اور اسی سے مطعون کی اہمیت مسلم ہو جاتی ہے علمی دنیا میں یہی تو انوکھا پن ہے کہ جو ایک مرتبہ بڑھ جاتا ہے پھر نہیں گھٹتا جس کسی نے ایک بار اپنا کارنامہ دنیا کو دکھا دیا پھر اُس کی لغزشیں اگر شمار میں بھی آتی ہیں تو اُسکے کارنامہ کو منسوخ نہیں کرتیں۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم مورخینِ ادب ایسے شخص کو مرنے نہیں دیتے۔

ان نکتہ چینیوں کو شوق کا سا نازک مزاج شخص جسکی پرورش ابتدا ہی سے روایتی مشاعروں کی جادہ بجا داہ داہ میں ہوئی ہو اگر بردباری کیساتھ برداشت کرلے جائے تو یہ ایک بڑی بات ہے۔ انھوں نے روایتی شاعری میں بھی انتہا کر دی جسکا نمونہ ان کے دیوان کا اکثر حصہ پیش کرتا ہے۔ مگر جب سے نئی شاعری کی زمین پر قدم رکھا روایتی مشاعروں والی توقعات کو واقعی بہت کچھ بالائے طاق کر دیا۔ کیونکہ زمانہ بھی بدل رہا تھا۔ ہر قسم کے کلام کی اشاعت زمانہ

سابق کے دیکھتے ہوئے اب وسیع تر پیمانہ پر شروع ہو چکی تھی، البتہ اُن کو بمقابلہ دوسرے جدید مذاق کے شعرا کے یہ بہت موثر فوقیت حاصل تھی کہ جب اُنھوں نے نئی شاعری اور مسلسل نظموں کی طرف رُخ کیا تو اُس وقت وہ شاعری کے قدیم اور روایتی میدان میں کافی شہرت حاصل کر چکے تھے۔ اُنکے کلام سے کہنہ مشقی اور فنّی قابلیت ٹپکتی تھی۔ اسلئے اکثر ناقدین کو اُنپر حملہ کرتے بن پڑتی تھی۔ اب رہے نئے سخن فہموں کے اعتراضات تو خواہ طرزِ ادا، ترتیبِ خیالات وغیرہ کی حد تک وہ قابلِ تسلیم ہوں یا نہ ہوں مگر زبان اور فن دانی کی حیثیت سے اگر اعتراضات ہوتے بھی تھے تو اکثر نہایت کم۔ ورنہ اور اِن معترضین کو وقتاً فوقتاً معقول جوابات بھی مل جاتے تھے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اب دور وہ شروع ہو چکا تھا کہ شعرا میں عام لوگ وہ تمام اوصاف نہیں ڈھونڈھتے تھے جن کے بغیر کچھ عرصہ پیشتر شاعر شاعر نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اسکی علت ایک حد تک تو نئے دور کی جلد بازی کی عادت اور بے پروائی کو بھی سمجھنا چاہئے جو مختلف وجوہ سے ہماری ادبی دنیا میں پیدا ہو رہی ہے۔ مگر حضرتِ شوق ایسا مزاج اور ایسی عادتیں رکھتے تھے کہ وہ خواہ فضول اور زائد از ضرورت بھی کہنے کی کوشش شاید کر لیتے لیکن ممکن نہ تھا کہ کبھی غلط اور ناقص کلام پیدا کرتے۔ وہ اپنی تربیت سے مجبور تھے اور یوں تو غلطی بشر ہی سے ہوتی ہے۔

یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ جن چیزوں کو ہم "جدید شاعری" یا "فطری شاعری" قرار دیتے ہیں (بلکہ قرار دینا چاہتے ہیں) اور جسکی نظیر دنیا کی ترقی یافتہ یا آزاد زبانوں میں زیادہ اور ہماری زبان میں کم پائی جاتی ہے وہ چیز ہمارے ہاں ابھی معرضِ ارتقا میں ہے۔ اس نوع کی شاعری ہمارے ہاں کبھی معدوم نہ تھی۔ دراصل کہنا یوں چاہئے کہ ہم میں وہ چیز موجود تھی مگر ہم میں تصنع اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اُس کا فقدان ہو رہا تھا۔ اب حالت سنبھلی ہے تو ابھی ہمارے ادبی حلقوں میں مذاق کا توازن اور گویا یکسانیت کا شائبہ پیدا نہیں ہوا ہے۔ اُسکی خوبیوں پر توجہ کرنے کے لئے پوری طرح نہ طبائع تیار ہوئے ہیں نہ معیارِ مشترک کی سی کوئی شے نمودار ہوئی ہے۔ پُرانی تربیت کی تصنع پرستی سے دماغ اس قدر متاثر ہیں کہ سادگی میں بھی تکلف ڈھونڈھتے ہیں۔ ابھی تک

گویا ہم نہ اس کے عادی ہوئے ہیں کہ نئے خیالات اور نئے طرز ادا کو پرانی روایات کی پابندیوں کے ساتھ دیکھکر اُس سے پورا حظ اُٹھا سکیں نہ اس لائق بنے ہیں کہ نئے خیالات کو بالکل آزادانہ اور خودساختہ اصول و طرز ادا کے ساتھ ظاہر کرکے داد پائیں۔ جب تک ایک طرف عام طور پر مذاقِ سخن قدیم روایات سے قطعاً بے نیاز نہ ہوجائے اور دوسری طرف اِنہی روایات کی رد و قدح اور بے لگام شعرا کی روک تھام کے بعد کسی مستقل تراز و عمومی معیار قائم ہونے کے آثار نظر نہ آئیں، جدید طرز کے شعرا میں ایک کو دوسرے پر کسی حیثیت سے فوقیت دینا امر دشوار ہے۔ چنانچہ مختلف ادبی حلقوں میں یونہی مختلف شعرا کی عظمت اور عزت قائم رہیگی اور ہر شاعر کے کلام میں نقائص اور عیوب نکلنے کے بکثرت مواقع پیدا ہوتے رہینگے۔ اور جب تک یہ صورت حال باقی ہے ہمارے ہاں سخن فہمی بھی تقریباً تمام تر ایک خاص قسم کی تربیت پائے ہوئے دماغوں کی میراث بنی رہے گی۔

موجودہ دور کی اصلاحِ شاعری کا ایک نصب العین یہ بھی ہے کہ جہاں تک بنے ہر کس و ناکس کو مخاطب کرنے کی کوشش کیجائے۔ یعنی شعر کا جادو صرف تعلیم یافتہ لوگوں تک محدود نہ رہے۔ اگرچہ یہ مقصد لائقِ تعریف ہے مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ سر دست اس مقصد نے جدید دنیائے سخن میں اعتدال و توازن کو دشوار بنا دیا ہے۔ یہ عجیب و غریب صورتِ حال اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ اردو کی شاعری تقریباً اپنی ابتدا ہی سے اُن لوگوں کے ہاتھوں میں رہی جو فارسی شاعری کے متوالے اور اُسی شاعری کے اچھے فن داں تھے۔ اُسی زمانہ سے فن دانی میں اس قدر غلو ہوگیا کہ "شاعری" نے اپنی فطرت کھودی، اُس کا جادو گویا مفقود ہوگیا صرف منتر باقی رہگیا۔ اور یہ صورت جس بدنمائی کے ساتھ لکھنؤ میں نمودار ہوئی شاید کہیں اور نہ ہوئی ہو۔ چنانچہ ایک وقت وہ آگیا کہ لکھنؤ کا رنگ تصنع اور ایک قسم کی بدمذاقی کا مرادف ہوگیا۔ (حالانکہ یہ امر بھی مبالغہ سے خالی نہ تھا)۔

بہر نوع اگر ہمارے متقدمین کو فن دانی میں اس قدر غلو نہوا ہوتا اور سوسائٹی میں شاعری کو ایک مخصوص عنوان کے ساتھ وہ اہمیت دی گئی ہوتی جو ملک کے مختلف حصوں میں راعی و رعایا دونوں صدیوں تک دیتے رہے ہیں اور اردو شاعری کی ابتدا محض خاصانِ ادب میں نہ ہوئی ہوتی یا کوئی زمانہ

اردو کو ایسا ملا ہوتا جو اس کے لئے "زمانۂ جاہلیت" سے تعبیر ہو سکتا تو اردو کی شاعری کے لئے اس "جدید شاعری" کی ضرورت نہ محسوس ہوتی جسے آج ہم ڈھونڈھتے پھرتے ہیں مگر اسکا معیار کہیں نہیں ملتا۔

شوق کا زمانہ

دوسری بات حضرتِ شوق کی اہمیت کو دلوں میں جگہ دینے والی یہ تھی کہ وہ لواحِ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور دستور کے مطابق بجا طور پر لکھنوی کہلائے۔ لکھنؤ ہی کے لوگوں اور خاندانوں میں انکی تربیت ہوئی۔ یہ مشہور شہر جو اپنی نفاست پسندی، شگفتہ مزاجی اور نزاکت آفرینی کی بنا پر "پیرس ہند" کا لقب پا چکا ہے اُس زمانہ تک اپنی خصوصیتوں کا اور بھی متوالا تھا۔ اودھ کی سلطنت مٹ چکی تھی مگر امارت اور حکومت کی شان بہت کچھ باقی تھی اور اس مرکزِ تہذیب و تمدن کے طرزِ معاشرت میں چنداں فرق نہ آیا تھا۔ حفظِ مراتب، علمِ مجلس، باہمی تعلقات اور وضعداری کے قدیمی پہلوؤں پر بہت زور دیا جاتا تھا۔ ہر کس و ناکس اپنے معزول بادشاہ کی طرح اپنی زبان کی خوبیوں پر اتراتا تھا۔ لکھنؤ کے ضرب المثل شاندار مشاعرے ہی وہ چیز تھے جو ہر خاص و عام کو اپنی طرف متوجہ کئے ہوئے تھے کوئی تفریحی مشغلہ سیر چشمانِ لکھنؤ کے لئے شاعری کی لگاوٹ سے خالی نہ تھا اور خاصکر سیاست کی ہوا بھی اس خطۂ پاک کی طرف سے ہو کر نہیں گذری تھی کہ لکھنؤ کے نازک دلوں کو اپنی جانب مائل کرتی۔

اسی طرح سرزمینِ رامپور (دارالسرور) بھی اپنے تاجداروں کے زیرِ سایہ شعراء کی قدردانی کر رہی تھی۔ اور لکھنؤ والوں کی وہاں بھی چڑھی بارگاہ تھی۔ رامپور گویا دہلی اور لکھنؤ کے شعراء کا اکھاڑا تھا۔ مدبرالدولہ مدبرالملک نواب منشی مظفر علی خاں اسیر لکھنوی کا عروج خاصکر قابلِ ذکر ہے۔ اُس زمانہ میں گویا انہی کے دم سے لکھنؤ کا نام تھا۔ آخر میں غالب کی سی شخصیت کے لوگ بھی انھیں ماننے لگے تھے شاید یہی وجہ تھی کہ مرزا کی وفات کے بعد نواب یوسف علیخاں ناظم بھی اسیر سے اصلاح لینے لگے۔ حضرتِ شوق اوائل سن میں رامپور

لہ حضرتِ شوق بیان کرتے تھے کہ اسیر کے پاس میں نے مرزا غالب کے دو خط خود دیکھے جنمیں مرزا نے اپنے ضعف اور مجبوریوں کا ذکر لکھکر درخواست استدعا کی تھی کہ میں تو اب کسی قابل نہیں رہا۔ آپ طالبانِ فن کو راہ راست پر لگائے اور مشتاقوں کی پیاس بجھائیے۔

دیکھ چکے تھے اور اُسی زمانہ سے آسیر کے معتقد ہو چلے تھے غرضکہ انیس ۱۹ برس کے سن میں تعلیم ختم کرنے کے بعد جب اُن کا قیام لکھنؤ میں ہوا تو کچھ دنوں بعد آسیر کے شاگرد ہو گئے۔ جب ہی سے گویا بالاعلان شاعری کے روایتی میدان میں آ گئے۔ ورنہ پہلی غزل حضرت شوق نے بدایوں میں ۱۴ برس کی عمر میں کہی اور جب سے برابر یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر بالکل خفیہ۔ شوق مرحوم خود بیان کیا کرتے تھے کہ وہ زمانہ تھا کہ لوگ اساتذہ بلکہ معمولی شعرا کے سامنے اپنے کو ظاہر کرتے ڈرتے تھے۔ گویا شعر کہنا اور پھر کہا کہنا شرفا کے لئے ایک شرمناک جرم تھا۔ اس احساس کی وجہ سے ہمارے مرحوم نے برسوں خفیہ مشق کی۔ رامپور میں جلال تسلیم عروج حیا وغیرہ کے سامنے سے نامی شعرا کی صحبتوں میں بیٹھتے رہے۔ لکھنؤ میں انیس، دبیر، برق، قلق، اُنس کے سے اساتذہ سکہ جمائے ہوئے تھے۔ اُنکے کلام کو سُنا اور دیکھا۔ حضرت قلق نے خاص نظرِ عنایت ان پر رکھی۔ اور بزرگانہ شفقت سے پیش آتے رہے، بلکہ لکھنؤ کی زبان سکھانے کے لئے اُن کو خاص خاص صحبتوں میں پہونچایا۔ مرحوم بیان کرتے تھے کہ انہی سے یگانگی رکھنے کی بدولت محلات کے باشندوں تک رسائی ہوئی جس سے ٹھیٹھ اردو کا مذاق مرحوم کو پیدا ہو گیا۔ جناب شوق کی ابتدائی شاعری کا زمانہ وہ تھا جب لکھنؤ میں اُستاد امانت کا رنگ چھایا ہوا تھا۔ لیکن آسیر اور قلق کے سے اساتذہ اور اُنکے حلقہ کے با اثر لوگ اپنی قوت سے امانت وغیرہ کا غیر فطری رنگ مٹا کر لکھنؤ کو پھر جذبات کے رنگ میں لا رہے تھے۔ موجودہ زمانہ میں سمجھا یہ جاتا ہے کہ امانت کے رنگ کو دراصل دہلی والوں نے لکھنؤ میں مٹایا۔ اور بعض لوگ امانت کے رنگ کو لکھنؤ کے رنگ کا مرادف قرار دیتے ہیں۔ مگر یہ دونوں باتیں محض سطحی نظر والوں کی سی ہیں۔ گو یہ سچ ہے کہ تیس پینتیس سال قبل تک لکھنؤ میں پرستارانِ امانت کی کمی نہ تھی۔ اُس رنگ کی شاعری اب تک بعض مخصوص شعرا کے کلام میں جھلک دکھا رہی ہے۔ لکھنؤ نے یقیناً کم از کم پچیس سال تک ایک بے حسی کے عالم میں امانت والے مہمل استعارات اور خشک لفظی رعایتوں پر داد دی ہے[1]۔ مگر یہ کہنا کہ لکھنؤ سے مذاقِ سلیم اور فطری مذاق کا کلام کسی زمانہ میں بھی

---

[1] حضرت شوق مرحوم اُس زمانہ کے ایک بہت ضعیف العمر شاعر متخلص بہ تمنا شاگرد آتش کا ذکر کرتے تھے۔ اور اُن کے زمانہ میں بھی جو رنگ پُرانا سمجھا جاتا تھا اُسکی مثال میں تمنا کا یہ مقطع "دل میں" اور "قاتل میں" کی طرح میں مثالاً پیش کرتے تھے۔

تعجب کیا جو ہم بہرے سخن میں اس قدر گرمی کو   بھری ہیں حضرتِ آتش کی میں نے اے تمنا جلیں

معدوم رہا ہو اور امانت وغیرہ کے دور میں سچی شاعری کا استیصال ہو گیا تھا محض بہتان ہوگا۔ یہی زمانہ مثلاً تعشق لکھنوی کا تھا جو بہت سچے اور دلکش کلام کے بانی ہوئے ہیں اور انہی دنوں میں میر کلو عرش (آفتاب سخن میر دہلوی کے فرزند) کا عروج تھا جو بڑی حد تک امانت کے پیرو اور روش میر کے دشمن تھے۔ لکھنؤ کے مشاعروں میں امانت کے رنگ کے شعر چلتے تھے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سچی شاعری کی داد میں زبانیں بند رہتی تھیں یا نقاشی جذبات معاملہ اور ادا بندی کے اشعار کی کبھی کمی نہیں رہی گویا لکھنؤ میں پھر بھی صلاحیت باقی تھی اور اسیر وغیرہ نے جو رنگ نکالے وہ خواہ قابل تعریف تھے یا نہ تھے لیکن ان لوگوں نے اپنا سکہ جما کر امانت والا غیر فطری مذاق تقریباً نیست و نابود کر دیا۔ نئی روشنی کے لوگ بعض شاگردان اسیر مثلاً امیر مینائی مرحوم کے مذاق سخن پر جا و بیجا حرف زنی کرتے ہیں۔ بلکہ اُن کا نام سنکر ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں اور جو خدمت امیر وغیرہ نے اردو کی انجام دی ہے اس پر بالکل پردہ پڑ جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عام طبائع کا میلان آج کل اندھا دھند غالب کی نقالی کی طرف ہے اور میر دہلوی کا نام بھی (برائے نام ؟) یاد کر لیا گیا ہے۔ لیکن تاریخی حیثیت سے نگاہ کیجیے تو رنگ امانت کے بعد اگر کوئی رنگ لکھنؤ میں قائم ہوا ہے تو واقعی وہ امیر ہی کے زمرہ کا ہے اور وہ رنگ امانت کے رنگ سے مسلمہ طور پر بہت بلند اور بہتر ہے چنانچہ امانت کی بیخکنی میں امیر کا اثر شامل تھا جو ایک یادگار واقعہ ہے۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ اس کے ابتدائی اسباب خاص کر اسیر اور اُن کے معدودے چند ہمعصروں کی تعلیم نے پیدا کئے تھے۔ اس جد و جہد میں اسیر اور شاگردان اسیر نے واقعی بڑا حصہ لیا اور مدتوں کی کوشش سے اس غیر فطری رنگ کی مضبوط بنا کو پامال کر دیا ورنہ کیا اس سے پہلے امانت کے خلاف زباں کھولنا آساں تھا ؟!

اسیر کے بعد نواب کلب علی خان کے زمانہ میں امیر مینائی کا عروج رامپور میں ہوا اور وہ وہیں کے ہو رہے۔ شوق مرحوم اکثر انکی صحبتوں کا لطف جو انھوں نے رامپور میں دیکھا تھا بیاں کرتے تھے۔ امیر مینائی قصبہ کاکوری کے خاندان سے تھے اور کسی واسطہ سے حضرت شوق کے رشتہ دار بھی تھے۔ باہم خوب نبتی تھی۔ اسی اتحاد سے لوگوں نے یہاں تک اخذ کیا کہ انھوں نے امیر سے اصلاح بھی لی تھی۔

مگر وہ ہمیشہ یہ کہتے رہے کہ میں نے اسیر کے سوا کسی کو اپنا اُستاد نہیں بنایا نہ اصلاح کی نیت سے کسی اور کو کلام دکھایا۔ یہ ضرور ہو کہ امیر کی صحبت کا پایہ بہت بلند تھا۔ ہر جگہ کے شعرا وہاں موجود ہوتے تھے اور اُنکی محفلوں سے شوق نے بہت کچھ سیکھا اور بہت فائدہ اُٹھایا۔

رامپور جانے سے پیشتر لکھنؤ کے جو مشاعرے اور جو صحبتیں حضرت شوق نے دیکھی تھیں اُنکے دلچسپ تذکرے مرحوم گھنٹوں نہایت حسرت و یاس کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ وہ مشاعرے اہتمام کے لحاظ سے شاہانہ تقریبوں سے کم نہ ہوتے تھے۔ امرائے لکھنؤ میں نواب سراج الدولہ، مشکور الدولہ، اشرف الدولہ اور نواب مہدی علی خاں سرفراز الدولہ (واجد علی شاہ کے بہنوئی) وغیرہ کا زمانہ تھا جن کی سرپرستی میں ہزارہا شعرا جمع ہوتے تھے۔ اشتہارات کے ذریعہ سے شاعروں کو دعوت دی جاتی تھی۔ وہی زمانہ منشی نولکشور (بانی مطبع نولکشور لکھنؤ) کے عروج کا تھا جنھوں نے مدتوں بیرونی شعرا کو اپنا مہمان رکھا ہے۔ اِن عظیم الشان مجالس کی تہذیب یہ تھی کہ اساتذہ گویا اپنے شاگردوں کے کلام کی صحت کے ذمہ دار تھے۔ بغیر اُستاد کی اجازت کے شاگرد اِن محفلوں میں پڑھنے کا خود کو مجاز نہ سمجھتا تھا۔ ہر اُستاد کے ساتھ اس کے شاگردوں کا گروہ مشاعروں میں پہونچتا۔ معیارِ سخن اس قدر بلند ہوگیا تھا کہ ہر ایک کو اِن مشاعروں میں پڑھنے کی جراءت نہ ہوتی تھی۔ اور مذاقِ سخن کو یہ اہمیت حاصل تھی کہ ہر کہنے والا اپنے ایک ایک لفظ کا پورا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا۔ اگر کسی کی لغزش اِن مشاعروں میں گرفت میں آجاتی تو وہ لکھنؤ میں بمنزلہ ایک سانحہ کے ہوتی جسکا چرچا ہر صحبت میں ہوتا۔ اساتذہ میں باہم اتحاد تھا یا کم از کم تہذیب اس قدر غالب تھی کہ باہمی کدورتوں کا مجمع میں ظاہر ہونا ناممکن تھا[۱]۔ ادنیٰ درجہ کے مشاعروں میں بڑے اساتذہ شرکت سے قطعاً گریز کرتے تھے اور اسیر وغیرہ کے پایہ کے لوگوں کا کسی صحبت میں شریک ہونا اُس صحبت کی اعلیٰ منزلت کی دلیل ہوتا تھا۔

---

[۱] حضرت بحر لکھنوی اُس زمانہ کے بلند پایہ شاعر تھے اور مسلم الثبوت اُستاد تھے۔ مگر وہ اپنی تنک مزاجی میں ضرب المثل تھے اور لوگ اُن کو مشاعرہ میں بلاتے ہوئے گھبراتے تھے۔

اُستادِ شوق

حضرت اسیر کا وقار اور دبدبہ قابل ذکر ہے۔ اُس زمانہ میں حکمرانوں سے لیکر ادنیٰ اہل حرفہ تک ہر طبقہ کے لوگ اُن کی شاگردی کی آرزو کرتے تھے۔ لکھنؤ کے اعلےٰ مشاعروں میں بانیِ مشاعرہ خواہ کسی کا شاگرد ہوتا مگر اسیرؔ ہی کے کلام سے ابتدا کرتا تھا۔ اسیر نہایت خلیق نیک نفس اور فیاض بزرگ تھے۔ شوقؔ مرحوم کی زبانی رامپور کا ایک واقعہ سنا ہے کہ کسی بڑے مشاعرہ میں جہاں امیرؔ بحرؔ داغؔ جلالؔ عروجؔ حیاؔ وغیرہ کے پایہ کے لوگ موجود تھے اور اُن کے تلامذہ بکثرت حاضر تھے کہ ایک اچھے سخنور کی باری آئی۔ مشاعرہ قریب بہ اختتام تھا اور سب کے کان ایک ایک لفظ پر لگے ہوئے تھے۔ پڑھنے والے نے مصرعہ پڑھا جسمیں ایک لفظ غلط نظم ہو گیا تھا اور وہ بے تکلف اُسے پڑھ گیا۔ اس پر اُن کے ایک بے باک حریف نے جس سے چشمکیں ہوئیں چلا کرتی تھیں سامنے کی صف سے با آواز بلند کہا، "واہ حضرت کیا شعر فرمایا ہے! پھر ارشاد ہو"۔ مشاعرہ میں ٹوکنے اور اعتراض کرنے کا دستور ہے کہ دوبارہ پڑھوا کر ٹوکتے ہیں۔ حضرت اسیر قریب بیٹھے تھے۔ اِن کو تحمل نہ ہوا کہ ایک کہنہ مشق کی یوں آبرو ریزی ہو۔ قبل اس کے کہ پڑھنے والا مصرع دوہرائے حضرت اسیر نے غلط لفظ صحیح کر کے مصرع اس طرح اُٹھایا کہ پڑھنے والا متنبہ ہو گیا اور اُس کی آبرو بچ گئی۔ اس خوش خلقی کا اثر حریف پر بھی ہوا اور دنیا اسیر کی قادر الکلامی کی داد ایک بار پھر دے اُٹھی ؎

اسیر کا یہی اخلاق اور یہی کمال تھا جس نے حضرتِ شوقؔ کو قیام رامپور ہی کے زمانہ سے گرویدہ کر لیا تھا۔ کسی رشتہ سے اسیر ہمارے مرحوم کے دادا ہوتے تھے۔ اِس نسبت نے استاد کو شاگرد پر اور بھی مہربان کر دیا تھا۔ اور شوقؔ کو اپنی جفاکشی حوصلہ مندی ذہانت اور قابلیت کی داد سب سے پہلے اُستاد ہی کے گھر سے ملتی تھی۔ اُستاد کی اصلاح فقط مصرعوں کی درستی تک محدود نہ تھی — ایک ایک لفظ کی تحقیق کیلئے متقدمین کے دواوین اور تصانیف کے ورق اُلٹوائے جاتے تھے یہ کام وہ لوگ کرتے تھے جو اس وقت اردو لغات کے پرانے جمع کرنیوالے شمار کئے جاتے ہیں محاوروں کی تلاش میں ساکنانِ محلاتِ لکھنؤ سے استفادہ کیا جاتا تھا۔ امرا کی ڈیوڑھیوں پر اوقات مقرر تھے کہ طالبانِ فن آئیں اور الفاظ کی چھان بین کریں۔ ایک ایک مصرع کی خوبی اور خرابی پر مباحثے

ہوا کرتے تھے معمولی استعداد کے نوعمروں کو مدتوں استاد کی کفش برداری کرنا ہوتی تھی تب مشاعرہ میں غزل پڑھنے کی اجازت ملتی تھی۔

حضرتِ شوق مرحوم مدتوں حضرتِ قلق کی صحبت میں رہے تھے۔ قلق سے بڑھکر محلات کی زبان کہنے والا لکھنؤ میں نہیں گذرا۔ اُن کی مثنوی "طلسمِ الفت" اس صنفِ زبان کا شاہکار ہے۔ اُنھوں نے حضرت شوق کو شوق دلایا کہ محلات کی زبان سیکھیں۔ بلکہ اس ضمن میں انھوں نے ایک سن رسیدہ بیگم صاحبہ سے حضرت شوق کا تعارف کرا دیا اور پردہ بھی اُٹھوا دیا۔ سات برس تک اس صحبت میں شوق نے کانوں کے واسطے سے زبان کا درس لیا۔ اور یہ وہی اموختہ ہے جسے اُنھوں نے اپنی مثنوی "ترانۂ شوق" میں دُہرایا ہے۔ یہ مثنوی اسیر مرحوم کی زندگی میں پوری ہوگئی تھی۔ اصلاح کی غرض سے شوق نے جب جابجا سے استاد کو اس کے اشعار سنائے تو ایک شعر یہ بھی ادا کیا

پھرتی رہی دربدر وہ دلسوز ۔۔۔ در در گئی صورتِ شب و روز

استاد پھڑک اٹھے اور بیساختہ فرمایا "مثنوی تو بہت گرم کہی ہے" اور گلے لگا لیا۔ اس مثنوی پر قلمِ اصلاح نہیں اُٹھایا گیا تھا کہ اُستاد شاگرد سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوگیا۔

اسیر کی وفات کے بعد شوق مرحوم نے زیادہ تر نواب مہدی علی خاں کی صحبت اختیار کی جو زبان کے بڑے سرپرست تھے۔ ان کے ہاں محققین کا مجمع رہتا تھا محاورات ضرب الامثال اور صحت الفاظ کی بابت مختصر مباحثے اور فیصلے قلمبند کرکے شائع کر دئے جاتے تھے۔ زیادہ تر اخبار "آزاد" میں ان صحبتوں کے حوالہ جات ملیں گے۔ جستجو کی یہ حد تھی کہ ایک مرتبہ "دہی" (دوغ) کی تذکیر و تانیث میں شبہ پیدا ہوا۔ طے ہوا کہ عورتوں کی زبان سے استناد کیا جائے۔ چنانچہ چھوٹی شہزادی (واجد علی شاہ کی چھوٹی بہن جو اس زمانہ تک بقید حیات تھیں) اور نواب ملکہ جہاں کے سامنے یہ لفظ بالترتیب تذکیر و تانیث کی قید کے ساتھ بولا گیا۔ مگر کہیں سے رد نہیں ہوا۔ اس بنا پر اساتذہ نے تسلیم کر لیا کہ دونوں طرح صحیح ہے۔

نثاری

اس قسم کی تحقیق اور جستجو کی عادت مرحوم کو اوائل سن سے تھی اور یہ شوق عمر کے ساتھ بڑھتا گیا۔

مختلف زمانوں میں مرحوم نے محض تحقیق الفاظ و محاورات کیلئے مختلف اساتذہ اور ہمعصروں سے خط و کتابت کی۔ وہ خطوط اگر شائع کر دئے جائیں تو طالبانِ اردو کے لئے نہایت مفید ہوں گے۔ مرحوم نہ صرف ایک اعلےٰ پایہ کے شاعر تھے بلکہ بے مثل نثار بھی تھے۔ مذہبی عقاید کے نکات کا جہاں تک تعلق تھا اُن کی تحریریں دیکھنے میں آئیں۔ سیاسی اور قومی معاملات میں بھی اونھوں نے خیالات قلمبند کئے ہیں۔ بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ سلیس نگاری اور فصاحت زبان میں اُن کے ہم پلہ لوگ کم از کم اُن کے عہد میں بہت کم گذرے ہیں۔ ان کی عبارت مغلقات سے پاک اور اس قدر رواں ہے کہ پڑھنے والے کے دماغ پر ذرا بھی زور نہیں پڑتا۔ اُن کی عبارت کے نمونے زیادہ تر اودھ پنچ کے اُس زمانہ کے نمبروں میں باسانی ملیں گے جس میں حضرت شرر مرحوم سے مصنفِ "گلزار نسیم" کے مبحث پر سخت جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ پنڈت برج نرائن چکبست لکھنوی، حضرت شوق، منشی سجاد حسین مدیر اودھ پنچ وغیرہ حضرت شرر کے اس دعوے کے مخالف تھے کہ مثنوی مذکور دراصل پنڈت دیا شنکر نسیم کی تصنیف نہ تھی بلکہ اُن کے اُستاد آتش کی تصنیف تھی۔ اور استاد نے شاگرد کو دے دی تھی۔ مخالف اور موافق دونوں گروہوں نے اس مبحث پر بہت کچھ خامہ فرسائی فرمائی۔ اودھ پنچ کے شائع کردہ مضامین میں حضرتِ شوق کے مرقومات خود اُن کے نام سے اور دوسروں کے نام سے بھی شائع ہوئے ہیں اور یہ مضامین ادب اردو کے یادگار نمونے ہیں۔[۱۵]

شاعری

افسوس کہ مرحوم کے ابتدائی زمانۂ شاعری کا کلام مدت ہوئی تلف ہو گیا۔ اُس حصہ کلام کا بھی کوئی جزو باقی نہیں جو اُن کے استاد کی اصلاح سے مشرف ہوا تھا۔ مثنوی "ترانۂ شوق" کا اکثر حصہ حضرت اسیر کو سنایا جا چکا تھا۔ مگر اصلاح کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اُن کا

---

۱۵ مباحثہ گلزار نسیم کے نام سے کچھ دلچسپ اقتباسات اودھ پنچ کے مضامین کے یکجا شائع ہوئے ہیں۔ حضرت شوق اگرچہ اس رائے کی اپنے مضامین میں تردید کرتے رہے کہ مثنوی آتش کی تصنیف تھی مگر مرحوم نے راقم الحروف سے خود فرمایا کہ نہ وہ آتش کی تصنیف تھی نہ نسیم کی بلکہ درحقیقت نسیم کے سگے بھائی کی تصنیف تھی جو شعلہ تخلص کرتے تھے اور وہ بھی آتش کے شاگرد تھے۔ مرحوم کی تحقیق کے بموجب جو کلام نسیم کا کہا جاتا ہے اُسکا اکثر حصہ اُنکے بھائی کا کلام ہے جسکو جا بجا نسیم نے ترمیم کرکے بلکہ اُس کو بگاڑ کے اپنا کر لیا تھا۔

انتقال ہوگیا۔ شوق کے وسطی زمانہ کے کلام کا اکثر حصہ محفوظ ہے جسکے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے اُن میں اُسی مدت میں بہت نمایاں تغیرات ہوئے۔ اور آخری زمانہ کا مذاق اس قدر جدا ہوگیا تھا کہ وسطی زمانہ کے بعض اجزا کلام سے اُس مذاق کے سخن کو کوئی نسبت ہی نہیں نظر آتی۔ بلکہ پُرانے کلام کے بعض نمونے تو ایسے ہیں جنھیں وہ ناپسند فرمانے لگے تھے بلکہ تلف کر دینا چاہتے تھے۔

اُن کے ابتدائی زمانہ کی یادگار غالباً صرف یہی مثنوی "ترانۂ شوق" باقی ہے۔ یہ انھوں نے گویا اپنے زمانۂ شباب میں لکھنا شروع کی تھی جب اُن کا سن مشکل سے بیس سال کا تھا۔ یہ بے اصلاحی مثنوی البتہ خود مصنف کی اصلاح اور ترمیم سے وقتاً فوقتاً اس درجہ مزین ہوتی رہی کہ جب چھپی تو ایک عجیب چیز ہوکر چھپی۔ اس حصۂ کلام پر معترضین گویا اُدھار کھائے ہوئے تھے۔ اور غالباً یہی ایک وجہ ہوئی کہ اس مثنوی میں بار بار ترمیم ہوتی رہی۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ مرحوم نے اُنکے اعتراضات کو ہمیشہ مان لیا ہو۔ اگرچہ اعتراض کا مان لینا آپکی خلیقی حق پسندی اور صفائے قلب سے ہرگز بعید نہ تھا۔ مرحوم کی عادت یوں بھی ہمیشہ سے تھی کہ جب کبھی اُن کی کوئی تحریر از سرِ نو چھپنے لگتی تھی تو وہ اُس پر غائر نظر ڈال کر اُسکو بہتر بنانے کی کوشش کرتے تھے حتیٰ کہ پُرانی غزلوں میں بھی مرتے دم تک حذف و اضافہ وغیرہ کرتے رہے۔ مفسدہ پرداز معترضین نے تو یہاں تک کیا کہ ڈھونڈھ کر اُن کے ابتدائی کلام کے نمونے خاصکر اس مثنوی سے اخذ کرکے اُن کے زمانۂ پیری کی عظمت کو گھٹانے کی غرض سے شائع کئے۔ اور چاہا کہ مرحوم جو اسی مثنوی کی بعض بے مثل خوبیوں کی بدولت اپنی جوانی میں بامِ شہرت پر آچکے تھے بعض مفروضہ نقائص کی بنا پر نظروں سے گر جائیں لیکن دستور یہ ہے کہ جو مصنف اپنی کسی خوبی کی بنا پر ایک مرتبہ چمک جاتا ہے پھر نہیں گھٹتا۔ مرحوم کی شخصیت میں یہ حاسدین بٹہ نہ لگا سکے جس چیز کو یہ لوگ نقادی کے نام سے موسوم کرتے تھے وہ بڑی حد تک رکیک نکتہ چینیاں تھیں۔

اس مثنوی میں لطفِ زبان، سلاست، محاورات اور روزمرہ کا جو مذاق دکھایا گیا ہے وہ پُرانے لکھنؤ کی پُرانی صحبتوں میں بیٹھے بغیر کوئی شخص پیدا نہیں کر سکتا۔ ٹھیٹھ اردو اور لکھنؤ کی زبان اسی کو کہہ سکتے ہیں اور شاعری میں اس سے کام لینا آسان نہیں۔

"ترانۂ شوق" بالکل گلزارِ نسیم کے طرز پر ہے۔ بحرِ سخن اور سلسلۂ کلام بلکہ اختصار بھی نسیم ہی کا سا ہے۔

افسانہ بھی اُسی قسم کی دیوزاد پریوں اور شہزادوں کا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا موضوع جا بجا "گلزار نسیم" کا موضوع بن گیا ہے۔ اسی بنا پر معترضین نے طنزیہ کہا ہے کہ شوق نے اپنا "ترانہ" اپنے نزدیک "گلزار نسیم" کا جواب لکھا ہے۔ لیکن مرحوم نے ایک مقام پر نہایت دیانتداری اور جرأت کے ساتھ بلکہ فخریہ تسلیم کیا ہے کہ میں نے اُس کو گلزار نسیم کے جواب کے طور پر نہیں بلکہ نسیم کی اتباع کر کے نظم کیا ہے اور اس اتباع کی کوشش میں مجھے واقعی خون تھوکنا پڑا ہے۔ اس سے مرحوم کی نیت ظاہر ہے ۔ اُن کو اپنی سعی میں کہاں تک کامیابی ہوئی اس کا اندازہ اُن منصف مزاجوں کے ہاتھ ہے جو مختلف اصناف سخن میں ایک شاعر کو دوسرے شاعر کا متبع تسلیم کرنے میں بلاوجہ کوتاہی نہیں کرتے۔ ترانۂ شوق کو کھول کر پڑھئے تو سلاست اور قوت شاعرانہ کا کمال نظر آتا ہے۔ یہ چند ساقی نامے اسی مثنوی کے ہیں جن سے جوشِ طبیعت اور کلام کی روانی اور طرزِ ادا کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

شیشے کی پری کو ساقیا لا — بھر بادۂ عیش سے پیالا
آئے پیمانہ آئے مینا — ناچے پیمانہ گائے مینا

ساقی مرے آگے ہاتھ پھیلا — چھینٹوں کی نہیں بڑی ہے سے لا
بھر دے۔ بھر دے۔ پیالہ بھر دے — دل سرد ہے خوب گرم کر دے

چھنٹے پہ جنوں کا رنگ ہے آج — ساقی مری عقل دنگ ہے آج
وحشت جو کہیں زیادہ ہو جائے — زنجیر پہ موج بادہ ہو جائے

کس نے اب تک بنا ہی توبہ؟ — کیسی توبہ؟ الٰہی توبہ!
فاقے افلاس کے ہیں ساقی — پھر رند پئیں جو دم ہے باقی

مدنظر تھی اس لیے نظم بھر میں فارسی کی ایک اضافت بھی نہیں آنے پائی۔ اس سے زبان کی صفائی اور سلاست ظاہر ہے۔ یہ ہماری خانگی زندگی اور نحو نہ ہونے والی قدیم معاشرت کے ایک دردناک منظر کی تصویر ہے جس میں ہمارے طبقۂ نسوان کی بے بسی، فرائض خانگی اور رسم و رواج کی صعوبتیں بڑی ہمدردی کے ساتھ دلکش پیرایہ میں طرح طرح سے دکھائی گئی ہیں۔ جہاں تک شاعری کا تعلق ہے یہ سحرِ حلال کی ایک زندہ مثال ہے جس سے غالباً تعلیم یافتہ اور غیر تعلیمیافتہ اردو داں طبقہ گویا یکساں محظوظ ہو سکتا ہے

مثنوی "عالم خیال" ابتدا سے اس قدر مقبول عام ہوئی کہ چند ہی سال میں پانچ یا چھ مرتبہ شائع ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئی۔ خاصکر ہمارے طبقۂ اناث نے اس کی بہت قدر کی آخری اشاعت مصنف کی مزید ترمیم اور اصلاح کے بعد ہوئی جس نے اس مثنوی کو گویا سرتاسر نیا کر دیا اور اس کا پایہ اور بھی بلند ہو گیا[1]

جدید طرز کی ایک اور نظم "نیرنگ خیال" بھی ہے۔ یہ ایک فرضی قصہ ہے کہ ایک نوجوان لکھنؤ کے ریلوے اسٹیشن پر ٹہل رہا تھا کہ کسی گاڑی میں اس کو ایک دوشیزہ نازنیں دکھائی دی۔ آنکھوں کا چار ہونا تھا کہ دونوں کے دل بے قابو ہو گئے۔ مگر ان ناکامانِ عشق کے لئے یہ پہلی ملاقات آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ اس میں اس قسم کا ٹھیٹھ ہندوستانی عشق دکھایا گیا ہے جو اس ملک میں شاید اب بھی لوگوں کو ہوتا ہے۔ واقعات متذکرہ کی تفصیلات پرانے افسانوں سے مشابہ ہیں اس لئے اس کا شمار خیالات کے لحاظ سے مرحوم کی قدیم طرز کی نظموں میں بھی ہو سکتا ہے۔ البتہ اس کے ظاہری خواص کو دیکھئے تو اپنی شان کی یہ عجوبہ نظم ہے۔ اس کے چار جزو ہیں اور ہر جزو کی بحر موضوع سخن کے لحاظ سے جداگانہ رکھی گئی ہے۔ اگر ایک حصہ بطرزِ مثنوی ہے تو دوسرا مثلثات کے طرز پر

---

[1] اس آخری بار کی ترمیم مصنف نے بیگم صاحبہ صفدر علی قدوائی اور شیخ مقبول حسین صاحب قدوائی (بیرسٹر ایٹ لا) کی تحریک پر اور اُن کے غیر معمولی شغف سے متاثر ہو کر کی ہے۔ اور انہی موصوفین کی توجہ سے اس مرتبہ یہ نظم بہترین اہتمام کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

اور تیسرا ایک نئے قسم کا مخمس ہے جس میں پہلے مصرع کا قافیہ تیسرے مصرع میں اور دوسرے کا قافیہ چوتھے مصرع میں ملتا ہے مثلاً

نہ تھی چال سے میں واقف کہ بچھا ہے لکھنؤ میں   جو ادھر سے کوئی نکلے تو پھنسے وہ راہ چلتے
نہ مٹے مری جلن اب کہ یہ مل گئی لہو میں   نہ بدن رہے بدن اب - یہ ہوا کہ جلتے جلتے
وہ لگا کے آگ غم کی مرا جی جلا گیا ہے

مثلث ہماری شاعری میں کوئی نئی چیز نہیں مگر معز دکسر ہے مرحوم نے کئی نظمیں اس صنفِ سخن میں لکھکر شاعری کی نیرنگی اور اپنی جدت پسندی کا عمدہ ثبوت دیا ہے - ایک پر از تغزل نظم موسوم "بہ سیرِ دریا" کے چند مصرعے مثالاً پیش کئے جاتے ہیں -

نگاہ لوٹتی ہے دریا کی اس روانی پر   کسی جبیں پہ شکن ہے کہ لہر پانی پر
بھنور ہے یا گردشِ چشمِ حسیں نظر آئی
شعاعِ مہر سے پانی ہے آبِ زر گویا !   ہے مچھلیوں کے رخوں پر نقابِ زر گویا
فلک سے دھوپ جو آئی تو لیکے زر آئی

اسی طرح پر بہت سی نظمیں جو مختلف رسائل، اخبارات وغیرہ میں شائع ہوئی ہیں کسی نہ کسی طرح کی ظاہری یا معنوی جدت ضرور شامل رکھتی ہیں اور اسی بنا پر مختلف حصہ ہائے ملک کے نصابات تعلیم میں داخل ہیں "گنجینۂ شوق" کے نام سے اُن کی چند بڑی نظموں کا مجموعہ (مطبوعہ سعیدی پریس رامپور) بھی شائع ہو چکا ہے جس میں چند عالمانہ نظمیں ہیں - اسی میں ایک مثنوی موسوم "چمن" ہے اس میں حسن کی تعریف یوں کی گئی ہے -

تحریر میں آئے تو یہ دشوار   حرفوں میں سمائے تو یہ دشوار
لازم نہیں - منحصر نہیں تو   بند ایک ہی شکل پر نہیں تو
اور اس سے کشش ہو کیا زیادہ   دل آتا ہے تجھ پہ بے ارادہ
وہی تجھ میں جمال تیرا   ظنی ہم میں خیال تیرا

ایک جگہ عاشق و معشوق کے باہمی دیدار اور ناز و نیاز کا نقشہ کھینچا ہے۔ کہنا یہ ہے کہ عاشق نے معشوقہ کو باغ میں تنہا پالیا۔ یہ پہلی ملاقات تھی۔ پھر کیا گذری؟

چتون کی ادا نظر سے گذری — برچھی کی انی جگر سے گذری
یاں جھک کے نگہ زمیں پہ پہونچی — واں چشم ہوس جبیں پہ پہونچی
یاں موئے مژہ نظر پہ چلمن — واں دست ہوس کو شوق دامن
شہزادہ تھا ولولوں سے پرجوش — جیسے مے کی ہوس میں مے نوش

منھ سے جادو نکالتا تھا — ڈورے باتوں سے ڈالتا تھا

قسموں سے بناوٹوں کی باتیں — نظروں سے لگاوٹوں کی باتیں
ہاتھ اس کے بڑھے تو ہٹ گئی یہ — آنچل کی طرح سمٹ گئی یہ
کھٹکی جھجکی۔ زبان کھولی — بل ڈال کے تیوریوں پہ بولی
دیکھے کوئی ان کے شوق کا حال — ٹپکے پڑتے ہیں جس طرح رال
دن اور اندھیر اس بلا کا — تم ڈالنے آئے مجھ پہ ڈاکا

اُف اپنی زباں پہ لائے کیوں تم؟ — تھا ور دکھیں تو آئے کیوں تم؟
کچھ خیر ہے! گفتگو یہ کیسی؟ — بندی نہیں بے تکلف ایسی؟
ایسے کچھ پاک دل نہیں تم — آنچل مرا چھو نہ لو کہیں تم
کیونکر؟ ہاں پھر تو ہاتھ جوڑو — قدموں کی نہیں بدی ہے چھوڑو!
آپے کو بھولے ہوئے ہو کیوں تم — کچھ پی تو نہیں کہ ہوش ہیں گم
مجھ پر ابھی حق نہیں تمھارا — کیا غیر پہ غیر کا اجارا

کھٹکا تھا کہ بھید کھل نہ جائے — ایسا نہ ہو پھول کھلکھلائے
نرگس دیکھے تو کیا عجب ہے ! — سوسن نہ کہے یہ کیا غضب ہے !
بیدار نہ سبزہ باغ کا ہو — شمشاد نہ تاک میں کھڑا ہو
غنچے نہ چٹک کے گل کھلائیں — بوباس کے نہ لے اڑیں ہوائیں

ان اشعار میں سادگی سلامت۔ معاملہ دادا بندی مصنف کی مشاقی اور باریک بینی کی داد دے رہی ہے۔ آخری مصرعوں کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ چٹکنا ناراض ہونے کے معنی بھی رکھتا ہے "گل کھلانا" دوسرا محاورہ کس قدر موزوں ہے۔ دوسرا مصرع بھی برابر کا ہے۔ اور افشائے راز کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اسی کے ساتھ خیال رہے کہ موضوع بھی نہایت شوخ اور نازک ہے۔

حضرت شوق نے علاوہ اس قسم کی نظموں کے قصائد مسدس مخمس۔ رباعیاں بکثرت لکھیں جن میں اونکا ذوق سخن بہ نسبت غزل کے بہتر ثابت ہوا اور صاف اندازہ ہوتا ہے کہ اونکا میلان مضامین کی طرف زیادہ تھا جن میں خیالات اور مکالمات کے لئے ایک وسیع تر میدان ہوتا ہے اور پرواز خیال کے لئے فضا محدود نہیں ہوتی۔ شوق مرحوم کی نظمیں اس کثرت سے شائع ہو چکی ہیں کہ ان کا گنانا دشوار ہے لیکن ارباب نظر اُن نظموں کا کافی اندازہ رکھتے ہیں۔

منجملہ اُن نظموں کے جن کو ہر مذاق کے لوگوں نے پسند کیا مثنوی "عالم خیال" ہے جو واقعی فطری شاعری کی بہترین مثال ہے کیوں کہ اس کا جادو ہر خاص و عام کو تقریباً یکساں متاثر کرتا ہے اور اس کا شمار مرحوم کے مجددانہ کلام میں ہونا چاہیئے۔ موضوع سخن یہ ہے کہ ایک فراق زدہ نوعمر عورت اپنے دور افتادہ شوہر کے عشق میں بے چین ہے اور اپنی ہی زبان میں اپنے بے لوث خیالات کا اظہار کر رہی ہے یا دل ہی دل میں کچھ باتیں کر رہی ہے آخر کار عین حالت انتظار میں اُس کا شوہر پردیس سے واپس آجاتا ہے اور فراق کی مصیبت دور ہوتی ہے۔ یہ اردو میں ایک نیا مضمون تھا۔ اور اس صنف سخن میں اردو شاعری سے ہندی شاعری کا کام نہایت متانت اور توازن قائم رکھکر لیا گیا ہے۔ اس میں عورت کے خیالات کی ترجمانی اور جذبات نسوانی کی نقاشی

میں اُس کی آنکھ پر مائل ہوں دل کاکل پر مائل ہو — قضا کے سامنے میں ہوں بلا کے سامنے دل ہو
نباہ الفت کا اِن دو نازکوں میں سخت مشکل ہو — اِدھر نازک مزاج یار اودھر نازک مرا دل ہو
سیہ بختی بھی رنگِ حسن لاتی ہو حسینوں میں — بڑھے تو سر پہ کاکل ہو گھٹے تو گال کا تل ہو
ہمارے وصل کا وعدہ پڑا ہو سخت جھگڑوں میں — جوانی کہتی ہو آساں حیا کہتی ہو مشکل ہو
اِدھر میں خوش اودھر وہ خرّم خوش اپنے تصور سے — میں سمجھا تیر ہے دل میں وہ سمجھا تیر میں دل ہو
جنوں کے لطف پر پانی پھرا آنکھوں کے رونے سے — نہ کانٹوں میں خلش باقی نہ گرد اُڑنے کے قابل ہو
مشجّر حیرت ہیں غنچہ تنگ دامن چاک پھولوں کے — چمن کیا موسمِ گل میں ہو دیوانوں کی محفل ہو
اِدھر وہ شرم سے چپ ہیں اودھر میں خوف سے چپ ہوں — یہ صورت ہو کہ آئینہ سے آئینہ مقابل ہو
وہ کہتا ہو کہ توڑوں گا میں کہتا ہوں کہ جوڑ اِس کو — وہ کہتا ہو کھلونا ہو میں کہتا ہوں مرا دل ہو
زمیں نے ہم کو پیدا کر کے کیا اے شوقؔ پھل پایا — کہ اُس کے منھ کو ہم سے ایک مشتِ خاک حاصل ہو

اس غزل کے قریبی زمانہ کی ایک غزل اور درج کی جاتی ہو جس کو مصنف نے بعض اشعار کے حذف و اضافہ کے بعد شاملِ دیوان کیا ہو۔ اس میں اور زیادہ نظر آئے گی۔ اور اندازہ سے کہا جاسکتا ہو کہ اُس دور کے عوام کو نہیں بلکہ شاید خواص کو زیادہ پسند آئی ہو۔ لیکن آخری دور کے کلام سے یہ بھی بہت مختلف ہو۔ یاد رہے کہ یہ اُس زمانہ کا کلام ہو کہ جب امیرؔ اور داغؔ کا طوطی بول رہا تھا اور اِن ہی اساتذہ کے آگے رنگ جمانا دشوار تھا۔ جب تک شعر میں امیریت یا داغیت نہ ہوتی تھی عوام کالانعام شعر کی داد ہی نہیں دیتے تھے۔ مگر شوقؔ کے یہ اشعار اُس زمانہ میں بھی پھلے اور اس وقت بھی ایسا ہی وجاہت رکھتے ہیں کہ اُس کی تصریح زبان نہیں بلکہ نظر اور بس نظر ہی کر سکتی ہو۔ ضرورت صرف رواداری اور ایک خاص مذاق کا اندازہ رکھنے کی ہو۔

مارے غصہ کے غضب کی تاب رخساروں میں ہو — کل تو تھی پھولوں میں گنتی آج انگاروں میں ہو
پا گھٹے کچھ عشق میرا - یا بڑھے دنیا میں حُسن — یہ تو نا کافی ہو جتنا اِن دل آزاروں میں ہو
مسئلہ کثرت میں وحدت کا ہوا حل تم سے خوب — ایک ہی جلوہ تھا اور تمھارے لاکھ اقراروں میں ہو

چاند ہی کہہ دے جو دیکھا ہو کوئی تجھ سا حسیں — اس نے بھی دیکھی ہی دنیا یہ بھی سیاروں میں ہی
دیکھتے ہیں ہم انھیں اور وہ کھڑے ہیں سامنے — حشر کیا ہی عید کا دن ہم گنہگاروں میں ہی
کفر نے اسلام کو شاید کہیں مارا کہ شوق — ماتمی پوشاک سے کعبہ عزاداروں میں ہی

قریب قریب اسی دور کا کچھ اور کلام ملاحظہ ہو۔ یہ بھی صرف نمونہ ہی۔ انتخاب نہیں۔

ہمیشہ حسن جبیں میں تو رُخ میں تاب رہے — تمام عمر الٰہی ترا شباب رہے
شگفتگی بھی ہی چہرے کا حسن غصہ بھی — وہ چاہی پھول رہے چاہی آفتاب رہے
ادائے حسن بنا حشر میں سکوت اُن کا — جواب کچھ نہ بن آیا تو لاجواب رہے
خدا کرے کسی زاہد کے ساتھ حشر اُس کا — جسے حسین سے خلوت میں اجتناب رہے
ہر ایک بزم میں آنکھوں سے اُن پہ صاد ہوئے — جہاں رہے وہ سزاوارِ انتخاب رہے
تمھارے شعلۂ رخ سے ہوا کیونہ فی النار — جو دیکھ لو تو نہ پارا رہے نہ آب رہے
گھٹیگی عمر جو اُلجھو گے زلف سے اے شوق — کہ طول کم ہو جو رشتہ کو پیچ و تاب رہے[۵۱]

اذاں حرم میں ہوئی ہی خدا خدا کر کے — چلو وہ چیز پئیں اب نماز ادا کر کے
ہوئی ہی اس سے محبت میں تازگی پیدا — مناؤنگا تمھیں سو بار میں خفا کر کے
گردن اس نے بڑھا دی سمجھ کے کم جرأت — خطا ہوئی کہ میں نادم ہوا خطا کر کے
جوابِ شکوۂ بیجا سے لطف اُٹھتا شوق — خجل کیا اُسے کیوں شکوۂ بجا کر کے

چلا ہوں تیسرے فاقہ میں آج پینے کو — حرام مجھ پہ تو اے شیخ اب شراب نہیں

---

[۵۱] یہ غزل (غالباً غیر مطبوعہ) منجملہ اُس حصہ کلام کے ہی جسے مصنف نے تلف کر دینے کی کوشش کی تھی مگر اُن کے شاگرد رشید مولوی محمد حسین صاحب محوی لکھنوی نے اُس کو محفوظ کر لیا تھا۔

کیا پست ہو کیا بلند ہونا　　ہو "حُسن" فقط "پسند ہونا"

پہلے تو حُسن کو ناممکن التعریف قرار دیا ہو۔ اُس کے خارجی ہونے سے انکار کیا ہو۔ اور شاعری سے کام لیکر دکھایا ہے کہ حُسن کا ذہنی ہونا ہی گویا حُسن کی خوبی ہو۔ پھر آخری الفاظ میں امکانی تعریف کرنے کی کوشش کی ہو اور اس کے بعد خالص شاعری اور کلام پر قدرت یوں دکھائی ہو۔

حد سے روشِ من تری زیادہ　　چالیں تری پیشِ پا فتادہ
ابھرا ہوا رُخ پہ گال بنکر　　بکھرا ہوا سر پہ بال بنکر
چھوٹا ہوا چھوٹ کھیلنے پر　　لپکا ہوا لوٹ لینے کو گھر
مہکا ہوا مثلِ نشۂ مل　　بھڑکا ہوا مثلِ آتشِ گل
فطرت تری ہنس کے بولنے کی　　عادت تری دل ٹٹولنے کی
جو تجھ پہ مرے وہ کام کر جائے　　زندہ دنیا میں نام کر جائے

اس مجموعہ میں "طبیعیات اور مذہب" بھی ایک نظم ہو۔ اس میں ثابت کرنا یہ تھا کہ سائنس کی ترقی سے مذہب کو متزلزل ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس نظم میں خشک معلومات اور فلسفیانہ مباحث کا ایک سنجیدہ طومار ہو۔ شاعری سے زیادہ منطق اور منطق سے زیادہ شاعری ہو۔ اس میں شبہ نہیں کہ طلبہ کے لئے متعدد حیثیات سے یہ ایک مفید چیز ہو اور قابلِ قدر تصنیف ہو[۵]

دیوانِ شوق اس مثنوی کو اور دوسری نظموں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ حضرتِ شوق بہ نسبت غزل کے اپنی مسلسل نظموں میں زیادہ کامیاب رہے۔ ابتدا ہی سے رجحان کچھ سلسلہ دار مضامین کی طرف زیادہ تھا حالانکہ اُن کے زمانہ شباب میں غزل کے علاوہ کسی صنفِ سخن کو بجز مرثیہ

۵؎ حضرتِ شوق کی تصانیف کی مکمل فہرست دینا آسان نہیں مطبوعہ نظموں میں علاوہ مذکورہ بالا نظموں کے "مثنوی قاسم و زہرہ" "مثنوی دُرِ یتیم" "ڈراما رشید و رعنا" "ڈراما جمیل" نے خاص شہرت حاصل کی ہو۔ اور بہت سی چھوٹی بڑی نظمیں ملک کے مشہور رسائل میں مدتوں شائع ہوتی رہی ہیں اور بعض متفرق کتابوں کی شکل میں بھی شائع ہوئی ہیں۔

کے چنداں مقبولیت حاصل نہ تھی اور صرف روایتی شاعری کی قدر تھی۔ مگر باوجود مذاق جدت پسندی کے انھوں نے روایتی شاعری اور غزلیں کہنا آخر وقت تک نہیں چھوڑا۔ قیاس کہتا ہے کہ مشاقی اُن کو اسی صنف سخن کی پرستاری سے حاصل ہوئی تھی۔ آخری زمانہ میں غزلیات سے وہ ایک حد تک متنفر ہو گئے تھے۔ لیکن اس مشق کا ترک کرنا وضع کے خلاف تھا۔ آخر عمر میں اُنھوں نے اپنا یہ دیوان مرتب کیا جس میں تقریباً وسطی اور آخری زمانہ کے کلام کا نمونہ ملے گا۔ اس ترتیب سے اُن کا منشا ہرگز یہ نہ تھا کہ اُن کے روایتی حصۂ کلام کا اکثر حصہ محفوظ ہو جائے۔ یا یہ کہ اُنکا جو دلکش ترین کلام اس صنف میں ہو دنیا کے سامنے پیش ہو جائے۔ موجودہ ترتیب سے دیوان کو شائع کرنے کی آرزو بہت بڑی حد تک اس نیت سے تھی کہ زمانہ آئندہ کے طالبانِ فن اور محققینِ زبان ان کے نتائجِ کتب بینی و پنجاہ سالہ تجربہ اور مشقت سے فائدہ اُٹھا سکیں اور ضمناً اُس کلام کا ایک جز محفوظ رہ جائے جو اُنھوں نے واقعی اپنے شاعرانہ جذبات دکھانے کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔ چنانچہ باوجود مذکورۂ بالا مقصد اور ہر طرح کی ردو قدح کے اس دیوان سے اُنکا سچا شاعرانہ اور دلکش کلام معدوم نہیں ہوا یوں بھی تقریباً ہر صفحہ دیوان پر ایسے اشعار ملتے ہیں جن کی لذت دل سے محو نہیں ہوتی۔

شوق فرمایا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد مجھے اُس داد کی ہوس نہ ہوگی جو ایک شاعر کو اپنی ہمت افزائی کے لئے درکار ہوتی ہے۔ غرضکہ دیوان کا اگر محض اس اُمید پر مطالعہ کیجئے کہ اس میں طبیعت کو پھڑکا دینے والے اشعار زیادہ ملیں گے۔ اور جو غزل ہوگی۔ دلکشی اور مقبول عام بننے کی صلاحیت رکھتی ہوگی تو یقیناً مایوسی ہوگی اور اگر محض مندرجاتِ دیوان ہی مصنف کی جولانیِ طبع، شاعرانہ قوت پُرگوئی، اور ساحرانہ کمال کو قیاس کیجئے گا تو اُن کے بارہ میں جو رائے قائم ہوگی تمامتر صحیح نہ ہوگی آخر عمر میں حضرت شوق اپنے ابتدائی رنگ کو ناپسند اور شروع کے کلام کی اشاعت سے گریز کرنے لگے تھے ذیل کی غزل سے اُن کے ابتدائی یا وسطی زمانہ کے مذاق کا کچھ اندازہ ہوگا۔ یہ ایک ایسی غزل ہے جسکے بعض اشعار کم از کم پچیس برس تک زبان زدِ خلق رہے ہیں اور اُس زمانہ کے عامۃ الناس کے رجحان کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔

نہ جس میں آہ نہ دیوانہ پن نہ دامن چاک　　وہ زندگی کے لئے ننگ ہے شباب نہیں

یہاں آخری زمانہ کے کلام سے مراد وہ کلام ہے جو پچھلے بیس سال کے اندر کا ہے اور دیوان میں اکثرؔ شامل ہے۔ جدید طرز کی نظمیں بھی اُسی زمانہ کی ہیں۔ غزلیات اس دور کی عموماً وہی ہیں جو مشاعروں کے لئے نہیں بلکہ زمانہ کے رنگ سے ہٹ کر دیوان کے لئے کہی گئی ہیں۔ اس حصہ کلام کا پایہ اپنی عام شعریت کے لحاظ سے اون کے دوسرے اجزاے کلام کے دیکھتے ہوئے بعض اوقات بہت گرا ہوا پایا جائے گا لیکن پھر بھی مشّاقی اور فنی قابلیت کو بدرجۂ اتم ظاہر کرتا ہے۔ تحقیقِ زبان کے لحاظ سے محاورات اصطلاحات ضرب الامثال وغیرہ اور الفاظ کو صحت کے ساتھ نظم میں لانے کے لئے اس حصہ کلام میں ایسی انتھک کوشش کی گئی ہے کہ جس کی نظیر شاید ہماری زبان میں کوئی اور مصنف نہیں پیش کر سکا ہے۔ یہ دیوان نہیں بلکہ زبان اردو کی ایک غیر مرتب لغت ہے۔

صدہا اشعار محض الفاظ وغیرہ کی تحقیقات کو محفوظ کر کے دیوان میں درج کرنے کے لئے قلمبند کئے گئے ہیں جتیٰ کہ بعض اوقات اس کوشش میں اشعار کی شعریت زائل ہوگئی ہے اور جابجا فصاحت کا دامن بھی ہاتھ سے جاتا رہا ہے۔ مگر ان حقیقی امور پر زور دینے اور اپنا منشاء ترتیب طرح طرح سے ظاہر کرنے میں کمی نہیں کی گئی ہے۔ مثلاً دیوان سے اس شعر کو لیجئے۔

گیسو کو تم خوب چھپاؤ میں اک سانپ اب پالونگا　　ہر وقت اُس کو دیکھونگا اور سمجھونگا یہ گیسو ہے

تسلیم ہے کہ یہ شعر فصاحت سے گرا ہوا ہے معناً دلچسپ نہیں لفظ گیسو کی تکرار نامناسب ہے مگر مفید اس لحاظ سے ہے کہ گیسو کو چوٹی کے معنی میں اور بصیغۂ واحد استعمال کرنا جائز دکھایا گیا ہے[۱] ۔ اسی طرح نظاہر

---

[۱] کھلا جو یار کا جوڑا تو دل کھنچا میرا　　بڑھا جو گیسوے جاناں مجھے کمند ہوا　(الپندہوا) آمیرؔ "مراۃ الغیب"

دلِ پُر داغ کا مسکن نہیں ہے اسکے گیسو پر　　اُگا ہے پھول لالے کا یہ گویا شاخِ سنبل پر　الیضاً

پیچ و خم دیکھ کے دم بند ہوا سنبل کا　　باغ میں اس نے جو کھولا کبھی گیسو اپنا　(بہندوا اپنا) رندؔ "گلدستۂ عشق"

مصنف کی تحقیق یہ ہے کہ جس چیز کو عرفِ عام میں "بخار" کہتے ہیں اور ہم لوگ لفظ "تپ" سے تعبیر کرتے ہیں وہ صحیح تب ہے اور بائے فارسی سے اُس کو نہ لکھنا چاہیئے۔ چنانچہ قلمی دیوان میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے بلا استثناء یونہی لکھا گیا ہے۔ بلکہ ایک جگہ "اب اور کب" کے قافیہ میں یہ شعر بھی نظم کر دیا گیا ہے۔

عمر گذری ہے جہنم ہی میں جلتے اے شوق　　　عاشقی میں اثرِ گرمیِ تب کتنا ہے

شعرا اپنے ہر مطلع کو سنوارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور مطلعِ دیوان کے لئے تو خاص اہتمام مدِ نظر رکھتے ہیں۔ شاید ہی کسی مستند شاعر نے اس بارہ میں بے پروائی برتی ہو۔ حضرتِ شوق اپنے دیوان کے مطلع میں کیا خصوصیت ملحوظ رکھتے ہیں وہ ملاحظہ ہو:۔

مرا حق مان کریں تو مرا حاجت روا ہونا　　　کہیں مانے ہوئے ہوں سے خدا تیرا خدا ہونا

قبل ازیں کہ مطلع کے بارہ میں کوئی شک ظاہر کیا جائے چند امور پیشِ نظر رکھ لینا ضروری ہیں۔ قلمی دیوان مصنف نے خاص اپنے ہاتھ سے مرتب کیا تھا۔ ایک ایک نقطہ اُس کا اُنہیں کی جنبشِ قلم کا نتیجہ ہے[۵۱]۔ وہ طبعاً از حد محتاط بلکہ علمی معاملات میں شکی واقع ہوئے تھے۔ اُن کے ہاتھ کا (قلمی) دیوان سالہا سال تک اُنہیں کی حفاظت میں رہا جس کو برسوں انھوں نے جا بجا سے احباب کو سنایا ہے۔ لہذا اُس مطلع میں تحریف کا تو کوئی سوال نہیں نہ کتابت کی کوئی غلطی باور ہو سکتی ہے۔ اب بادی النظر میں مصرعہ اولیٰ میں محسوس یہ ہوتا ہے کہ یا تو "یں" زائد ہے یا "ہونا" زائد ہے۔ دوسری طرف یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس پایہ کے اُستاد سے ایسی صاف لغزش کیونکر ہوئی ہوگی۔ بہر کیف اپنی کوتاہ نظری تسلیم کر لینا بہ نسبت اُن پر حرف رکھنے کے آسان ہے۔ اور ماننا ہوگا کہ اُنھوں نے جان بوجھکر اس مصرعہ کو یونہی کہا ہے اور صحیح سمجھکر کہا ہے[۵۲]۔

---

[۵۱] شوق اردو کے رسم الخط کے بارہ میں بھی رائے رکھتے تھے جسے اُنھوں نے اپنے دیوان کی کتابت میں پوری طرح ملحوظ رکھا تھا۔ مطبوعہ دیوان میں اُنکی تحریر کی اس خصوصیت کو باقی رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر غالباً حسبِ منشائے مصنف پھر بھی پوری کامیابی ممکن نہ ہوئی۔ [۵۲] شیخ محمد علی صاحب جگوری متخلص بہ بسمل اس روایت کے ذمہ دار ہیں کہ خود موصوف نے حضرتِ شوق کو اس مصرعہ کی طرف توجہ دلا کر رفعِ شک چاہا۔ تو خوش ہو کر مرحوم نے اس سے زیادہ کچھ نہ کہا کہ مطلع بالکل ٹھیک ہے۔ تم نہ سمجھ سکو گے اس لئے سمجھا دیں گیا

دیانت داری کے خلاف ہوتا اگر اس مفروضہ زیادتی کو لغزشِ قلم پر محمول کر کے درست کرنے کی کوشش کی جاتی اگر ان کی رائے غلطی پر تھی تو وہ بشر ہی تھے۔ ایسی صورت میں کم از کم اُن کے تیقن کی شدت اور اُن کی جسارت داد لئے بغیر نہ رہے گی۔

آخری زمانہ میں اُنھوں نے میرؔ کی تقلید کی بہت کوشش کی۔ میر حسن دہلوی سے بھی جابجا اعتقاد ظاہر کیا ہے اور اندازِ سلف کی پیروی پر ناز کیا ہے۔ بعض مقطعوں میں اسی نصب العین کی طرف اشارہ ہے۔

خدا بخشے بہت ہی شوقؔ ہم کو یاد آتا ہے — وہ دل والا اعتقاد اُس میں جنابِ میرؔ کا سا تھا

ہیں دل سے کانوں کے بہرے اُسے سنو اے شوقؔ — اگر سخن کسی شاعر کا ہو حسن کا سا

شوقؔ وہ ہوں کہ آتش ہوں کہ معروف ہوں اے شوقؔ — ہم نظم میں منت کشِ اندازِ سلف ہیں

چنانچہ دیوان میں بے شک ایسے بہت سے اشعار ملیں گے جو قدما کی اتباع کا قابل قدر نتیجہ سمجھے جائیں گے لیکن خواہ کچھ ہو شوقؔ کا ایک خاص رنگ تھا جس سے انکا کلام پہچانا جا سکتا ہے۔ یہ بختگی کلام کی بھی شان ہے۔ اُس رنگ کی تلاش کیلئے دیوان ہی موجود ہے کسی کے رنگ کو بیان میں لانے کا ارادہ اسی قدر دشوار ہے جس قدر کسی دوسری وجدانی شے کو منطقی تعریف کے دائرہ میں مقید کرنے کی کوشش۔

اس مخصوص رنگ کے علاوہ ایک امر واضح یہی ہے کہ شاعری کے روایتی میدان میں بھی بعض اوقات آزادی مزاج اور بے لوثی کا اظہار اس قدر بے دھڑک کیا گیا ہے کہ اس کی نظیر کم ملتی ہے اور ملتی ہے تو اکثر لکھنؤ ہی کے پرانے اساتذہ کے کلام میں جو اکثر اپنی مرصع غزلوں میں بھی اس قسم کی شانِ اجنبیت رکھنے والے اشعار گویا عارتاً شامل کر دیتے ہیں۔

بگاڑ میں بھی ہو اسے لبھائے جاتا ہے — وہ لڑ رہا ہے مگر مسکرائے جاتا ہے

شوخ کو دے سزا اسے پامالی — قد ترا اللہ ظلہ العالی

یہ خلفشار حشر کا مثلی سے کم نہیں — کھایا پیا تمام زمیں نے اُگل دیا

وہ گھر میں بنے بیٹھے ہیں اے شوقؔ تنکاری — ہر وقت پہنچے کا وہاں فیر ہے اب تو

دل کے بہلانے کو چھوڑوں ڈاک میں — اُس کی جانب سے خط اپنے نام کے

خصائل و مزاج

حضرت شوق آزاد منش اور طبیعت کے بہت شوخ تھے اُن کا شمار وضع دار لوگوں میں تھا اُنکی جوانی لکھنؤ کی رنگین صحبتوں میں گذری دل چوٹ کھایا ہوا تھا ایک واقعہ ہے کہ قلق نے جب اُنکے رنگ سخن کو دیکھا تو ایک موقع پر بیساختہ کہہ اُٹھے کہ بھتیجے! تم نے کہیں آنکھ مسکین کی ضرور لڑائی ہے" اسپر نوعمر شوق نے اپنا سر جھکا لیا۔ شرفائے لکھنؤ کے قدیمی لوازم سب اُن کے لئے موجود ہو گئے تھے۔ مثلاً بیاس وغیرہ خاص لکھنؤ والوں کا سا رکھتے تھے۔ لیکن خیالات اور وضع میں ہمیشہ زمانہ کے ساتھ بلکہ کچھ آگے ہی رہے۔ مرحوم دُھن کے پکّے تھے۔ اگرچہ تمامی زندگی فکر معاش میں گزری لیکن اُنکے علمی مشاغل میں کبھی کمی نہیں واقع ہوئی۔ پیری میں بھی دماغی کام مسلسل کرنے کے اس قدر عادی تھے۔ کہ بہت سے نوعمر اُن کا مقابلہ نہ کر سکتے۔ معلومات کا دریا تھے جس موضوع پہ گفتگو کرتے تھے وسعت نظری اور علمی قابلیت ظاہر ہوتی تھی۔ اُن کے مزاج میں جہاں خود داری تھی وہاں انکسار بھی بیحد تھا جن لوگوں کو انکی صحبت سے فیض حاصل ہوا ہے وہ ہمیشہ اُن کے اخلاق کے معترف رہے۔

شوق کی زندگی ایک سرگرم زندگی تھی جسکے کارنامے دنیا ادب میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ قدردانی شوق کا وقت واقعی اب آیا ہے کہ شوق اب نہیں رہے۔ اب گویا اُن کی وہ زندگی شروع ہوئی ہے جو عشاق ادب کے نزدیک کبھی ختم نہ ہوگی ؎

دنیا وہ عشق کی ہے جس میں مرنا جینے سے بیشتر ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الف

مرا حق مان کر بن تو مرا حاجت روا ہونا
کہیں مانتے ہوئے ہوں اے خدا تیرا خدا ہونا

تجھے سمجھے ہوئے ہوں میں ہمیشہ سے ہمیشہ تک
نہ جانوں ابتدا ہونا نہ مانوں انتہا ہونا

ہی تیری ذات اے اللہ خود ہی مقتضی تیری
نہیں ممکن ہی ایسا اور کا تیرے سوا ہونا

خرد کو عجز زیبا ہی ادب سے دم بخود ہو کر
کہ تیری معرفت تک غیر ممکن ہی رسا ہونا

خطا سے پیشتر میں ہوں خطا کا معترف یارب
بشر ہوں اور نہیں ممکن بشر کا بے خطا ہونا

میں کیوں محروم رکھوں تیرے وصف عفو سے تجھکو
نہیں منظور یارب مجھ کو اپنا پارسا ہونا

الٰہی عفو کرنا شوق پر جو قرض رہ جائے
ہیں اتنے حق ترے دشوار ہی جنکا ادا ہونا

بکتے بکتے تو تو اے ناصح مرا سر کھا گیا
دل گیا میرا تو پھر تیری گرہ سے کیا گیا

کچھ شباب آتے ہی آج اس پر توکل اس ستم
اک ذرا سا حسن کیا پایا کہ تو اترا گیا

آئے ہم اس کی گلی میں سو تمنائیں لیے
اب خدا جانے کہاں وہ کبر استغنا گیا

مکر کے پردے میں دیکھا جا کے بے پردہ اُسے
جب گیا میں اس کے گھر تب بن کے نابینا گیا

ضبط گریہ نے کیا میری امیدوں کا خوں
یہ سمجھ بیٹھا وہ بے پروا کہ اب صبر آ گیا

رُو برُو اس کے جو رُخ نے رنگ بدلا بار بار
میری صورت دیکھ کر وہ درد دل کا پا گیا

موت سے کچھ کم نہ تھی اے شوق میری بیخودی
کیا خبر مجھ کو کہ میرے گھر وہ آیا - یا گیا

مرے منھ پر کسی سے لیکے تجھ کو پان کھانا تھا
ترے ہونٹوں کو میرے خون کا بیڑا اُٹھانا تھا

یہ آہیں چند میں نے کھینچ دیں صرف اور پی دل سے
اثر کی کب تمنا تھی فقط اُس کو ڈرانا تھا

نہ تھی کم تیری خونریزی سے میری خوں فشانی بھی
پہونچتا تیرے کانوں تک تو کیا رنگیں فسانا تھا

خطا کیا اُن کی - وہ سر کو جو زانو سے ہٹا بیٹھے
ہمیں چوکے - ہمیں آپے میں جیتے جی نہ آنا تھا

تھا رہی غیر کی - ناصح کی اب تو سب کی سنتے ہیں
کسی کی ہم نہیں سنتے تھے وہ بھی اک زمانا تھا

خموشی روبرو اُس کے نہ ڈر سے تھی نہ حیرت سے
مجھے منظور اپنے ضبط دل کا آزمانا تھا

گئے اُس کی گلی میں اور پھر جیتے پلٹ آئے
وہاں تو شوق مرنے کا بہت اچھا ٹھکانا تھا

دل گھُٹتا ہے - ہم کو اِس سے رازِ عشق نہ کہنا تھا
گھر کا بھید ہی لنکا ڈھا سکے - اتنا سمجھے رہنا تھا
کیوں ہنستے ہو - میں جو برہنہ آج جنوں کے ہاتھوں ہوں

کچھ دن گزرے ہیں سنے بھی خوش رنگ لباس اک پہنا تھا

نزع کے وقت آئے ہو تُم اب پوچھ رہے ہو کیا مجھ سے
حالت میری سب کہہ گزری جو کچھ تُم سے کہنا تھا

آ کے گیا وہ - رویا کین یہ - ہرج ہوا نظارے میں
آنکھیں کچھ ناسور نہیں تھیں جن کو ہر دم بہنا تھا

ہمت ہارے - جی دے بیٹھے سب لذت کھوئی اے شوق
مرنے کی جلدی ہی کیا تھی - عشق کا غم کچھ سہنا تھا

ابرو ہی کعبہ - آج سے یہ نام رکھ دیا
ہم نے اُٹھا کے طاق پہ اسلام رکھ دیا

نشئے میں جا گرا جو میں مسجد میں سر کے بل
زاہد نے مجھ پہ سجدے کا الزام رکھ دیا

جھجکا وہ خوف کھا کے تو میں نے تڑپ کے خود
برچھی کی نوک پہ دلِ ناکام رکھ دیا

دلچسپ نام سُن کے لگے مانگنے حسیں
کس نے ذرا سے خون کا دل نام رکھ دیا

اتنی تو اُس نے کی مری دلسوزیوں کی قدر
تربت پہ اک چراغ سرِ شام رکھ دیا

جوڑا جو بندھ گیا تو نئے دل کہاں پھنسیں
تو نے اُدھر لپیٹ کے کیوں دام رکھ دیا

آنکھ اس ادا سے اُس نے دکھائی کہ میں نے شوق
چپکے سے اپنا مے کا بھرا جام رکھ دیا

گُل ہو کے ہیں کیا ہنستا - ایسا نہ تھا غم میرا
شبنم کی طرح گزرا روتے ہی جنم میرا

اک تیز چھُری لیکر کر رحم اب اے ظالم
کچھ کٹ کے جگر کم ہو تو درد ہو کم میرا

خط اپنا بگاڑوں میں اُنگلی کو قلم کر کے
پڑھ لے وہ - اگر بدلے انداز رقم میرا

کچھ چور نہیں لیکن مُنھ سب سے چُراتا ہوں
اُترا ہوا چہرہ ہی - کھُل جائے گا غم میرا

وہ بھی ہیں۔ اجل بھی ہے۔ نکلے کہ نہ نکلے یہ	کھٹکے میں پڑا اب تو اٹکا ہوا دم میرا
اترا کے جوانی پر وہ طنز سے کہتا ہے	پیرِ فلک اور اُس میں اندازِ ستم میرا

اے شوق بڑی عزت دی برہنہ پائی نے
جو خار ہے وہ سر پر لیتا ہے قدم میرا

بوسے ہی کیوں۔ چلا جو مرا دم رکا ہوا	تازہ کیا پھر آپ نے جھگڑا چُکا ہوا
کعبے کا رُخ وہی ہے تو میں اس کو کیا کروں	سر تو تمہارے گھر کی طرف تھا جُھکا ہوا
اب کچھ نہیں کہ جذب کے کام آئے ہجر میں	جتنا تھا مجھ میں زور وہ صرفِ چکا ہوا
اُکھڑی ہوئی جو تھی تری لکنت سے گفتگو	سمجھا یہ میں کہ کچھ ہے ترا دل رُکا ہوا

نخلِ گُل اور سرو کو کیا نسبت اُس سے شوق
چھوٹا رہا وہ قد سے تو یہ بے تُکا ہوا

میں جو رویا خلق کی نظروں سے یا دل گر گیا	اُس کی ساری آبرو پر آج پانی پھر گیا
دل میں وہ مجھ کو بُرا سمجھا مگر سمجھا تو کچھ	ہوں رسا اتنا کہ میں نظروں سے تا خاطر گیا
کس قدر بیدل ہوا میں جا کے اُس بدخو کے پاس	اس طرح کھویا کہ گویا کچھ بغل سے گر گیا
رہ گیا حیرت کے مارے بنکے پُتلی دم بخود	سامنے اُس شوخ کی آنکھوں کے جو ساحر گیا
یوں بلائیں گرد سر ہیں۔ بال جیسے سر کے گرد	کیا بلاؤں میں ترے بالوں کا عاشق گھر گیا
بدگمانی سے۔ ہوا کیا کیا نہ سرگرداں خیال	رات کو کس کس کے گھر بن کر مرا مخبر گیا

کل نکالا جا چکا اے شوق اُس کی بزم سے
آج کیوں اپنا سا مُنھ لیکر وہاں تو پھر گیا

وہ بدخو ہے۔ اور ٹھکانا ڈھونڈھیں دل بہلانے کا

اب سے آئے گھر سے آئے۔ نام نہ لیں پھر جانے کا
جس رستے سے شحنہ آئے وہ رستہ ہی کیوں رکھو
بیٹھ کے اندر چمن لو رندو دروازہ میخانے کا
عشق کی سوزش کام آئی ہی فرقت کی سرد آہوں میں
قصرِ تن میں کام دیا ہی دل نے آتش خانے کا
جنگل میں ساپنوں کے پیچھے دوڑا دوڑا پھرتا ہی
دیکھے کوئی سودا تیری زلفوں کے دیوانے کا
ایسا مجھ کو کھویا تیری اٹکھیلی کی چالوں نے
برسوں سے میں ڈھونڈھ رہا ہوں رستہ آپ میں آنے کا
سر پہ لے کر میرا خون آیا ہی قاتل محشر میں
آج ملا اعزاز یہ کل کے مٹی میں مل جانے کا
شمع کا پاسِ الفت دیکھو جس نے کر کے خاک کا ڈھیر
دفن کیا ہی لاشا اپنے پہلو میں پروانے کا
سات سمندر پار ہی کعبہ سوچو اے مسجد والو
آو۔ چلیں بھی۔ چار قدم ہی دروازہ بتخانے کا

خوار ہوئی کیا **شوق** کی مٹی۔ مر کر اس کے کوچے میں
پھینک بھی دو۔ اٹھوا کر یارو۔ وہ تو نہیں اٹھوانے کا

اِن بیڑیوں سے دشت نوردی میں بل پڑا
نالہ کیا تھا میں نے بلایا نہ تھا تجھے

تھوڑا سا کاروبارِ جنوں میں خلل پڑا
تو خود ہی بے حجاب کہ گھر سے نکل پڑا

ٹھوکر مجھے لگا کے جو نکلا وہ ناز سے
اتنی خوشی ہوئی کہ مرا دل اُچھل پڑا

جی کا تو کام چل گیا۔ہاں۔رہ گئی یہ بات
تیری ادا کے مال پہ دستِ اَجل پڑا

آنسو نہ بہتے دل کی جلن سے کہاں یہ ظرف
بھڑکی کچھ ایسی آگ کہ پانی اُبل پڑا

سودا بڑا ہی زلفِ مسلسل کے پیچ سے
یا تو مرے سر آج پڑا یا تو کل پڑا

رونے سے میرے کُھل گیا ظالم پہ دردِ عشق
ہچکی جو آئی منھ سے کلیجا نکل پڑا

کچھ رعبِ حسن سے مری آنکھیں نہیں جھکیں
صاف اسقدر ہے رخ کہ نظارا پھسل پڑا

چھوکا جو ڈر کے وہ تو چلا کام خوب شوق
خنجر گلے پہ کانپتے ہی ہاتھ چل پڑا

میں غیر ہوں دل سے یہ کھٹک جائے تو اچھا
دل اُس کا مرے دل سے اٹک جائے تو اچھا

عاشق پہ ترے اب سرِ شوریدہ گران ہے
لا کر ترے در پر جو پٹک جائے تو اچھا

اُس کے دہنِ تنگ سے دل تنگ بہت ہے
غنچے سے یہ کہدو کہ چٹک جائے تو اچھا

بیکار دل اُلٹا مرے پہلو میں پڑا ہے
اُس زلف کے سر ہو کے لٹک جائے تو اچھا

اے حسرتِ نظارہ پڑے خوب یہ کانٹے
دم حلق میں کچھ دیر اٹک جائے تو اچھا

اتنا تو میں بدلوں کہ نہ پہچان سکے وہ
کچھ اور مرا جسم جھٹک جائے تو اچھا

میخانے سے مسجد کو چلا شوق یہ دیکھو
رستے میں جو کمبخت بھٹک جائے تو اچھا

دل مرا ٹوٹا تو اُس کو کچھ ملال آ ہی گیا
اپنے بچپن کے کھلونے کا خیال آ ہی گیا

حشر میں مظلوم سب چپ رہ گئے منھ دیکھکر
آخر اُس ظالم کے کام اُسکا جمال آ ہی گیا

ہنسکے بولا جب پھنسا بالوں میں خوں آلودہ دل
جال پھیلایا تھا میں نے اس میں لال آ ہی گیا

چھپ کے گر ماہِ صیام آتا تو مے کیوں چھوٹتی / کیا کروں میں سامنے میرے ہلال آہی گیا
دل تھا اُسکا لیکن اب ہم مر کے دینگے حُور کو / وہ پشیماں ہے کہ وقتِ انتقال آہی گیا
کانپ اُٹھے غصے سے وہ سُن کر مری فریاد کو / نغمہ ایسا تھا کہ آخر اُن کو حال آہی گیا

میری نظروں سے کوئی اے شوق سیکھے جذبِ عشق
بن کے تِل آنکھوں میں اُسکے رُخ کا خال آہی گیا

صرف قد ہی نہیں کچھ گُل کے شجر ہی کا سا / بلکہ چہرہ بھی ہے اُس کا گُلِ تر ہی کا سا
اس لیے اُس کو وہ تلووں سے ملا کرتا ہے / کہ حنا میں ہے لہو میرے جگر ہی کا سا
تو یہاں دیدہ دلیر اور جناں میں حوریں / گھر لٹیروں کا ہے وہ بھی ترے گھر ہی کا سا
تیر سے دل کو لگاوٹ ہے کہ اُس کا پیکاں / ہے نکیلا مرے بانکے کی نظر ہی کا سا
بائیں سے داہنے پہلو میں وہ آکر بولا / اک نشانہ تو ادھر بھی ہے اُدھر ہی کا سا
ہجر میں موت بھی چاہوں تو کہاں جاؤں میں / کہ ہے نابود عدم تیری کمر ہی کا سا

وصل کی شب مجھے کیا کیا ہوئے دھوکے اے شوق
اُس کی پرچھائیں میں تھا نور سحر ہی کا سا

دم کہیں اُکھڑا ہوا ہے دل کہیں ٹوٹا ہوا / ملکِ عشق اُجڑا پڑا ہے حسن کا لوٹا ہوا
جنمیں سُرخ آنسو انھیں آنکھوں میں تیرے گال ہیں / آنسوؤں میں رنگ گالوں ہی کا ہے چھوٹا ہوا
سیکڑوں خوش قد مرے دل میں ہیں اک تم بھی سہی / باغِ الفت میں زیادہ اور اک بُوٹا ہوا
لیگئے وہ میرے دل کے ساتھ دُنیا بھر کا حُسن / جمع تھا اُس میں مری آنکھوں کا سب لوٹا ہوا
دل نہیں چاہوں تو کہتا ہے وہ ظالم ناز سے / تھا کبھی لیکن ہے اب یہ مشغلہ چھوٹا ہوا
چشم حسرت ناک سے جاری ہیں آنسو اس طرح / بہ رہا ہو جیسے کوئی آبلہ پھوٹا ہوا

مین گیا زلفوں کو دل دینے تو بولا ہنسکے شوخ
کیوں مرے سر مارتے ہو یہ تو ہی ٹوٹا ہوا

خاک اُس ظالم کی آنکھوں میں ہو میرے دل کی قدر
ایک تو مفلس کا مال اور اُسپہ پھر لوٹا ہوا

چاہو تم جتنا چھپاؤ ماجرائے ہجر شوق
کچھ سے کہے دیتا ہی سینہ رات کا کوٹا ہوا

سوادِ خط ترے خط میں تری تحریر کا سا تھا
مگر بگڑا ہوا میرے خطِ تقدیر کا سا تھا

تری تصویر وہ چہرہ شباب آنے سے پہلے کی
فلک پر چودھویں کا چاند اُسی تصویر کا سا تھا

کبھی دیکھا نہ تھا پہچان سکتا کیا میں گیسو کو
کچھ اُس کے سر پہ ہاں لٹکا ہوا زنجیر کا سا تھا

کیا جادو بھی میں نے اُسکی آنکھوں پر کہ ملجائیں
مری قسمت سے وہ بھی آہِ بے تاثیر کا سا تھا

کوئی مجھ سے مرے دل کے تڑپنے کا سبب پوچھے
نظارہ اُس کی چتون کا نکیلا تیر کا سا تھا

ہوا جو دفن ابھی وہ ہو نہو تیرا ہی عاشق ہو
بدن خشک اور چہرہ زرد اُسی دلگیر کا سا تھا

خدا بخشے بہت ہی شوق ہم کو یاد آتا ہی
وہ دل والا تھا درد اُس میں جنابِ میر کا سا تھا

ناصح اک بُت سے ہی کام اِک بندۂ اللہ کا
جا کے سمجھا دے۔ یہ سودا ہی خدا کی راہ کا

ہونگے وہ اس کے شرر جگنو نہ کہہ دینا کہیں
دیکھنا شب کو تماشا تم ہماری آہ کا

تنکے چنتے دشت میں ہم ایسے دیوانے نہ تھے
دل کے بہلانے کو وہ اِک مشغلہ تھا راہ کا

عشقِ ابرو کیا ہی مجھ پر قرض ہی کچھ اے ہلال
شوق نظارہ تقاضا ہو گیا ہر ماہ کا

ہم نہ سمجھے واقعت کہ تیرا کھیل ہی دل توڑنا
ورنہ کیوں دل نام رکھتے تیری بازی گاہ کا

پر لگا دیگا جنوں فصلِ بہار آنے تو دو
دیکھنا اُڑنا ہمارے دامنِ کوتاہ کا

طولِ راہِ عشق یہ ہی مختصر الفاظ میں
زندگی کا کاٹنا ہی کاٹنا اس راہ کا

جس دم سے زہد کس کا فکر کو ہی مد نظر
سیکھتے ہیں ضبط سے ہم روک رکھنا آہ کا

منہ کی کھاتے کھاتے خاموشی ہیں اب کہتے ہیں حال
ہم نے بدلا ہی طریقہ اُس سے رسم و راہ کا

مجھ سے یہ دل ہی بری پر تو نے شاید اہی خدا
دے دیا دھوکے سے مجھ کو دل کسی بدخواہ کا

دم جسے میں توڑتا ہوں شوق آہِ سرد پر
آخری فقرہ ہی میرے قصۂ جانکاہ کا

سمجھا نہ بات۔ فہم میں ہی یہ فتور کیا
اب بار بار پوچھ رہا ہوں۔ حضور۔ کیا

بدلی نہ میں بناؤں شگوفے کا حکم دوں
توبہ جو ٹوٹ جائے تو میرا قصور کیا

مجھ کو تو اُس حجاب کے پُتلے سے یاس ہی
پوچھو تو کہہ رہا ہی دلِ ناصبور کیا

ٹھوکر لگا کے اُس کو نکلنے سے کام ہی
زندوں سے چوکتا نہیں۔ اہلِ قبور کیا

زاہد سلام ہی تری جنت کے حسن کو
کچھ آدمیت اُس میں نہیں ہی تو حور کیا

وعدے سے تو نے مجھ کو تسلی تو دی مگر
جو منہ پہ ہی وہ دل میں بھی ہو یہ ضرور کیا

کتنوں کو منہ لگا کے بڑھا دے وہ دے چکا
تم کیا ہو شوق اور تمہارا غرور کیا

کچھ ہٹا رنگ اُس کی مہندی کا تو لطف آنے لگا
چاند کا ٹکڑا وہ ہر ناخن پہ چمکانے لگا

ضبط کرتے کرتے اُف کر ہی اُٹھا میں بیقرار
دل جگر سے اور جگر دل سے جو ٹکرانے لگا

حسن کی دولت سے آخر ہو گیا کم ظرف وہ
اک ذرا گالوں پہ رنگ آیا تو اترانے لگا

نا اُمیدی نے تو جڑ کاٹی تھی ہر اُمید کی
جھوٹی سچی کہہ کے میں ہی دل کو سمجھانے لگا

دے رہا ہی مجھ کو کچھ دھوکا ترا رنگِ شباب
عکسِ رُخ ہی یا پسینا خود ہی سُرخ آنے لگا

اُس کا عاشق خود تھا قاصد پھر بھی اک اُمید پر
میں نے دیں کیا کیا دعائیں خط جو لیجانے لگا

سیکھ لیتے ہیں اداے حسن آپس میں حسیں
شرم کلیوں کی جو دیکھی وہ بھی شرمانے لگا

حسرتوں کو ضد کہ آنکھوں میں نہ رک جائے دم
یاس کہتی ہے کہ وہ بے رحم کیوں آنے لگا

شوق کے دل سے کیا برگشتہ اُس کو غیر نے
پھر گیا کعبے سے جب شیطان بہکانے لگا

ہاتھوں سے منہ چھپا کر دل مفت لو کسی کا
یوں بھی کہیں ہوا ہے سودا ہنسی خوشی کا

آنکھوں کے سامنے یوں صورت تری پھر آئے
دیدہ بہت بڑا ہے چھوٹی سی آرسی کا

دشوار ہو گیا ہے مجھ کو خود اپنا ملنا
ہے کیا وسیع عالم میری ربودگی کا

تو جس کو مارتا ہے ہنس ہنس کے مارتا ہے
بجلی بنا ہے چہرہ تیری شگفتگی کا

کس منہ سے میں دکھاؤں صورت شگفتگی کی
بڑھنا سا زخم کا ہے آنا مری ہنسی کا

طاقت ہو تو سہوں غم دل ہو تو ناز اٹھاؤں
ہے وہ خفا تو کیا ہو سامان آشتی کا

اوسط کا رنگ پایا صرف اُس حسین رخ نے
لالے کا رنگ گہرا اور گل کا رنگ پھیکا

اس پوچھنے پہ مجھ کو یہ سوچ آ پڑا ہے
کس جی سے پوچھتے ہو تم حال میرے جی کا

پامردیِ جنوں نے کیا کیا دکھائیں سیریں
وارفتہ ہو گیا میں صحرا کی زندگی کا

تیرا بدن بنا کر قدرت نے دل لگی کی
دل تو دیا ہے جن کا چہرہ دیا پری کا

وہ ہوش میں ہمارے آتے اگر کسی دن
ہم دیکھتے تماشا شوق اپنی بے خودی کا

ہے زیر جبیں نقش قدم ایک حسین کا
ٹھیکا مری قسمت نے لیا روئے زمیں کا

کس شے سے کروں اُن کے کرشموں کی مدارات
صرف ایک ہی دل تھا وہ ہوا چین جبیں کا

کیا ڈھیٹھ یہ آنکھیں ہیں کہ لڑتی ہیں اُنھیں سے
پردوں میں چھپائے ہوئے سب حسن اُنھیں کا

میں تجھ کو چھپاؤں مگر اسے عشق ہے یہ شرط
رنگت کو اُڑا دے نہ خیال ایک حسین کا

گھبرا کے سیئے ہیں دلِ صد چاک کے ٹکڑے
پیوند کہیں میں نے لگایا ہے کہیں کا

دل میں نہ تو قوت ہے نہ خوں اور نہ اُمید
یہ گھر ہے کسی خانہ برانداز مکیں کا

اُٹھتا ہی نہیں در سے ترے رشک ہو یا دل
جو ہے وہی ہو رہتا ہے گر پڑ کے یہیں کا

دیکھا تجھے آنکھوں سے تو آنسو ہوئے کھاری
کیا شور نمک ہے ترے حسنِ نمکیں کا

محرم نہ تھا ناوک یہ مرے دل میں گیا کیوں
سمجھا نہ کہ یہ گھر ہے کسی پردہ نشیں کا

جس دن سے قد اُس کا ہوا رفتار پہ مائل
گھر دیکھ لیا فتنۂ محشر نے زمیں کا

اتنی بھی سکت مجھ میں نہیں شوقؔ کہ دم لوں
ہونا بھی نہ ہوتا ہے مری جانِ حزیں کا

سر کو کسی معشوق پہ وار آؤں تو اچھا
جن عشق کا یوں سر سے اُتار آؤں تو اچھا

کہہ آؤں کہ میں آج ہوا غیر پہ عاشق
یوں رشک سے ظالم کو اُبھار آؤں تو اچھا

تھم جا اجل آنے میں وہ کچھ دیر نہ کر دے
میں جا کے اُسے جلد سنوار آؤں تو اچھا

تو گھر سے نکالے تو ہوس میں بھی ہے کیا لطف
جا جا کے جو میں سیکڑوں بار آؤں تو اچھا

واعظ تری مجلس کو کروں آج معطر
لیتا ہوا اُس شئے کی ڈکار آؤں تو اچھا

دربند سہی وہ مجھے غافل نہ سمجھ لے
چوکھٹ پہ ذرا جا کے پکار آؤں تو اچھا

ہر روز مرے قتل پہ ہوتا ہے تجھے عذر
اب میں ترے گھرسے کے کنار آؤں تو اچھا

یوں تو ترا درباں مجھے جمنے نہیں دیتا
اب در پہ ترے ہو کے غبار آؤں تو اچھا

اُلجھن سے دل اے شوقؔ پریشان کیے ہے
زلفوں ہی کے سر میں اسے مار آؤں تو اچھا

اے جنوں یوں تو نہ چھوڑوں گا اگر چھوڑوں گا
اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا تو گھر چھوڑوں گا

چین لینے نہیں دیتے ترے ہاتھوں معشوق
اب تو یہ شہر ہی اے آئنہ گر چھوڑوں گا

کچھ بڑھا لوں گا شبِ وصل کو اس چال سے آج
صبح سے پہلے ہی میں پردۂ در چھوڑوں گا

ڈھونڈھ ہی لوں گا چھپے لاکھ وہ ہم رنگوں میں
نہ کبھی گُل نہ کسی گُل کا شجر چھوڑوں گا

چپ رہا صبحِ شبِ وصل تو دوں گا یہ صلہ
اُس کے صدقے میں تجھے مرغِ سحر چھوڑوں گا

جاؤ تم روک مجھے یاد ہے بیتابی کی
دونوں ہاتھوں سے میں کیوں اپنا جگر چھوڑوں گا

اے بت اتنا نہ ستا مجھ کو کہ مسجد ڈھونڈوں
سر کو پٹکوں گا کہاں میں جو یہ در چھوڑوں گا

لطفِ دلچسپیِ محبوب مبارک اے دل
عشوہ کہتا ہے کہ میں لے کے خبر چھوڑوں گا

دست رس یوں جو نہیں ہے تو بلا سے اے شوق
دست خامہ سے نہ میں اس کی کمر چھوڑوں گا

کیا مجھے عشق میں سودا تھا کہ گھر میں رہتا
کہیں رہتا تو تری راہ گزر میں رہتا

دشت کیا گھر میں بھی رُکتا نہ جنوں کا چکر
میرے پاؤں میں نہ رہتا تو یہ سر میں رہتا

جبر شیوہ نہیں ارباب وفا کا ورنہ
تو مقیدِ کششِ دل کے اثر میں رہتا

وہ نہ آتا مرے مرنے کی خبر پا کر بھی
شک نہ ہوتا بھی تو شک اُس کو خبر میں رہتا

تجھ کو لازم تھا کہ رکھے کوئی اندھا درباں
یہ نہیں تھا تو نہ روزن ترے در میں رہتا

غیر سے راز چھپانا تھا تو میری جانب
کچھ تغافل ترے اندازِ نظر میں رہتا

جان سے تنگ وہ کرتے تو کہاں تنگ کرتے
جا کے میں گور میں رہتا جو نہ گھر میں رہتا

ہے یہ وارفتگیِ شوقِ نظارہ ورنہ
کیوں میں دل رکھ کے تری راہ گزر میں رہتا

لے کے دل شوق کو دیتا تھا زیاں اے ناداں

سے تو لیتا وہ مگر تو ہی ضرر میں رہتا

حشر میں آپ کو ظالم نہ بنا ہی لینا — میں خطاوار تھا یہ مجھ سے گواہی لینا

اُس سے کچھ کہنے کو مُنھ کھول سکوں میں کیونکر — جس کے ڈر سے مجھے مشکل ہے جماہی لینا

بہرِ دل عشق میں ہر لطف تمنا کیا کم — کچھ ضروری نہیں معشوق کا پا ہی لینا

اس پہ بگڑے ہو کہ کیوں در پہ سُنا دی آواز — تم سے یہ کس نے کہا تھا کہ بُلا ہی لینا

اُس کے گھر چل کے کچھ اور اُس سے نہ کہنا اے دل — تو فقط لذتِ دزدیدہ نگاہی لینا

لے چلا چُن کے میں جو مل گئے ٹکڑے دل کے — دیکھنا تم کوئی ریزہ تو اُٹھا ہی لینا

گریہ گو دیکھ کے شکل اُس کی نہ آئے اے شوق
بن کے چوپایے کرم مُنھ تو بنا ہی لینا

ذکر سنتے تھے خیر جاری کا — ہے وہ پانی تری کٹاری کا

بال کھولے ہوئے وہ آتا ہے — جال دیکھو مرے شکاری کا

وہ جو آیا تو یہ نظر پہ حجاب! — کون موقع ہے اشکباری کا

گھر پہ کاش اے جنوں پڑیں پتھر — کام چل جائے سنگساری کا

چتونوں سے پڑا ہے دل کو کام — سامنا ہے چھری کٹاری کا

یاس کے ساتھ بھی رہا دل چپ — شغل میری امیدواری کا

رکھ دیا آج ہم نے دل اے شوق
دوسرا نام بے قراری کا

کس دل سے میں مشتاق ترے ناز کا ہوتا — ہوتا تو نگاہِ غلط انداز کا ہوتا

پرسش ہی سہی۔ گھر میں بُلاتا تو وہ مجھ کو — کاش اُس پہ اثر فتنۂ غماز کا ہوتا

اس لذتِ حسرت کی خبر ہی نہیں ورنہ
دشمن وہ مرے طالعِ ناساز کا ہوتا

اتنا نہ دھڑکتا کہ نکلتی کوئی آواز
کچھ پاس اگر دل کو مرے راز کا ہوتا

ملتا ہی وہ اس زد پہ کہ خود سر ہی تو پھر کیوں
پیرو فلکِ تفرقہ پرداز کا ہوتا

اس زندگیِ خوار سے مرنا مرا اچھا
یوں کاش تحفظ مرے اعزاز کا ہوتا

میں چھیڑ چلا تھا وہ بگڑتا تو قصور آج
میری ہی زبانِ خلل انداز کا ہوتا

نشہ اُس کو اگر تیری اداؤں کی نہ ملتی
اُترا ہوا رخ حُسن خدا ساز کا ہوتا

اس چپ سے تو جھڑکی ہی وہ دیتا مجھے اے شوق
لطف اُس میں کھنکتی ہوئی آواز کا ہوتا

ہمارا نالۂ دل سر اُٹھا کے مانے گا
یہ آسمان میں تھگلی لگا کے مانے گا

چھری لیے ہوئے غمزے کی تن کے بیٹھا ہی
وہ ایک دل کے کئی دل بنا کے مانے گا

نفس سے کم نہیں وہ شوخ اپنی چالوں میں
جو آئے گا بھی تو فوراً ہی جا کے مانے گا

دغا ہے دل میں جو روتا ہی غم سے آ آ کر
وہ میری قبر کی مٹی بہا کے مانے گا

جنوں کے سامنے کیا جیب اور کیا دامن
یہ چٹکیوں میں اُسی وقت اُڑا کے مانے گا

نہ ہجو مے سے کر اے شیخ اب وضو ڈھونڈے
خدا کے گھر سے مجھے تو بھگا کے مانے گا

جو جیتے جی نہ دبا شوق تو لحد میں سہی
غرض یہ ہی کہ زمانہ دبا کے مانے گا

یہ حسنِ عارضی یہ دو روزہ بہار کیا
اس چلتی پھرتی چھاؤں کا یار اعتبار کیا

اس کا غذیہ اُسے بھیجا بجائے خط
لکھتا میں اور ظلمتِ شبہائے تار کیا

نالے سے یہ غرض ہی کہ میرا خدا سُنے
وہ بھی جو ہو اُسی کا تو پھر اختیار کیا

کہتی ہی مجھ سے میرے جنوں کی برہنگی
پیدائشی لباس یہی ہی تو عار کیا

بھولا ہوا سا خود ہی رہے جو شباب بھر
یادِ اور کو کرے وہ فراموش گار کیا

دل بجھ رہا ہی سانس اُلٹتی ہی بار بار
ہونا ہی آج اسے مرے پہ درد گار کیا

کرتا ہوں میں بھی ذکر حسینوں کا رات بھر
اب چاہتا ہی زاہدِ شب زندہ دار کیا

دیتا ہے لطف آنے نہ آنے کا سوچ بھی
مجھ کو گراں ہو کشمکشِ انتظار کیا

حالت مزارِ شوقؔ کی کیا کہہ رہی ہے یہ
جو مِل گیا ہی خاک میں اُس سے غبار کیا

آہوں سے تھک کے چُپ جو میں ناکام ہو گیا
وہ چلدیا کہ درد کو آرام ہو گیا

کہنے کو کچھ گیا تو وہاں کہہ سکا نہ کچھ
ایسا میں محوِ لذتِ دشنام ہو گیا

صبحِ شبِ وصال کے دھڑکے نے جان لی
ہونا تھا جو سحر کو سرِ شام ہو گیا

تیوری ذرا چڑھی تو مری جان پر بنی
اُس کا تو ناز اور یہاں کام ہو گیا

کیسی ہوئی ہی نام کے واضع سے یہ خطا
پارے کی ایک چیز کا دل نام ہو گیا

تیرے مریضِ عشق پہ ہی کچھ خدا کا فضل
کل تک تو تپ تھی آج اُسے سرسام ہو گیا

اتنا گرایا ماہ جبینوں نے عشق کو
داغِ دل آفتابِ لبِ بام ہو گیا

مجھ کو تو ہوش بیخودیِ عشق میں کہاں
ہاں۔ سُن رہا ہوں یہ کہ میں بدنام ہو گیا

ان ناامیدیوں پہ بھی ہی اُس سے کچھ اُمید
کتنا میں پیروِ طمعِ خام ہو گیا

چوٹیں تری نظر کی مجھی تک نہیں رہیں
اک لطف پہلے خاص تھا اب عام ہو گیا

مجھ کو کیا ہی حُسن پرستی نے نامور
شوقؔ اسقدر بڑھا کہ یہی نام ہو گیا

نہ ہوتی وصل کی شب مختصر تو کیا ہوتا
جو ایک روز نہ ہوتی سحر تو کیا ہوتا

میں نالہ کش نہ ہوا جان کر اُنھیں بے رحم
صدا وہ سنتے مری اور اثر تو کیا ہوتا

دل اک غریب کا حسرت زدہ رہا افسوس
قبول کرتے جو وہ ماحضر تو کیا ہوتا

پڑا ہے درد سے پالا یہی ہوا حاصل
جو خون جم کے نہ بنتا جگر تو کیا ہوتا

جنوں میں گھر کو مٹا کر غضب کیا میں نے
وہ پوچھ بیٹھتے آنے کو گھر تو کیا ہوتا

نہ ماننے پہ تو بجلی کا سامنا ہے مجھے
جو مانتا میں وجود کمر تو کیا ہوتا

نگاہِ ناز سے کیوں ہم بچا گئے پہلو
جو دے ہی دیتے ذرا سا جگر تو کیا ہوتا

کچھ اور جھیلتے تکلیف ناامیدی کی
جو جیتے ہم کسی امید پر تو کیا ہوتا

تم ایک راہ میں بیٹھے تھے دل لیے اے شوق
حسین آہی جو پڑتے اُدھر تو کیا ہوتا

خون ہی خون تھا سب۔ دل تو فقط نام کا تھا
لے گیا وہ تو بلا سے مرے کس کام کا تھا

میرے شکوے پہ وہ کہتا ہے کہ شاید صلہ
آج یا کل کا نہ تھا وعدہ فقط شام کا تھا

یاد آیا تھا خدا جورِ بتاں پر یوں ہی
شک سخن تکیہ پہ ناحق مرے اسلام کا تھا

لکھ گیا میں گلۂ جور تو پھر ٹالا یوں
خط وہ میرا نہ تھا میرے کسی ہمنام کا تھا

صبح کے وقت جو چوما تھا گلِ تازہ کو
وہ تو دھوکا مجھے تیرے رخِ گلفام کا تھا

اک جگہ مجھ کو نظر آئی ہے ویران سی آج
شاید اے یار وہیں گھر ترے بدنام کا تھا

کیا پیالے پہ تری آنکھ پڑی تھی ساقی
مے میں اس وقت مزہ روغنِ بادام کا تھا

اور باتوں کی ضرورت ہی رہی تھی کس کو
لطف کیا کم تری دشنام پہ دشنام کا تھا

میرے ماتم میں سیہ پوش ہوئے سب اے شوق

کس قدر عشق مجھے زلفِ سیہ فام کا تھا

صبر پر پھیر کے پانی جو وہ محبوب گیا ... اِس قدر اشک بہے میرے کہ جی ڈوب گیا

سوزشِ دل کے مضامیں سے تھا قاصد مجبور ... دی انگیٹھی اُسے تب لیکے وہ مکتوب گیا

کیا ہوا، یہ تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ لیکن ... ہوں میں نادم کہ مرے گھر سے وہ محبوب گیا

نہ رہا حُسن کی چتون سے چھُری کے نیچے ... جو گیا جان سے اِس عشق میں وہ خوب گیا

اُنکے کس کام کا ہے اب یہ سمجھ بوجھ کے شوق
صبر لینے کو سرِ تربتِ ایوب گیا

حاصلِ گریہ ہے سامانِ قضا ہو جانا ... قطرے قطرے سے ٹپکتا ہے فنا ہو جانا

بند ہے میری خموشی میں ہجومِ فریاد ... ہر نفس چاہتا ہے ایک صدا ہو جانا

یہ کرشمہ ترے جوڑے کے سوا کس میں ہے ... بندھ کے کھلنا تو معمّے سے بلا ہو جانا

اِس نزاکت پہ جو تم پانوں چمن میں رکھتے ... چاہتا سایۂ گُل رنگِ حنا ہو جانا

لطفِ اُمید کہاں، وصل ہوس بار کہاں ... ہم نہیں چاہتے وعدے کا وفا ہو جانا

اُس نے دل چھین لیا ہے تو جگر ہے بے چین ... کیا مصیبت ہے عزیزوں کا جُدا ہو جانا

حُسن زلفوں کا بٹا مانگ سے دو حصّوں پر ... اب میں سمجھا تری زلفوں کا دوتا ہو جانا

کتنی دلکش یہ ادا ہے کہ جفائیں کرکے ... خود ہی وارفتۂ اندازِ جفا ہو جانا

دو ادائیں تری سب رنگ جہاں لے بیٹھیں ... دن ہے جلوہ ترا شب زلف کا وا ہو جانا

آج وعدہ تو کیا تم نے مگر یاد رہے ... شام کا وقت جو آئے تو خفا ہو جانا

حُسن کاکل کا ہے کیا چیز یہ مجھ سے پوچھو ... چند بالوں کا لپٹنا تو بلا ہو جانا

تم نہیں کہہ کے مروّت کو نہ توڑو مجھ سے ... صرف شوخی سے یہ کہنا کہ حیا ہو جانا

درد دل شوق کا زائل کیا رخ چمکا کر
اُس نے ثابت کیا تجلی کا دوا ہو جانا

سنبل کو سمجھے زلف کا سایہ ستم کیا
رسّی کا سانپ ہم نے بنایا ستم کیا

تنگ ان بتوں سے آگیا جی میں ہے ایک دن
چلّا اُٹھوں کہ دیکھ خدایا ستم کیا

ہوں بدظنی سے عشق میں اپنا رقیب خود
دِل نے مجھی سے مجھ کو لڑایا ستم کیا

بد ہو گیا شگون سفر کا الٰہی خیر
دشمن کو وقتِ نزع وہ لایا ستم کیا

بیدل ہوں کس قدر، یہ مرے دل سے پوچھیے
لے بیٹھے آپ مال پرایا ستم کیا

کیا کیا جنوں میں بک گئے کیا رازِ عشق فاش
کانوں کو دل کا حال سُنایا ستم کیا

جوڑے کے بال کھول کے تم شوق سے ملے
اُس کے جنوں کا زور بڑھایا ستم کیا

حسن ظالم ہے جو اسے عشق تو ڈرنا اچھا
اس تمنّا سے تمنّا کا نہ کرنا اچھا

درد سے نالہ ہے اور نالے کو تو سنتا ہے
قلب کی چوٹ کا رہ رہ کے ابھرنا اچھا

لوگ کہتے ہیں کہ دُنیا میں حیات اچھی ہے
میں سمجھتا ہوں کہ معشوق پہ مرنا اچھا

بزم اعدا میں سہی، ہوگی تو اُس کی تعریف
چاہے جس شکل سے ہو اُس کا سنورنا اچھا

لطف غیر دل ہی کے حق کا ہے تو میں کہتا ہوں
تیرے غصے کا ہمیشہ نہ اُترنا اچھا

لذتِ درد سے یاد آتا ہے ظالم ہر وقت
زندگی بھر مرے زخموں کا نہ بھرنا اچھا

دم کے گھٹنے سے تو اچھی ہے پریشانی شوق
اُسکے جوڑے سے تو بالوں کا بکھرنا اچھا

بے زباں میں جو بنا لطفِ زباں یہ بھی تھا
شکل سب کہہ گئی اک حسن بیاں یہ بھی تھا

ایسے غافل کہ مرے دل کی خبر تک نہ ہوئی
تم جہاں رات کو سوتے تھے وہاں یہ بھی تھا

خو یہ فطری تھی کہ جھپکی پلک اُسکی لیکن
کچھ کہا ہو نہ اشارے سے گماں یہ بھی تھا

اُسکے در پر میں گیا بن کے گدا چلاّنے
دل کی پوچھو تو اک انداز فغاں یہ بھی تھا

لے گیا گور میں وارفتہ ترا فتنۂ عشق
مثل قرآں کے اُسے وردِ زباں یہ بھی تھا

درد ظاہر ہو مگر رُخ پہ بھی کچھ رنگ آ جائے
مقصدِ دیدۂ خونابہ فشاں یہ بھی تھا

دیدۂ شوق کو محفل میں نہ دیکھا اُس نے
کس تمنائے دلی سے نگراں یہ بھی تھا

دل میں باتیں بہت اور وقت ہے ڈر جانے کا
منتظر ہوں تری تیوری کے اُتر جانے کا

دی ہے یہ کہہ کے خبر اُس نے شباب آنیکی
کہئے کیا اب بھی ارادہ نہیں مرجانے کا

بھولے چوکے کبھی وعدہ بھی جو وہ کرتا ہے
عہد کر لیتا ہے پہلے ہی مکر جانے کا

اے بلا جان ابھی تجھپہ میں صدقہ کردوں
تو جو اقرار کرے غیر کے سر جانے کا

مجھ تک آ سکتے نہیں اُسکی ادا کے مارے
ملک الموت کو خود خوف ہے مرجانے کا

میرے مرنے کی خبر دیگا اُسے کون اے جذب
کر جگر تو ہی وہاں لے کے خبر جانے کا

بنکے دیوار مجھے روکتی ہے یاس اے شوق
قصد کرتا ہوں میں کمبخت جدھر جانے کا

نہ دہن کا کبھی کھلنا نہ سخنور ہونا
یہ تو گویا ہے نہ ہونے کے برابر ہونا

ضد ہے طینت میں تو لطف اُس نے کیا یہ کہکر
اور تم چاہو مرے جور کا خوگر ہونا

حُسن خالق نے دیا تھا تو دیا تھا لیکن
یہ بھی کیا اُس نے کہا تھا کہ ستمگر ہونا

برگ پر برگ سے غنچے نے کیا راز کو فاش
یوں دکھایا مرے لب کو ترے لب پر ہونا

مے پیو شوق سے غیروں میں مگر یاد رہے
کبھی بے ہوش جو ہوتا تو مرے گھر ہوتا

اپنے سائے سے دیا دھوپ کو اس شوخ نے داغ
مل گیا خاک میں سورج کا منور ہونا

اے مرے طالع ناساز ترے بخت پہ حیف
تیری قسمت میں تھا میرا ہی مقدّر ہونا

دل کا رکھنا مری جاں اُس قدر آساں نہیں
لے کے دل جس قدر آسان ہے دلبر ہونا

لطف میں غیر کی شرکت ہے تو میں جور سے خوش
کون چاہے ہے کسی دشمن سے برابر ہونا

لب رنگیں سے تبسم ترا خوش ہے، لیکن
دل ہے مانے ہوئے دشنام کا خوشتر ہونا

ڈالدی نزع میں جاں اُسنے یہ کہکر اے شوق
اب تو دشوار نظر آتا ہے جانبر ہوتا

تو دل کو لے گیا ہے تو دل نشیں ہوا تھا
بے دل تو میں جہاں میں پیدا نہیں ہوا تھا

اللہ رے تغافل دیکھا مجھے تو بولے
اُمیدوار تو بھی شاید کہیں ہوا تھا

یوسف حسین تو تھے۔ لیکن نہ مثل تیرے
اُن پر شباب کا جوش اتنا نہیں ہوا تھا

خون اُس کا آج لایا میرے ہی گھر بہانے
کل میرے دل کا طالب جب خود حسیں ہوا تھا

اتنا ہی جانتا ہوں محبوب کا پتا میں
زلفیں جہاں کھُلی تھیں سودا وہیں ہوا تھا

کردوں میں شاد تجھ کو آج اپنی جان دیکر
مرگِ عدو پہ کل تو اندوہگیں ہوا تھا

شوق آکے آج بیٹھا پریوں کے جھمگٹے میں
کل اعتکاف میں یہ خلوت نشیں ہوا تھا

دامن نہ سہی کام تو چلتا ہی رہے گا
تنکوں سے جنوں میرا بہلتا ہی رہے گا

رکھو مجھے پاس اپنے تماشے کے لئے تم
ہر وقت مرا رنگ بدلتا ہی رہے گا

گُل ہوگی مری شمعِ حیات اب کوئی دم میں
روغن کی طرح خون جو جلتا ہی رہے گا

اوروں کے لئے شہد بھرا ہو تو بھرا ہو
مجھ پر ترا منہ زہر اگلتا ہی رہے گا

فرقت میں نکل جائے دم آخر یہ کہانتک
آرا سا مری جان پہ چلتا ہی رہے گا

وعدے سے ترے پھر بھی ہی کچھ دل کو تسلی
گو سمجھے ہوئے ہوں کہ یہ ٹلتا ہی رہے گا

چین آئیگا کس طرح مرے دلمیں جو یوں ہی
پہرے پہ دم سرد ٹہلتا ہی رہے گا

جان اب نہیں باقی ہی مجھے دفن کرادو
تم دل پہ نہ جاؤ یہ اچھلتا ہی رہے گا

مرنے پہ بھی یہ دود جگر میری لحد سے
بن بن کے بخارات نکلتا ہی رہے گا

منت کروں اے دل میں حسینوں کی کہانتک
بچوں کی طرح تو، تو مچلتا ہی رہے گا

جلتا ہی عدو مجھ سے تو اے شوق کرو مشق
آخر وہ جہنم میں بھی جلتا ہی رہے گا

بھاگے اچھی شکلوں والے عشق ہی گویا کام برا
اپنی حالت کیا میں بتاؤں بد اچھا بدنام برا

گیسو و رخ کو جب سے چاہا تب سے میرا رنگ یہ ہی
شام اچھا تو صبح برا اور صبح اچھا تو شام برا

قدر ہو کیا خاک اسکے گھر میں آندھی کے سے آم ہیں دل
عاشق ٹوٹے پڑتے ہیں ہر روز کا اذن عام برا

باندھ کے حلقے گھیرینگے اب میرے دل کی خیر نہیں
گھونگھر والے گیسو اسکے باندھ رہے ہیں لام برا

سر پہ عمامہ ہاتھ میں سبحہ شوق نہ جا بتخانے کو
بت ہیں بڑے کافر رکھدینگے تیرے سر الزام برا

اگر ایسا ہی ستم تیرا نظر آنا تھا
تو مجھے چھوڑ کے آنکھیں ترے گھر آنا تھا

تیری کاکل کو بلا لوگ غلط سمجھے ہیں
یہ بلا تھی تو اسے میرے ہی سر آنا تھا

بدگماں ہوں میں کہ چھوڑ آیا عدم میں کس پہ
ساتھ ہی لے کے تجھے اپنی کمر آنا تھا

ایسی اندھی ہوئیں آنکھیں کہ نہ سوجھا موقع
وہ جو آیا تو اسی وقت انھیں بھر آنا تھا

اسی دنیا میں رقیبوں کے بھی گھر ہیں آخر
اے شب ہجر تجھے میرے ہی گھر آنا تھا

تھا وہ پرساں تو زباں درد ترا کیا کہتی
خود ہی مُنہ تک تجھے اے میرے جگر آنا تھا

نہ رہی بعد فنا دل میں وہ باقی اے شوق
منحصر مرگ پہ امید کا بر آنا تھا

معشوق ہے پھر کیوں وہ ستم کر نہیں سکتا
کیا مجھ میں نہیں جان ہے میں مر نہیں سکتا

گل رخ سے مشابہ ہے تو اسکو نہ چڑھائیے
تنکا بھی مری قبر پہ کیا دھر نہیں سکتا

جس شخص کی جان اپنے لبوں پر ہے وہ اے موت
تیرے ملک الموت سے بھی ڈر نہیں سکتا

غم جتنا ہے دنیا میں کچھ اور اس پہ بڑھا دے
اتنے سے تو یا رب مرا دل بھر نہیں سکتا

مُردہ ہوں میں اے شوق کہو آکے جلا دے
اتنا بھی مرا کام وہ کیا کر نہیں سکتا

جب پھیرنا نظر تم تب یہ خیال کرنا
الٹی چھری سے چاہا مجھ کو حلال کرنا

اوروں کے مشوروں سے کانوں کو ہو جو فرصت
بندہ بھی چاہتا ہے کچھ عرض حال کرنا

دل میں نہ تم نے چھوڑی اک بوند بھی لہو کی
مہندی کو بیٹھے بیٹھے اب پائمال کرنا

مذہب کا پاس کر کے پیتے ہیں تیسرے دن
ہم جانتے ہیں زاہد مے کا حلال کرنا

جب خون عاشقوں کا مد نظر تمھیں ہو
پہلے چڑھا کے غصہ آنکھوں کو لال کرنا

بوسے سے پیشتر کیوں تیوری چڑھاکے بیٹھے
پیدا سبب تو ہولے پھر تم ملال کرنا

اے شوق کچھ نہ پوچھو ہم عاشقوں کی غیرت
ہر بار منہ کی کھانا اور پھر سوال کرنا

جب شباب آیا تو منہ اُسکو چھپانا ہی پڑا
لوٹنے والوں سے دولت کو بچانا ہی پڑا

کہہ دیا جاکر کہ ہم تو اپنے گھر میں مر گئے
ہم نے وہ دھوکا دیا اُس کو کہ آنا ہی پڑا

اچھلی تھی زخم کی لذت میں مرہم سے کمی
چھیڑ کر پھر دل کے پھوڑے کو دُکھانا ہی پڑا

کیا جنوں کی زندگی بے پیرہن بیکار رہے
دے بھی وہ ٹکڑا جو ہو کوئی پُرانا ہی پڑا

پاکے اُس کو صبر کرسکتے بھی ہیں ہم یا نہیں
جاکے اُسکے گھر کسی دن آزمانا ہی پڑا

روکتا وہ ہاتھ اگر لذت سمجھتا زخم میں
ہم کو کچھ ٹیڑھا سا مُنہ اپنا بنانا ہی پڑا

سرگرانی سے جنوں میں تنگ ہیں اے شوق ہم
لے کے سر کو اب کسی چوکھٹ پہ جانا ہی پڑا

دل کا دینا مجھے کیا آپ ہی منظور رہا
پھٹ پڑی اُس پہ جوانی تو میں مجبور ہوا

اُس کے در پر ملک الموت کھڑا رہتا ہے
پاسبانی کے لئے اب وہی مامور ہوا

اے خدا تجھ سے گلہ کرتی ہے ذلت میری
دے دیا حُسن کچھ اتنا کہ وہ مغرور ہوا

میری قسمت سے ہوا نذر تغافل وہ بھی
میں تو سمجھا تھا کہ جَور اب ترا دستور ہوا

ہر گھڑی بارِ غم اُٹھوانیکی اچھی ٹھہری
بندۂ عاشق نہ ہوا آپ کا مزدور ہوا

ناخن اب کاوشِ ہر روزہ کے غم سے چھوٹے
مستقل لطف ہوا داغ جو ناسور ہوا

مجھ کو ذلت بھی ملی عشق میں اعزاز کے ساتھ
جتنا بدنام ہوا اتنا ہی مشہور ہوا

پھوٹ نکلی ہے مرے جسم سے مے اے ساقی
دیکھ لے تو کہ مرا زخم تک انگور ہوا

خواہشِ مرگ ترے شوق جفا سے نہ رہی | کیا مصیبت ہے کہ جینے پہ میں مجبور ہوا

دیدنی ہے یہ تماشاے نقاہت اے شوق
میرے ہونے پہ نہ ہونا مرا مشہور ہوا

شک تھا لوگوں کو کہ چاند آج دوبارہ نکلا | دوسرا چاند رخِ صاف تمھارا نکلا
جانستاں میں ملک الموت کو سمجھا ناحق | وہ تو ظالم تری چتون کا اشارا نکلا
دل کے لینے کو کیا چاک جو سینا اُس نے | تو عوض دل کے مرے سینے میں پارا نکلا
دیکھنے آیا ہے وہ آہ کی آتشبازی | اُس کے بچپن سے بڑا کام ہمارا نکلا

شوق کے دل کو نہ پوچھو کہ چرایا کس نے
نام اُس نے جو نکالا تو تمھارا نکلا

ضعف میں بھی کام مثلِ رنگ چل ہی جائیگا | ہوتے ہو جنبش مرا پہلو بدل ہی جائیگا
دل پہ اُسکو شک ہے انگارے کا چھونا ہی نہیں | وہ سمجھتا ہے کہ میرا ہاتھ جل ہی جائیگا
فصد کی حاجت نہیں اب کھل گئی آنسو کی راہ | خون سودا ال کے آنکھوں سے نکل ہی جائیگا
ہم جنوں میں پا گئے ہیں اک پری کا سنگِ در | یا تو سر ہی یا تو اب سر کا خلل ہی جائیگا
دشتِ وحشت میں نہیں کوئی تو آنسو ہی سہی | یہ بھی لڑکے ہیں دل ان سے بھی بہل ہی جائیگا
جنبشِ لب ہے ہی میری نزع میں تجھکو دریغ | بات رہ جائیگی دم آخر نکل ہی جائیگا

شوق کیا پروا جو اُسکے گھر جما ہے رنگ غیر
رنگ ہی تو ہے کسی دن یہ بدل ہی جائیگا

داغوں سے اِس عشق نے میرا سارا دل بیکار کیا
ایسے پاپڑ بیلے جن سے جینا ہی دشوار کیا

چتون سے وہ جادو ڈالا تھوک رہا ہوں جس پہ خون
دیکھا دیکھی مجھ کو تیری آنکھوں نے بیمار کیا

ہاتھ جو باندھے بہر ناز اُس نے یہ اُس کی شوخی تھی
اپنے ہاتھوں سے لپٹا کر اپنے بدن کو پیار کیا

رُعبِ حُسن گلا دابے تھا منہ سے نکلتی کیا آواز
قصد تو اُس سے کچھ کہنے کا میں نے لاکھوں بار کیا

آج ہی مر لوں تا کہ نہ ٹالے سوچ پہ رکھ کر وعدے کو
مشکل سے تو دفن میں اُس نے شرکت کا اقرار کیا

دیکھ کے اسکو میرے پاس اب کیا ہے سوا بیتابی کے
ضبط تو میں نے پہلے ہی سب نذرِ نگاہِ یار کیا

رشتہ اور یہ پھر بھی مجھ پہ کفر کے طعنے اے زاہد
تو نے اپنے سبحے میں کیوں صرف مرا زنار کیا

پیڑ بنائے نالوں کے اور پھول بنائے داغوں کے
جوشِ جنوں میں پیدا میں نے گھر بیٹھے گلزار کیا

جینے سے بیزار میں تھا ہی نزع کے وقت اُٹھا باگا
مرنے سے بھی اے شوق اب تو ظالم نے بیزار کیا

اُس کے جلوے سے مرے گھر میں اُجالا ہوتا
اے شبِ ہجر ترا مُنہ کہیں کالا ہوتا

غم سے میں نالہ جو کرتا ہوں تو وہ کہتا ہے
یہ علم تم نے محرم میں نکالا ہوتا

دل لیے پھرتے تھے ہم آج بغل میں گھر گھر
چھین لیتا جو کوئی گیسوؤں والا ہوتا

ہے یہ گرمی کہ جہنم کا مزا چکھتا وہ
میرے گھر لاکے جہنم کو جو ڈالا ہوتا

شکوۂ دردِ سر اُسکو ہے تو مرتا میں کاش
کہ خموشی میں مقید مرا نالا ہوتا

جانتے کیا تھے کہ دل ہوگا بغل کا پھوڑا
ورنہ کمبخت کو پہلو میں نہ پالا ہوتا

گھر میں آتا نہیں کچھ چاشنیِ مرگ کا لطف
کسی معشوق کے در پہ مجھے ڈالا ہوتا

ہم نے اشکوں کو بہت ضبط کیا ہے ورنہ
ہم ادھر یار اُدھر بیچ میں نالا ہوتا

اسکو کیا لطفِ تمنا تھا مجھیں سنے اے شوق
وعدہ لینے پہ بھی تا حشر اُسے ٹالا ہوتا

اسکی چشمِ فتنہ زا کا سامنا کرنا پڑا
آج تو مجھ کو قضا کا سامنا کرنا پڑا

قتل تو مجھ کو کیا اُس نے مگر کچھ جیب سے کر
بے وفائی کو وفا کا سامنا کرنا پڑا

غم سے یہ بدلی مری صورت کہ آئینے میں آج
مجھ کو خود نا آشنا کا سامنا کرنا پڑا

شکوہ تیغ جورِ گردوں کیا ہو جس کو عشق میں
بارہا تیغِ ادا کا سامنا کرنا پڑا

بے قراری کو شکست آخر ہوئی جب ہجر میں
اے دلِ صبر آزما کا سامنا کرنا پڑا

جیب ہو یا خار ہوں پوچھ لے جنوں اُن کا مزاج
جن کو میرے دستِ وا کا سامنا کرنا پڑا

آرزو آکر ہوئی میرے تصور میں ذلیل
خاطرِ بے مدعا کا سامنا کرنا پڑا

میری آہوں کا اثر پوچھے کوئی افلاک سے
چند تیروں کو ہوا کا سامنا کرنا پڑا

یاد آئیگا چھٹی کا دودھ جس دن لئے سیج
اُس لبِ معجز نما کا سامنا کرنا پڑا

سنتے ہیں فرقت میں بھی شرطِ اجل ہی بہر مرگ
زندگی کو کس جفا کا سامنا کرنا پڑا

اے بتِ نازاں تو ہو تم شوق کا دل توڑ کر
اور اگر تم کو خدا کا سامنا پڑا

قسمت میں بدی ہیں خلشیں ہی تو ڈروں کیا
کانٹوں پہ گھسیٹیں تری پلکیں تو کروں کیا

دو ہاتھ ہیں، الجھے ہیں یہ دامن سے جنوں میں
دھڑکے جو کلیجا مرا تو اُسپہ دھروں کیا

خنجر کو چلا کر وہ سنا دیتا ہے آواز
مرنے بھی تو دیتا نہیں ظالم میں مروں کیا

بے رحم نمک ساتھ ہی خنجر کے نہ لایا
اب تو ہی بتا یہ کہ میں زخموں میں بھروں کیا

سب گھاس جلی شوق تری گرم روی سے
اب کیا ہو جو پوچھے کوئی آ ہو کہ چہ دل کیا

جذب کچھ کم تھا ہوا اُسپہ اثر یوں ہی سا
مہرباں مجھ پہ ہوا تو وہ مگر یوں ہی سا

ابھی وعدے میں ہی کچھ شک کہ مرے کہنے پر
رہ گیا ہاں کے دغاباز کا سر یوں ہی سا

رہ گئی نیم نگاہی سے تمنا باقی
کہ پڑا دل پہ ترا تیر نظر یوں ہی سا

آ گیا یاد صنمخانہ بڑی خیر ہوئی
ابھی مسجد میں جھکا تھا مرا سر یوں ہی سا

ڈر کے کانپے وہ مری آہ سے رسوا تنے ہی میں
منہ سے نکلا تھا فقط ایک شرر یوں ہی سا

نہیں کافی وہ تری بو کی خریداری کو
غنچۂ گل کی گرہ میں تو ہے زر یوں ہی سا

اقصر کی فکر غلط وارفنا میں لے شوق
بلبلے خوب بنا لیتے ہیں گھر یوں ہی سا

جس دن وہ گیا یہ رنگ اُس دن مرے گھر کا تھا
تھی شام کی سی شکل اسکی اور نام سحر کا تھا

وارفتگی الفت اتنی تھی کہ گھر بیٹھے
احباب سبھی میں چرچا آج اپنے ہی گھر کا تھا

کعبے سے سمجھے یہ شک اس جوش جنوں میں ہے
جلنا ہے وہاں پتھر سب حق مرے سر کا تھا

کیا دل کی خبر رکھتا میں دیکھ کے شکل اسکی
دشوار ہے مجھے ملنا اپنی ہی خبر کا تھا

تو بول اٹھا ورنہ چہرے کے چمکنے سے
شک مجھکو ترے گھر پہ آئینے کے گھر کا تھا

دیوانہ مجھے پاکر وہ کر گیا ہاتھ اس پر
میں کیا تھا جنون گویا مالک ترے گھر کا تھا

دل لیکے تمھیں شاید کچھ فکر جگر کی تھی
بیٹھے تو ادھر سے تھے تم اور ذکر اُدھر کا تھا

لطفِ شبِ وصل آیا اندیشے کے صدقے مین
سونے نہ دیا جس نے دھڑکا وہ سحر کا تھا

اے شوق بھرا دیکھا جذب اُسمین اثر اُسمین
وہ رنگ تھا کیا دلکش جو میر اثر کا تھا

وصل میں جلد نہ کٹ جانا تھا
آج ہی رات کو گھٹ جانا تھا

تم جگہ مجھ کو نہ دیتے لیکن
غیر کی سمت نہ ہٹ جانا تھا

اے جگر صبح شبِ وصل آئی
پَو سے پہلے تجھے پھٹ جانا تھا

نزع مین کیون مری صورت دیکھی
آپڑے تھے تو پلٹ جانا تھا

عشق رونے سے بھی اُس پر کھلا
اک ذرا رنگ کو کٹ جانا تھا

ڈر کے بجلی سے گرے تم ناحق
مین تو بیٹھا تھا لپٹ جانا تھا

دل ہی کیون درد کو لے بیٹھا شوق
اور اعضا پہ بھی بٹ جانا تھا

کہاں سے ہے یہ آئینے کی صورت کریگا تیری برابری کیا
ملا نہ لے منہ وہ تیرے چہرے سے ہاتھ کنگن کو آرسی کیا

نظر جو آئی تمھاری صورت تو سب کو بھولا سوا تمھارے
میں جس تمنا کے ساتھ آیا وہ اب نہیں یاد ہے کہ تھی کیا

جو سبزہ رنگوں پہ جان دیتے تو اے خضر کچھ مزہ بھی پاتے
جو بے جنوں یوں پھرا کیے تم تو ایسی دیوانی زندگی کیا

جو تم نہیں بولتے نہ بولو تمھیں مبارک تمھاری نخوت
اگر سلامت ہے دل ہمارا تو دلبروں کی ہیں کمی کیا

کہا تھا ظالم کے گھر نہ جاؤ گئے تو آئے ہو منھ کی کھا کر
تمھیں وہاں شوق کون پوچھے غریب عاشق کی قدر ہی کیا

مر کے اس در سے اٹھونگا جواب آ کر بیٹھا
آج تو جان سے میں ہاتھ اٹھا کر بیٹھا

پاس بیٹھا نہ وہ گو قرب کی امید کے ساتھ
شب کی محفل میں سحر ہی سے میں جا کر بیٹھا

غیر معتوب ہے دیکر مرے مرنے کی خبر
نام ادا کا نہ لیا ذکر قضا کر بیٹھا

حیف کم حوصلگی پر کہ جفا سے پہلے
دل کو میں نذر تمنائے جفا کر بیٹھا

دسترس غیر کے صدقے میں ہوا خون کو آج
میری تقدیر سے وہ ذکر حنا کر بیٹھا

ہو برا جذب محبت کا کہ وہ جان گیا
گرچہ میں آڑ میں آنکھ اسکی بچا کر بیٹھا

کششِ قلب کی دھمکی مری الٹی نکلی
غیر کے ہاتھ سے وہ ہاتھ ملا کر بیٹھا

پھیر لی اپنی طرف اسکی توجہ میں نے
بزم میں آپ کو دیوانہ بنا کر بیٹھا

پرسشِ جرم سے لی ہم سخنی کی لذت
شوق دانستہ میں آج ایک خطا کر بیٹھا

خط لکھنے کی عادت جو میں کم کر نہیں سکتا
کیا تو مرے ہاتھوں کو قلم کر نہیں سکتا

اس سنگدلی پہ یہ ترا عذرِ کرم ٹھیک
اس خو پہ مگر عذرِ ستم کر نہیں سکتا

جو کچھ مرے دل میں ہے لے دل میں سمجھ جاؤ
خامہ تو ہے بے دل یہ رقم کر نہیں سکتا

خاموش ہوں نالوں کو دبائے ہوئے دل میں
اک راز ہے جس کو میں علم کر نہیں سکتا

کس طرح دل اپنا وہ مرے دل سے ملائے
ضدین کو انسان بہم کر نہیں سکتا

جتنا ہے مجھے پاس صنم خانے کا اے شیخ
اتنا تو کوئی پاسِ حرم کر نہیں سکتا

اس حُسن پہ وہ جتنے ستم چاہے کرے شوق
واقف ہے کہ میں عشق کو کم کر نہیں سکتا

میرے جنوں سے حشر کو پالا جو پڑ گیا
دن بھر کا کھیل ایک ہی پل میں بگڑ گیا

نکلا تھا کیا وہ خانہ برانداز سیر کو
سنتا ہوں میں کہ شہر کا شہر آج اُجڑ گیا

دل غم سے خشک بھی ہو تو پہلو میں خار ہو
پتّا نہیں کہ خشک ہوا اور جھڑ گیا

ٹوٹے جنوں کے زور سے ٹانکے لباس کے
جتنا سیا کچھ اس سے زیادہ اُدھڑ گیا

محشر میں صاف اُتر گئے وہ جا کے پیشتر
مٹی خراب ضعف کی ہو میں پچھڑ گیا

حُسنِ دہن ہے اسکی ہنسی دیکھ اے کلی
تو اک ذرا ہنسی کہ ترا منہ بگڑ گیا

قسمت میں دلو پشت کی ہو اشک واسطے
جس پیڑ کے تلے میں جما وہ اُکھڑ گیا

کمبخت عشق بھول بھلیاں سے کم نہیں
میں دل سے اور مجھ سے مرا دل بچھڑ گیا

ممنونِ گورکن نہوا شوقِ عشق میں
خود گور بن کے صورتِ اخگر وہ گڑ گیا

بیدل ہوئے جاتے ہیں یہ ہو حال ہمارا
دل پر اُنھیں دعویٰ ہے کہ ہے مال ہمارا

بلبل سے لڑا دیتے ہیں گل مجھکو دکھا کر
دیتے ہیں وہ دھوکا کہ یہ ہے گال ہمارا

وہ لڑکے قیامت سے مری قبر پہ بولے
ہم اُٹھنے نہ دیں گے یہ ہے پامال ہمارا

اس حیلے سے دیکھ آیا میں اُسکا لبِ رنگیں
آج اُڑ گیا ہے چھوٹ کے اِک لال ہمارا

زنداں میں بھی زندہ ہی ہو جھیل کے کڑیاں
زنجیر سے بیکا نہ ہوا بال ہمارا

زلفوں پہ تھیں، پیار کی نظروں پہ ہیں ناز
وہ جال تمھارا ہے تو یہ جال ہمارا

ٹکڑوں سے فرشتوں نے بھرا اسقدر اے شوق
دیوان ہوا نامۂ اعمال ہمارا

دھڑکنے پر ترس سے کام لیتے تم تو کیا ہوتا
ذرا میرا کلیجا تھام لیتے تم تو کیا ہوتا

نصیحت بند بند اسپر تو میں تڑپا ہوں لے ناصح
اگر اس وقت اُس کا نام لیتے تم تو کیا ہوتا

بہت اچھا تھا میرا قتل غم میں زندہ رکھنے سے
ذرا سا اپنے سر الزام لیتے تم تو کیا ہوتا

ہوئے بدنام خود میرے جتانے کے نہ چھوڑنے سے
برا سے نام پایا یہ تھام لیتے تم تو کیا ہوتا

یہ شکوہ مجھ سے ہر فریاد پر شوق اُن کو محشر میں
تحمل سے جو دن بھر کام لیتے تم تو کیا ہوتا

بے قراری سے خدا نے دل ہمارا بھر دیا
خون کے بدلے مگر دھوکے سے پارا بھر دیا

آج شب کو آسماں نے کی تری چادر کی نقل
اپنی چادر میں ستارے پر ستارا بھر دیا

یا الٰہی ہے اگر جرم ان بتوں کو گھورنا
تو نے پھر کیوں میری آنکھوں میں نظارا بھر دیا

اب تو خوش ہو تو کہ تڑپا میں جو خنجر کے تلے
خوشنما پھولوں سے دامن تیرا سارا بھر دیا

سب گلہ بیتابیوں کا ہے اُسی سے عشق کو
جس خدا نے حسن سے چہرہ تمھارا بھر دیا

تم ہو محبوب اب تمھاری آنکھ کو میں کیا کہوں
زہر سے جس نے تمھارا ہر اشارا بھر دیا

جا کے مسجد میں کرونگا شکر کا سجدہ میں شوق
مے سے ساقی نے مرا چلو دوبارا بھر دیا

داغوں کے سوا کس کو سہارا ہے کسی کا
اب تو انھیں ٹکڑوں پہ گزارا ہے کسی کا

اتنی مری آنکھوں میں بصارت ہی نہیں ہے
جتنا کہ مجھے منظور نظارا ہے کسی کا

رستے سے سب مجھے میری نقاہت کو دبا کر
پلٹا دیا جس نے وہ اشارا ہے کسی کا

دیکھ آیا میں چورا ہے پہ رکھا ہوا اک دل
صدقہ کسی عاشق نے اُتارا ہے کسی کا

داغِ سرِ سودا زدہ چھپا ہے سے چھپا ہو
ڈوبا ہوا قسمت کا ستارا ہے کسی کا

غمزے سے نہیں کہہ سکتے تبسم سے کہے ہاں
اتنا ہی ہمیں ناز گوارا ہے کسی کا

اے شوق نکلنے نہیں دیتا اسے کوئی
گویا مری حسرت پہ اجارا ہے کسی کا

گماں نہ کرے گل رنگ کے پیالوں کا
بھرا ہے رنگ ان آنکھوں میں تیرے گالوں کا

ہمیشہ آپ کی برچھی رہے بلند اقبال
لئے ہوئے ہے یہ پہلو شکستہ حالوں کا

بجھائی اُس نے پہیلی تو یہ سمجھ دیکھو
میں کھولنے لگا جوڑا اُسی کے بالوں کا

چلی جو مانگ کی جانب نظر تو دل بولا
اُدھر نہ جا کہ وہ رستا ہے سانپ والوں کا

تمہارے حُسن میں بڑھتا رہا مرا سودا
بڑھا تو زلف کا ٹھہرا گھٹا تو خالوں کا

میں کس اُمید پہ دیکھوں ستم ظریف کا مُنہ
جواب ایک تبسم ہے سو سوالوں کا

پڑا ہے چار طرف کام مرنے جینے سے
ضرور رنگ ہے چوسر میں تیری چالوں کا

ہستی کی شکل تھی کچھ زخم میں مٹی وہ بھی
خدا بھلا کرے ٹانکے لگانے والوں کا

لبوں کے عشق میں دل پر یہ اُن کی پھبتی ہے
قفس لئے ہوئے پھرتے ہیں شوق لالوں کا

بدنام ہوا قتل سے کیوں ناز کسی کا
پنہاں تھا مرے خون میں کیا راز کسی کا

وہ بھاگ گئے دیکھ کے کاندھوں پہ جنازہ
دیکھا نہ گیا اُن سے یہ اعزاز کسی کا

مُردوں کو جلاتے ہیں وہ زندوں کو تو ماریں
عیسیٰ میں فقط نصف ہے اعجاز کسی کا

اب غیر سے سیکھوں اسی کمبخت کا لہجہ
میرے لئے ہوتا نہیں در باز کسی کا

اِس شوخ کی شوخی سے ہے بزمِ آئینہ خانہ
ہے سب کا، نہیں پھر بھی وہ طنّاز کسی کا

فرصت نہیں مرنے کی کہو موت پلٹ جائے
اعجازِ سخن ہے ابھی دمساز کسی کا

کچھ کہہ کے اُنھیں یاد دلاتا ہے کسی کی
اے شوقؔ ہے محسن کوئی غمّاز کسی کا

تھا بند وہ در پھر بھی میں سو بار گیا تھا
مانندِ ہوا پھاند کے دیوار گیا تھا

پھرتا ہوں میں بیدل مرا دل کیوں نہیں دیتے
کیا تم سے جوا کھیل کے میں ہار گیا تھا

سودے کو نہ پوچھو آیا تھا تو نا سے حسین دن
گیسو ترا اُس دن مرے سر مار گیا تھا

دل سے نہ سہی۔ آئے تو میّت پہ وہ آخر
آتے نہ تو مرنا مرا بے کار گیا تھا

خود میں نے جتایا ہے اُسے حشر کا میداں
مشہد ہی سے میں اُس کا طرفدار گیا تھا

برچھا تھا کہ تیر، اپنی نظر سے یہ ذرا پوچھ
سینے میں کچھ اِس پار سے اُس پار گیا تھا

مجبور رہا وہ جو پڑا زلف کا پھندا
شوقؔ اُس کے وہاں ہو کے گرفتار گیا تھا

پہلے تو خون پی گئی پھر جسم کھا لیا
سب قتل کا ثبوت زمیں نے چھپا لیا

میرا دلِ غیور بہت دور تھا، مگر
صرف اک نگاہِ ناز نے اپنا بنا لیا

بس یہ علاج نالہ کشوں کے مرض کا ہے
دردِ جگر بڑھا تو ذرا غُل مچا لیا

اب سر پڑی ہیں اپنی ہی نازک دماغیاں
کتنا غرورِ حُسن کا تم نے بڑھا لیا

اترا کے آئینے میں چڑھاتے تھے اپنا مُنھ
دیکھا مجھے تو جھیپ گئے، مُنھ چھپا لیا

دل تھام کر اُٹھا میں تو بولا وہ طنز سے
اچھا ہوا کہ تم نے دل اپنا اُٹھا لیا

سرمائے میں ہے داغ بھی، سودا بھی، درد بھی
تو نے تو اے جنون بہت کچھ کما لیا

صورت بہت حسین جو دیکھی تو پیار سے
اِن پُتلیوں نے گود میں اُس کو بٹھا لیا

وہ بھول جائیں لیکے دل اور دیکے گالیاں
مجھ کو تو شوق یاد ہے اپنا دیا لیا

کہتا ہے وہ مجھ سے کہ تجھیں یاد کرونگا
یہ کیوں نہیں کہتا ہے کہ بیداد کرونگا

رُخ کھول کے تو چشمِ تمنا کو دکھا دے
میں حُسن کے دفتر پہ ابھی صاد کرونگا

وہ میری لحد کے لئے دیتا ہے یہ دھمکی
ہوگی مرے کوچے میں تو برباد کرونگا

وعدے سے کیا بعدِ جفا بند مرا مُنہ
کس مُنہ سے کہوں اب کہ میں فریاد کرونگا

میں تجھ سے جو ڈر جاؤں تو فرہاد کی شکل
ایسا کوئی نقشہ میں اب ایجاد کرونگا

آیا تو مرے دل کو لہو کر کے چلا تو
کس دل سے کبھی پھر میں تجھے یاد کرونگا

دنیا سے چلا لے کے بہت رنج و غم اے شوق
مدفن میں نیا شہر میں آباد کرونگا

ہو دانت ایمان پر اس بت کدے کے خوش جمالوں کا
خدا ہی اب تو ہے دُنیا میں ہم اللہ والوں کا

کہیں ایسا نہو تم حشر کے دن مُنہ کی کھا جاؤ
سکھا دوں آؤ میں تم کو جواب اپنے سوالوں کا

بیاضِ رُخ میں کیا دلچسپ ہیں رنگینیاں ان کی
دو ورقہ منتخب ہم نے کیا ہے تیرے گالوں کا

لپیٹوں چند کالے تار ریشم کے تو دل بہلے
کہ کاکل ہے یہی باہم لپٹنا چند بالوں کا

اگر جی حشر کا چاہے تو مٹی بھر کے لیجائے
اُٹھانا غیر ممکن ہے تمہارے پائمالوں کا

نہ ایسا بانکپن اُس میں نہ ایسی چتون تیکھی
قضا سے کام کیا چلتا ادا پر مرنے والوں کا

غلط ہے جو کہے زنجیر یا سانپ اُسکے گیسو کو
بلا ہے خود تو کیوں محتاج ہے وہ اِن مثالوں کا

نئی بات اندر تو کیا ہوگی میدانِ قیامت میں
کھنچے گا حشر کے تختے پہ نقشہ تیری چالوں کا

دکھایا جذب اتنا شوقؔ اُس کے رخ کی اُلفت نے
ہوا قائم مری تربت پہ میلا پھول والوں کا

دل پڑا فطروں کی تیغوں میں تو کٹ ہی جائیگا
ٹکڑے ٹکڑے ہو کے پھر غمزدل میں بٹ ہی جائیگا

عشق پیچاں سے نہیں کچھ کم ہمارا عشق بھی
جس حسیں کے قد کو پائے گا لپٹ ہی جائیگا

اُس کے خنجر کو سُبک کرنا مرا منظور رہا
خون نکلے گا تو آخر وزن گھٹ ہی جائیگا

ہائے میں نے کیوں بُرا سا مُنہ بنایا وقتِ ذبح
کیا میں سمجھا تھا کہ ظالم ڈر کے ہٹ ہی جائیگا

میں نہ چھوڑوں گا محبت تو ستم کر شوق سے
کیا یہ کاغذ کا کلیجا ہے کہ پھٹ ہی جائیگا

گریہ کیوں آتا ہے لینے آبروئے رازِ عشق
رخ پہ جب آنسو بہیں گے رنگ کٹ ہی جائیگا

ہوشیار اے شوقؔ نظارہ ہے اُوس کا خانہ زاد
دل کو لے کر اُس کی آنکھوں میں پلٹ ہی جائیگا

خدا سے بھی وہ نہیں ہوتا سیدھا
یہ جواب آیا ہے اُلٹا سیدھا

جھانکتا تھا وہ کہ دیکھا مجھ کو
کر دیا ہاتھ سے پردا سیدھا

چال ہی کچھ ہے قیامت ورنہ
دیکھنے میں ہے ادھر کا سیدھا

کتنا ٹیڑھا ہے وہ ظالم مجھ سے
نام لیتا نہیں میرا سیدھا

کھل گیا درد جو بے چینی سے
جسم میرا ہوا ٹیڑھا سیدھا

اُس کی دل جوئی کا قائل ہوں میں
ہاتھ پہلو ہی پہ پہونچا سیدھا

بے تکے سرو پہ تھی کی پھبتی
تو بھی اے شوقؔ ہے کتنا سیدھا

تم سے دل اپنا پھیر کے دم لیں گے دیکھنا
ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں ہم لیں گے دیکھنا

راضی سے وقت صلح تو بھڑے سے وقت جنگ
کچھ تم سے ہم تمہاری قسم لیں گے دیکھنا

ہم وہ نہیں کہ حشر میں ہوں غافل آپ سے
میدان ہی میں بڑھ کے قدم لیں گے دیکھنا

اپنا گلا دبا کے مریں تم پہ، تو سہی
مرنے پہ آئے ہم تو نہ دم لیں گے دیکھنا

جھنڈے پہ تم چڑھو گے کہ میدانِ حشر میں
نالے کا ہم بڑا سا علم لیں گے دیکھنا

لکھنے چلے وہ نامہ، تو بولی یہ نازکی
آپ اپنی انگلیوں میں قلم لیں گے دیکھنا

دل میں کمر کو یاد کیا اور رہ گئے
چپکے سے شوق راہِ عدم لیں گے دیکھنا

میں نے دل سے کیا پھل پایا کوئی کیا پھل پائیگا
جتنا چھوٹا اتنا کھوٹا، جوبنے کا کچھ پتا ئیگا

تلووں سے تو لاکھ ملے یہ خون ہی بولے سر چڑھ کر
آج تلے پڑ جائے لیکن رنگ کسی دن لائیگا

آئی بہار اے جوشِ جنوں تو اڑ کے اس جنگل میں کہاں
حسرت کچھ نکلے گی جس دن ابر امڈ کے برسائیگا

غیر نہ تاڑیں الفت مجھ سے چھپ کے آنکھیں پھیر تو
اتنا ہی یہ راز کھلے گا جتنا تو شرمائیگا

عشق کا بازار اپنی جنسِ حسن کو تو دکھلا تو سہی
آنکھ کا اندھا گانٹھ کا پورا کوئی مل ہی جائیگا

جتنا بھاگا جائے بھاگ ان اچھی صورت والوں سے
ہاتھ نہ آئے گا کچھ اور دل ہاتھ سے تو بھی جائیگا

عشق میں جتنی لذت ہے یہ سب ہے دردِ فرقت کی
اتنا ہی لطف اور بڑھے گا جتنا تو ترسائیگا

وعدے کا کیا لینا دینا، یہ تو وفا کی چیز نہیں
میں لیکر ناکام رہوں گا، تو دے کر پچھتائیگا

شوق کو سمجھا اے ناصح تو نام نہ لے معشوق کا تو
اور سڑی ہو گا وہ، اس کا نام اگر سن پائیگا

لگ ہو رخِ بے حجاب کا سا
رنگ اس میں کہاں شباب کا سا

پہلو میں یہ دل کہ آبلہ ہے
پھولا پھولا حباب کا سا

اشکوں میں جو خونِ دل نہیں ہے
یہ کیا ٹپکا شہاب کا سا

آنکھیں اُس سے ملا کے ہوں ہیں
بیخود مستِ شراب کا سا

بو آتی ہے ساتھ ہر نفس کے
کچھ جلنے لگا کباب کا سا

مُنھ حوض میں دھوئے وہ تو ہو جائے
سارا پانی گلاب کا سا

دل تم نے کبھی لیا تھا مجھ سے
کچھ یاد تو ہوگا خواب کا سا

تھا شکل میں آفتابِ محشر
تیرے رُخِ پر عتاب کا سا

بکتا ہے سٹری کی طرح اے شیخ
شوق اب تو ہوا جناب کا سا

آ گیا غصہ تو اُس کا رنگ گہرا ہو گیا
تھا گلابی، تاؤ کھا کر اب سنہرا ہو گیا

شوخیوں نے میری آنکھوں پر کیا احسان آج
اُس نے دُہرایا جب آنچل تب اکہرا ہو گیا

چاہیں آنکھیں تو دیکھوں کیونکر اعضا کا حُسن
میری آنکھوں پر تری آنکھوں کا پہرا ہو گیا

زخم کچھ اوچھا لگا تھا اُس کے نازک ہاتھ سے
خیر، میرے ناخنوں سے اب تو گہرا ہو گیا

شوق اُس کی گالیوں سے ہو گئے سُن اہلِ بزم
کوئی گونگا بن گیا اور کوئی بہرا ہو گیا

مرض سا ہے ترے عاشق کو سر کے دُھننے کا
بڑا سٹری ہے کسی کی نہیں وہ سُننے کا

ہوئے یہ چاک جگر کے رفو میں دھاگے صرف
کہ بند ہو گیا سب کاروبار بُننے کا

برہنہ ہے ترا وحشی تو اپنا دامن دے
بہار آگئی موسم ہے پھول چُننے کا

تبِ فراق میں دل کی خوشی نہ پوچھو کچھ
ہنسی چنے کی طرح مشغلہ ہے بُھننے کا

سٹری کہا جسے اُس نے تو شوق کیا پروا

ابھی تو اور بھی کیا کیا نہین ہین سُننے کا

خونِ دل آنکھوں میں اشکوں کے عوض لانے لگا
عشق تو سچے گھڑے پانی کے بھروانے لگا

چُپ رہوں ہیں تو وہ خود ہی بولتا ہے چھیڑ کر
کچھ اُسے بھی اپنی باتوں کا مزہ آنے لگا

حُسن بڑھ بڑھ کر یہ صورت کو بدلتا ہے کہ میں
روز اُس کی اک نئی تصویر کھنچوانے لگا

اشک کی جو بوند ٹپکی رُخ پہ، وہ جلتی ہوئی
سوزِ دل اب تو غضب کی آگ بھڑکانے لگا

حُسن میں کتنی کشش آئی ہے آتے ہی شباب
دن میں سو سو بار اُس کے گھر میں کھنچ جانے لگا

عاشقوں کے دل تو سب توڑے اب آخر کیا کرے
بیٹھے بیٹھے انگلیاں ہی اپنی چٹکانے لگا

رُخ حسینوں کے ہیں پردوں میں تو کیا پروا ہے شوقؔ
میں بھی اپنے دل کو اب پھولوں سے بہلانے لگا

بھلا ہو تم سے حسینوں کی بے وفائی کا
کہ عیب چھوٹ گیا مجھ سے آشنائی کا

چلا کے وصل سے تم مارتے ہو فرقت سے
حسین کیا ہوئے ٹھیکہ لیا خدائی کا

لگا کے بیٹھے ہیں سینے سے داغِ الفت کو
ہمیں عزیز ہے پیسا کڑی کمائی کا

جنوں تو خوش ہے خزاں سے کہ خشک کانٹے ہوں
مزا بہار میں کیا ہے برہنہ پائی کا

ابھی شباب ہے توبہ کی ایسی کیا جلدی
زمانہ آئے تو کم بخت پارسائی کا

کیا ہے مجھ سے تری رنجش نے اس قدر مجبور
کہ غیر اب ہے ذریعہ مری صفائی کا

میں خود ہی دوڑ کے آتا منا کے جو کے تم
خفا تھا میں، تو یہ موقع تھا کچھ ادائی کا

سُنا ہے شوقؔ کا مرنا تو چل کے خود دیکھو
کچھ اعتبار نہیں ہے سنی سنائی کا

کبھی وعدے کا طالب دل کبھی خواہاں ہے گالی کا
ذرا دیکھے تلوّن کوئی اس ہر دم خیالی کا

ترا عاشق ترے گھر روز دل کو پھینک جاتا ہے
بہت دیوانہ پن اب بڑھ گیا اُس لاابالی کا

مری صورت کو دیکھو اور مجھ سے کچھ نہ پوچھو تم
کہ اندازہ مجھے مشکل ہے اپنی خستہ حالی کا

کیا بے ہوش مجھ کو اُس نگاہِ چشمِ میگوں نے
ذرا نشّہ تو دیکھو ایک چھوٹی سی پیالی کا

بِکا جاتا ہوں میں رستے میں جب معشوق ملتے ہیں
بہت ہی شوق ہے اے شوق مجھ کو پائمالی کا

بچپن چلا شباب کے اب جور دیکھنا
تھوڑے دنوں میں ان کا نیا دور دیکھنا

اللہ ری بدظنی کہ وہ کہتا ہے طنز سے
اُٹھ کر یہاں سے اب کوئی گھر اور دیکھنا

وہ دن فراق کا کہ نہ لائے خدا جسے
اس عشق میں بدا ہے یہ ہر طور دیکھنا

غیروں کے ساتھ مجھ پہ بھی ہونے لگے ستم
آٹے کے ساتھ گھُن بھی پسا اور دیکھنا

رُخ شوق کی طرف مگر آنکھیں ہیں کس طرف
کیا دل کو تاکتے ہیں ذرا غور دیکھنا

کچھ سہارا مرے جینے کا رہا ہی کب تھا
"ابھی مرنا نہیں" یہ تم نے کہا ہی کب تھا

آج اس موت نے مجبور کیا ہے ورنہ
میں نے غم ہجر کا چپکے سے سہا ہی کب تھا

تم نے یہ خون کیا دل کا سما کر دل میں
ورنہ پہلے مری آنکھوں سے بہا ہی کب تھا

کیا عجب میں جو مرا تیرا شباب آتے ہی
اب زمانہ مرے جینے کا رہا ہی کب تھا

شوق کیا دام مرے دل کے لگاتا کوئی
یہ تو ٹوٹا تھا سزاوارِ بہا ہی کب تھا

مرے نصیب میں پیشِ نظر تم ہونا تھا
اُدھر ہوا ہے رُخ اُس کا جدھر نہ ہونا تھا

میں مر کے دفن ہوا اور رہ گئی اک بات
وہ بات یہ کہ تمھیں بے خبر نہ ہونا تھا

مجھی سے سن کے وہ عاشق مجھے سمجھ بیٹھے
ہے سچ تو یہ کہ مجھے معتبر نہ ہونا تھا

تمھیں نے درگزروں سے مجھے کیا گستاخ
خطا معاف، متین اس قدر نہ ہونا تھا

ہمارا حادثۂ موت خوب تھا لیکن
تمھارے آنے سے کچھ پیشتر نہ ہونا تھا

یہ مانتا ہوں کہ حد سے بڑھا ہے میرا عشق
مگر تمھیں کو حسین اس قدر نہ ہونا تھا

اسی سے ہوتا ہے مشکوک اس کا دعویٰ شوق
کسی لغت میں یہ لفظِ "مگر" نہ ہوتا تھا

ہجر میں ہر شب شغل رہا ہے مثل شبنم رونے کا
خواب بھی ساری عمر نہ دیکھا ان آنکھوں نے سونے کا

شوق سے قتل عام کرو تم راز کھلے تو میں ضامن
کام اپنے ذمے لیتا ہوں میں دامن کے دھونے کا

طوق کا قیدی عشق بھی ہے اور حسن بھی جذب الفت سے
فرق فقط پہچاننے کو ہے لوہے کا اور سونے کا

جیتے جی فرقت سے جلایا مرنے پر تو رحم کرو
سایہ دو، دیوار کے نیچے ایک ذرا سے کونے کا

دنیا بھر کو کون اٹھائے سب تو یہیں آ مرتے ہیں
ٹھیکا دے دو حشر کو تم کوچے سے مردے ڈھونے کا

آنکھوں سے بہہ کر دل کا خون جما ہے مسکن میں
فرقت نے سامان کیا ہے میرے نرم بچھونے کا

باہر ہو کر آپے سے میں ہاتھ پڑا معشوقوں کے
اب تو کچھ افسوس نہیں ہے مجھ کو اپنے کھونے کا

کاوش میں وہ لذت ہے گر بس ہو جنوں کا دنیا پر
حکم یہ دے ہر جنس کے بدلے کھیت میں کانٹے بونے کا

جان بچی اور لاکھوں پائے اس کے گھر سے نکل کر شوق
جیتے جی اب نام نہ لیں گے ہم تو عاشق ہونے کا

میں غافل اور وہ جویائے دل، تو پھر کیا تھا
ذرا جو آنکھ جھپکی مال دوستوں کا تھا

یہ بیخودی ہے کہ ہم پوچھتے ہیں لوگوں سے
کہیں مکان اسی شہر میں ہمارا تھا

ہوا تھا سن ہی سکے سودا بڑھا وہ دیکھ کے اولے
وہ میرے سامنے آئے مگر نہ آنا تھا

مقابلے میں نہ اُن سے میں ہو سکا جاں بر
ادھر ہزار کرشمے تھے اور میں تنہا تھا

مزاج داں ہوں تو اُن کو بگڑنے دیتا کیوں
بجا سوال کو خود کہدیا کہ بےجا تھا

گیا تو اپنے سنبھالے وہاں نہ سنبھلا میں
اگرچہ صرف کیا میں نے زور جتنا تھا

نہ آیا وہ جو مری لاش پر تو کیا شکوہ
یہ جانتا ہوں کہ میں کشتۂ تمنا تھا

رُخ اُس کا چھوڑ کے سب دیکھتے تھے میری شکل
کچھ اُس کے حُسن سے میرا جنون اچھا تھا

وہ آیا تو ہمہ تن شوق میں بنا لے شوق
اب اور کیا میں بتاؤں کہ شوق کتنا تھا

قیس گیا تو شوق اب آیا
اُس نے رکھا اس نے اُٹھایا

بھید کھلا اشک خونیں سے
جو دل میں تھا مُنہ پہ آیا

بھول چلا تھا میں تو اسکو
ناصح تو نے یاد دلایا

ہجر میں کیا کیا جی جلتا ہے
آخر عشق جرا را لایا

چین تمھارے ہاتھوں کیسا
تم نے دیا اور ہم نے پایا

چھین لیا دل دیکھا دیکھی
لے بیٹھے تم مال پرایا

بیٹھ گیا شوق ایک گلی میں
کیا جانے کیا جی میں سمایا

بدنام عشق میں ہیں، یہ نام ہے ہمارا
اپنے دلوں کو رونا، یہ کام ہے ہمارا

چل کر صنم کدے میں تو ہم کو دیکھ زاہد
مسجد ہی تک یہ سارا اسلام ہے ہمارا

ہوتے ہی تم پہ عاشق مرنے کی ٹھان لی ہے
آغاز ہی میں گویا انجام ہے ہمارا

سب بےچین پا کے ہم کو، کوسا کہ مرمٹے تو
مدِ نظر کسی کو آرام ہے ہمارا

قیدِ مکاں میں بھی شوق اک شانِ سلطنت ہے
صحنِ مکاں سے قبضہ تا بام ہے ہمارا

گر میسر ہو نظارہ چشمِ مستِ یار کا
ہو ہتھیلی کا پھپھولا جام ہر مے خوار کا

رہ گیا عرضِ تمنا پر تبسم کرکے وہ
فیصلہ مشکل ہوا اقرار یا انکار کا

تو اجازت دے تو آئے چند بیچاروں کے کام
مل رہا ہے خاک میں سایہ تری دیوار کا

کچھ بتا سکتا نہیں آنے میں اور جانے میں فرق
میں تو قائل ہوں کسی کی شوخیِ رفتار کا

وہ نہ آئے گا مگر میں آسرا رکھوں ضرور
اک بہانہ ہے یہ تسکینِ دلِ ناچار کا

داغِ سینہ ہم نے پایا جیت کر میدانِ عشق
پھرتے ہیں تمغا لگائے حسن کی سرکار کا

تھی جگہ دلچسپ اس سے رک گیا پہلو میں تیر
ورنہ اس کا قصد تھا اس پار سے اُس پار کا

یہ متاعِ ناقص اور اس پر توجہ کی ہوس
ایک دل وہ بھی ترا توڑا ہوا سو بار کا

کچھ تو ہوتی ہے تشفی گو وہ ہے جویائے مرگ
کوئی تو ہے پوچھنے والا مرے آزار کا

اب اُسے آنے لگا کچھ اپنی بیدردی کا لطف
خود مجھے دیتا ہے موقع درد کے اظہار کا

اپنا جھگڑا آج تو چل کر چکا لو تم بھی شوقؔ
فیصلہ ہر روز کر دیتا ہے وہ دو چار کا

جنوں ہوا مجھے تو بے حجاب کیا آیا
کوئی پری اُتر آئی شباب کیا آیا

ہوا ہے اور بھی صورت سے بانکپن ظاہر
تری ادا کی بن آئی عتاب کیا آیا

ہمیں تو قتل سے رتبہ ملا شہادت کا
ستم سے آپ کے ہاتھ اے جناب کیا آیا

وہ مجھ پہ کرتے ہیں ظلم ایک ایک گن گن کر
اک آفت آ گئی اُن کو حساب کیا آیا

چلا ہے لے کے دل اک بیوفا کے گھر اے شوقؔ

مصیبت آئی یہ خانہ خراب کیا آیا

جو زندگی ہے تو خضر ایک کام کر لینا
نظر جو آئے کوئی سبزہ رنگ مر لینا

نگاہ دل سے بھی پھیری جگر سے بھی پھیری
پھر اور چاہتے ہو کیا کسی کا گھر لینا

نہ چھوڑے تب عشق اس شباب میں مجھ کو
ابھی تو عشر پڑی ہے کبھی اُتر لینا

خزاں میں باغ کی چڑیاں تو کیا کہیں نہ ملے
دوا کے واسطے چاہے جو کوئی پر لینا

بچا نہیں کوئی دل سوز تیغ کے چلتے
اکیلے شمع کا اب بیٹھے بیٹھے سر لینا

جو چاہتے ہو کہ سجدہ قبول ہو اے شیخ
تو اپنے سامنے تصویر اُس کی دھر لینا

خبر اُڑی ہے کہ مرتا ہوں آج میں تم پر
مجھے نہ ہو خبر اپنی تو تم خبر لینا

جو کچھ ملے تو اجازت ہو دل میں رہنے کی
کرایہ دو جو ہے منظور تم کو گھر لینا

تم اُس کے سامنے اے شوق غم دکھانے کو
جگر کے خون سے آنکھوں کو خوب بھر لینا

بے حواسی سے میں پہلے تو وہ گھر بھول گیا
گھر جو پایا بھی تو تقدیر سے در بھول گیا

کیا شکایت جو لگاوٹ سے نہ دیکھا اُس نے
آدمی ہی تو ہے اندازِ نظر بھول گیا

تیری فرقت میں ستم تھا فلکِ پیر کا سہو
شام بھیجی مرے گھر اور سحر بھول گیا

اُس نے جب گھر سے نکالا میں وہیں پہنچا پھر
اور جانب جو چلا راہ گزر بھول گیا

گیا از خود رفتہ ہوا دیکھ کے صورت صانع
اور اعضا تو دئے اُس کو، کمر بھول گیا

رہ گئی جان دمِ نزع جو آ بیٹھا وہ
اُس سے مشغول ہوا جی تو سفر بھول گیا

اتنا اُلجھا میں کہ لے ہی لیا وعدہ اے شوق
آج تو سب وہ اگر اور مگر بھول گیا

مجھ بےکس کا مرنا ہی کیا جو کوئی کرے ماتم میرا
دانتوں میں وہ انگلی دابے ہے کافی ہے بس اتنا غم میرا

آیا تھا مژدہ سن کے مجھے لیکن بھاگا منہ پھیر کے وہ
آنکھیں جو کھلی دیکھیں سمجھا اٹکا ہے ان میں دم میرا

گھر سے جو نکالا ظالم نے تو اب میری یہ حالت ہے
قصد آگے کا کرتا ہوں مگر پیچھے پڑتا ہے قدم میرا

پائیں میں بٹھایا تو کیا ہے میں کون اس کا عاشق ہی تو
کی جتنی خاطر آج اس نے حق اس سے بھی تھا کم میرا

اس عشق میں کیا کہیے کہ دماغ اے شوقؔ ہوا کتنا نازک
ذکر اور کا کیا مجھ سے بھی مزاج اب ہوتا ہے برہم میرا

خوف اس کو اثر کا جو ہوا ہو تو عجب کیا
آہوں سے مجھے روک رہا ہے تو سبب کیا

اس یاس پہ امید وہاں لے کے چلی کیوں
دل کچھ نہیں کہتا تو کہیں گے مرے لب کیا

آیا وہ تو حیرت سے نظارہ ہے نظر بند
نکلے ہوس دیدۂ دیدار طلب کیا

رونے میں بنایا بھی تو بگڑا ہی رہا منہ
نازل ہے الٰہی مری صورت پہ غضب کیا

ہنسنے میں بھی آنکھوں سے نکل آتے ہیں آنسو
غم دیدہ ہیں ہم لوگ ہمیں لطف طرب کیا

وہ آئیں جو تربت پہ تو میں اٹھ کے کھڑا ہوں
اتنا بھی نہ ہو مجھ سے تو پھر پاس ادب کیا

مرنے پہ کٹے یوں تو نہیں کٹتی ہے اے شوقؔ
خالق نے مری عمر کو دی ایک ہی شب کیا

وہ مڑ جاتا ہے صورت آشنا ہونے نہیں دیتا
نظر کے ڈر سے رخ کا سامنا ہونے نہیں دیتا

تغافل تو کرو تم، اور بناؤ بے وفا مجھ کو
تو کیا خود اپنے اوپر میں جفا ہونے نہیں دیتا

وہ نا واقف رہا تو ہے مرا پاس ادب ملزم
یہ منصوبے کو حرف مدعا ہونے نہیں دیتا

ہوا اب کے ابر آئے گا تو ہم بھاگیں گے مسجد سے
ہمارا کام تو یہ اتقا ہونے نہیں دیتا

امید لطف کیا اس عمر نا کافی میں ہو اس سے
غرور حسن اسے وہ آشنا ہونے نہیں دیتا

کہیں دشمن کے طالع کو نہ لگ جائے مثال اس کی
میں خود ہی اپنے طالع کو رسا ہونے نہیں دیتا

نزاکت بڑھ گئی اتنی تو اب میرا گلا کاٹو
یہی نالے کو میرے بے صدا ہونے نہیں دیتا

اُسے بدخو سمجھ کر لڑ تو لیتا ہوں مگر منہ سے
میں دل کو کیا کروں یہ تو خفا ہونے نہیں دیتا

بڑے خطبے کے ڈر سے **شوق** تھوڑی پی کے جاتا ہوں
نمازِ جمعہ کو لیکن قضا ہونے نہیں دیتا

دل ہی قابو میں نہیں تجھ پر جو قابو ہو تو کیا
یاس دونوں سے ہے اب دل ہو تو کیا تو ہو تو کیا

میں ہوں بے خود اُس کے غصے کو سمجھتا کون ہے
اور کچھ اس سے زیادہ بھی وہ بدخو ہو تو کیا

دل تھا جب دل تب تو ظالم نے ٹٹولا تک نہیں
بہہ گیا جب خون ہو کر اب وہ دلجو ہو تو کیا

تم سے تو بد شکل ہی اچھے کہ وہ ظالم نہیں
خو جفاؤں کی تو ہے تم جو خوش رو ہو تو کیا

وہ نہ دیکھے میں مروں جس کے تماشے کے لئے
یوں جو قصہ میری جاں کا ہی کا یکسو ہو تو کیا

دل مرا کرتیں مسخر تو یقین آتا مجھے
یوں برائے نام اُن آنکھوں میں جادو ہو تو کیا

شوق توبہ کی جنوں سے پھر نہ ہونگے ہم بری
اب کسی معشوق کا کیسا ہی گیسو ہو تو کیا

مجھے تو کھو کے مشکل ہو گیا ہے اپنا پا لینا
کہیں تم کو پڑا مل جاؤں میں تو تم اُٹھا لینا

سرِ شام آ کے سب اہلِ محلہ مجھ سے کہتے ہیں
ذرا تم شب کو ہاتھوں سے گلا اپنا دبا لینا

لہو کے چند قطروں پر چلے کیوں عاشقی کرنے
مناسب تھا ہمیں پہلے ہی دل کا آزما لینا

جو پیدائش سے پہلے دیکھتا تم کو تو کہتا میں
کہ دل دینے لگے اللہ تو درد آشنا لینا

مری امید کے برعکس رہتا ہے مرا طالع
نہ لوں عہدِ وفا تم سے تو ہو عہدِ وفا لینا

گڑا میں خاک میں اور آگ میرے خونِ دل میں ہے
بچا کر ہاتھ اب پیروں سے تم برگِ حنا لینا

اُٹھائے کوئی دل دُنیا سے یہ لے شوق آساں ہے
مگر دشوار ہے معشوق سے دل کا اُٹھا لینا

لیا وعدہ کیا وعدہ، تو دونوں کو قرار آیا
میں سمجھا رہ گئی بات اور وہ سمجھا اعتبار آیا

ہوئی ہے روح خوش اس سے کہ مجھ کو کچھ تو سمجھاؤ
چڑھائیں تیوریاں جب سامنے میرا مزار آیا

ڈھلا کیوں نیل جس سے حرف آیا ضبطِ گریہ
میں نادم ہوں کہ باہر آنکھ سے اشک ایک بار آیا

شباب آیا تو پیش آئی ضرورت تجھ پہ صدقے کی
بضاعت کچھ نہ تھی تو آپ میں ہی نثار آیا

خدا جانے کہاں کھویا ہوں کس سے اب پتا پوچھوں
میں اپنا نام لے کر ساری دُنیا میں پکار آیا

ہزاروں بار یوں ہی کر کے وعدہ پھر نہ آنا تو
ترے آنے سے بڑھ کر مجھ کو لطفِ انتظار آیا

اب اپنے شوق کی بے غیرتی پر رحم کر ظالم
ابھی تو نے نکلوایا ابھی پھر بے قرار آیا

بحر مجتث

بڑے مزے سے گزرتی ہے کوئی غم نہیں رہتا
ہے سچ تو یہ کہ جنوں سے شباب کم نہیں رہتا

نہ اپنے گھر سے نکالو تو پھر گلے نہ سنو تم
تمہارے گھر میں ستم ہو تو وہ ستم نہیں رہتا

یہ اُس میں شوخیِ رفتار ہے کہ نبض کی صورت
قرار سے مرے ہاتھ آ کے ایک دم نہیں رہتا

پھر اُٹھ کے جا نہیں سکتا جب آ پڑوں ترے گھر میں
میں کیا کروں مرے قابو ہی میں قدم نہیں رہتا

گلے ہزار کروں میں جو پہلے ہی میں لے ہے وہ
کہ شکل دیکھ کے دل میں کوئی الم نہیں رہتا

کسی نے مجھ کو جو پوچھا تو میں نے تجھ کو بتایا
خیال اپنا مجھے کچھ تری قسم نہیں رہتا

چلے وہ غیر کی تربت پہ شوق میں بھی مر دل اب
اُسی پہ رحم اُنھیں آتا ہے جس میں دم نہیں رہتا

ضعف سے کچھ کیا نہیں جاتا
دل کے پانی پیا نہیں جاتا

کہو آنے کو تم تو جی ہی لوں
یوں تو مجھ سے جیا نہیں جاتا

کیا کروں میں جو کچھ کہے ناصح
منہ کسی کا سیا نہیں جاتا

تم سا کنجوس دے گا کیا تسکیں
سنم بھی جس سے دیا نہیں جاتا

خود سمجھ جاؤ جس پہ عاشق ہوں
نام مجھ سے لیا نہیں جاتا

جتنے آنکھوں سے بہتے ہیں آنسو
اتنا پانی پیا نہیں جاتا

دل کے کچے ہو عشق میں تم شوق
صبر تم سے کیا نہیں جاتا

غصے میں وہ بھرا تو میں مُنھ تک کے رہ گیا
دیں اتنی گالیاں کہ وہ خود تھک کے رہ گیا

اُٹھوا منگا مجھے کہ اسی آرزو کے ساتھ
میں گر کے سامنے ترے پھاٹک کے رہ گیا

کیا میں بکا کروں تو کہیں سب مجھے سڑی
یہ بھی تو ہے جنون کہ کچھ بک کے رہ گیا

حرص ایسی کچھ بہت ترے مقتول کو نہ تھی
دو چار زخم کھائے تو بس جھک کے رہ گیا

آنکھوں سے خون ہو کے نکلنا تھا اس کو شوق
پہلو ہی میں جگر مرا کیوں پک کے رہ گیا

میں آؤں تو نہ رکھ الزام بے قراری کا
نباہ ہے یہ مری جان وضع داری کا

ہوا شریکِ جنازہ تو اس بہانے سے
تُزک وہ دیکھنے آیا مری سواری کا

میں خوار ہوں اسی عادت سے بیوفاؤں میں
بڑا ہی عیب ہے مجھ میں وفا شعاری کا

یہ شرع عشق کی جاری ہو کوئے قاتل میں
کہ حکم خونِ رواں پہ ہو آبِ جاری کا

کسی کا حُسن بہت اور ذرا سی جان مری
مجھے تو شوق زیادہ ہے جاں نثاری کا

دکھاؤں عشق میں کیونکر کہ آتشِ غم نے
جلا دیا مرا ساماں اشک باری کا

میں اُس سے کہہ گیا بڑ کی لپیٹ میں سب کچھ — جنون میں بھی یہ عالم ہے ہوشیاری کا
یہی دماغ ہے میرا تو عاشقی معلوم — مجھے جنون ہے عزت کی پاس داری کا

اُٹھے نہ ظلم تو چلّا پڑے ہیں اے شوق آپ
بڑا گھمنڈ تھا حضرت کو بُردباری کا

دل آیا، سامنے ہم جنس اُس بت کا اگر آیا — وہیں ہم چومنے دوڑے جہاں پتھر نظر آیا
وہ آیا گور پر تو غفلتِ عرشِ معلّےٰ تھی — کہ جب میں مر چکا تب میری آہوں میں اثر آیا
سٹری بن کر گھسا گھر میں تو صورت دیکھ لی اُس کی — نکالا تو گیا لیکن میں اپنا کام کر آیا
یہ میری بے خودی دیکھو کہ مُردہ جان کر مجھ کو — اُٹھا کر اپنے دروازے سے وہ مدفن میں دھر آیا
نظر پڑنے نہ پائی ہو چکی بس مغفرت میری — جنازہ میرا نکلا بام سے جب تو اُتر آیا
جنوں کپڑے تو وحشت میں بدن کو نوچ سکتا ہوں — بڑھائے خوب ناخن میں نے تب اتنا ہنر آیا
مری آنکھوں میں آنسو حُسن کی لذت سے آئے ہیں — تری صورت کو للچائیں تو پانی مُنہ میں بھر آیا
جنوں میرا لبِ مرگ ارض کے تختے سے ظاہر ہو — یہ پہلے زیرِ پا تھا اور اب بالائے سر آیا
ترے گھر سے جو آیا میں تو ایسی بےحواسی تھی — کہ پہچانا نہ میں نے سامنے جب میرا گھر آیا
اُسے خورشید و کیوں اُس کے منہ پر کہدیا میں نے — ہوا وہ شام سے غائب تو پھر وقتِ سحر آیا

نہیں ہوتا ہے لطفِ زندگی اے شوق کچھ حاصل
کہیں شاید کسی معشوق پر میں جا کے مر آیا

حجاب عام ہو جاتا ہے روئے بے حجاب اُن کا — نظر کو ہر طرف سے کھینچ لیتا ہے شباب اُن کا
سوالِ وصل پر کیوں اُن کی خاموشی کا منہ دیکھوں — نہیں خود ہی نہ کہہ لوں بس یہی ہوگا جواب اُن کا
محبت کتنی اُن کے ساتھ ہے اتنا سمجھ لو تم — کہ اوروں کے کرم سے مجھ کو اچھا ہے عتاب اُن کا

ضرورت ہے بہت سنجیدگی کی ورنہ محشر میں
مُقصّر ہو گا مرے دعوے سے بڑھکر اضطراب اُن کا

وہ ملتے ہیں مگر اوروں کا دل گرفتہ کرنے کو
میں سب لوگوں پہ ظاہر کر رہا ہوں اجتناب اُن کا

کہیں کھلتی ہوئی دیکھیں جو میں نے گل کی دو کلیاں
مجھے یاد آگیا وہ حسن چشم نیم خواب اُن کا

چلا ہاتھ اُن کا خنجر لے کے تو رگڑا گلا اپنا
لیا اے شوق میں نے اس طرح آدھا ثواب اُن کا

کیا ہی برہم وہ ہوا جان کے ہمسر اپنا
سایہ دیکھا جو کبھی قد کے برابر اپنا

ٹوٹی پھوٹی کہیں تربت جو نظر آتی ہے
لیٹ جاتا ہوں وہیں جان کے میں گھر اپنا

کبر ہو حسن جوانی پہ تو بے صبری میں سہی
ہو سکے صبر تو ہو سکتا ہے دلبر اپنا

کند تھی باڑھ تو قتل اُس نے کیا یوں مجھ کو
کہ گلا گھونٹ دیا پھینک کے خنجر اپنا

کسی معشوق کے کوچے میں نہ جمنے پائے
عمر بھر سر سے نہ اُترا کبھی بستر اپنا

اے خدا بچہ ہم کے کیا ہو گی جنوں کی تسکین
سر کے کام آئے جو دے تو مجھے پتھر اپنا

وہ کھنچا تن سے تو کھنچنے لگی یاں جسم سے روح
کہیں نازک ہے مزاج اُس سے بھی بڑھکر اپنا

حُسن سے بانٹ لیا عشق کا مسکن ہم نے
گھر میں معشوق کا قبضہ ہے تو باہر اپنا

عشق کیا میں نے کیا اُس کی غلامی کر لی
حق جتانے لگا وہ جبر سے مجھ پر اپنا

ہم کو گھر ہی میں خبر گھر کی نہیں ہے ورنہ
سیکڑوں کوس سے آتا ہے نظر گھر اپنا

منہ لگا کر بھی گستاخ نہیں کرتا ہے
شوق کتنا ادب آموز ہے دلبر اپنا

خلل دماغ میں چھپنے کا ظرف پا نہ سکا
ذرا سے سر میں بہت سا جنوں سما نہ سکا

اب اس سے بڑھ کے کوئی طرز دل شکن سوچو
ستم تو میری محبت کو کچھ گھٹا نہ سکا

تمھارے وعدے سے تسکین حشر تک رہتی
خطا مری ہے کہ میں اعتبار لا نہ سکا

میں ہنس رہا ہوں خود اپنے جنوں کی خامی پر
کہ دل میں آگ تھی اور گھر میں میں لگا نہ سکا

کسے تھا ہوش کہ دامن پہ اس کے ڈالے ہاتھ
میں اس کو دیکھ کے خود اپنے ہاتھ آ نہ سکا

ذلیل اس نے کچھ ایسا کیا کہ صورت اشک
گرا نظر سے تو کوئی مجھے اٹھا نہ سکا

ہمارے قتل کا اقبال ہے تنک ظرفی
ذرا سی بات تھی اس کو بھی تو دبا نہ سکا

چھپا ہے عشق یہاں تک کہ اپنے دل کا بھید
ٹٹولتا رہا لیکن کبھی میں پا نہ سکا

شگفتگی کا برا ہو کہ اس کو دیکھ کے شوق
وہ شکل جس پہ ترس آئے میں بنا نہ سکا

اٹھایا اس نے بہت جب میں پاس جا بیٹھا
قدم بڑھا نہ سکا میں وہیں اٹھا بیٹھا

مرے بدن کے پسینے سے مے کی بو پھوٹی
حرم میں لاکھ میں بن بن کے پارسا بیٹھا

مرے تو جاتے ہیں ہم صدمۂ تغافل سے
مگر مرے پہ کسی دن جو وہ بلا بیٹھا

اب اس سے بڑھ کے وہ کیا اور بے تکلف ہو
کہ اپنے گھر کی طرح میرے دل میں آ بیٹھا

کہیں میں بیٹھ کے رو دیا اگر جدائی میں
تو بیٹھتے ہی وہ تخت زمین کا بیٹھا

کچھ اس سے کہہ نہ سکے کوئی اس ضرورت سے
یہاں جو آ کے وہ بیٹھا بھی تو خفا بیٹھا

کہیں گیا وہ تو پردا رہا نزاکت سے
زمین پہ نہ کبھی اس کا نقش پا بیٹھا

یہ سوز رشک ہے میری ہی بدظنی کا قصور
تمام جسم میں خود آگ میں لگا بیٹھا

وہاں ذلیل ہے اپنی نظر میں کتنا شوق
اٹھا وہ خود ہی جب آکر کوئی نیا بیٹھا

فریاد پر بھی تم نے تغافل نہ کم کیا
کانوں میں تیل ڈال کے بیٹھے ستم کیا

زیور بڑھایا اُس نے مجھے پا کے نزع میں
خوش ہو کے پیشگی مرے مرنے کا غم کیا

ظالم بنے ہو مجھ پہ کرم کر کے مفت میں
تم نے ہزار اہلِ حسد پر ستم کیا

اچھا علاج درد کیا چارہ ساز نے
پڑھ کر تمھارا نام مرے دل پہ دم کیا

سب لوگ جمع کرتے ہیں سامانِ زندگی
شاید جفا کا حوصلہ کچھ اُس نے کم کیا

چھوڑا بڑھا کے میں بھی ہوں کتنا فریبیا
نام اور کا لکھا جو اُسے خط رقم کیا

ایسا خدا ضرور ہی اے شوق ہے جمیل
جس نے صنم کدے کو مٹا کر حرم کیا

عشق بازی کا بکھیڑا میرے سر سارا پڑا
دل نے تو چاہا اُسے میں مفت میں مارا پڑا

بے خودی میں گر گیا شاید مرے پہلو سے دل
راہ میں دیکھا تھا میں نے ایک انگارا پڑا

لذتیں تیری جو لوگوں ہیں ازل کے دن بٹیں
میرے حصہ میں فقط صورت کا نظارا پڑا

ہچکیوں کی سی صدا کانوں میں لاتی ہے ہوا
کیا کہیں دم توڑتا ہے کوئی بیچارا پڑا

حُسن کو میں شوق دل دیکر خریدونگا ضرور
مشتری ہے وہ مرے طالع میں جو تارا پڑا

مرے جنوں سے جو اُس کے جنوں میں بل آیا
غریب قیس کا اتنا سا مُنہ نکل آیا

لڑکپن اُس کا نہیں اب تو لطف کیا مجھ کو
خلل دماغ میں کمبخت بے محل آیا

میں رو پڑا تو اثر یہ تمھارے حُسن کا ہے
کہ مثل چشمۂ سیماب دل اُبل آیا

حِنا تو دے نہیں سکتی ہے اتنا گہرا رنگ
کسی کو راہ میں تلووں سے تو کچل آیا

گرا نہیں ہوں میں مستی سے بلکہ مے پا کر
زمیں پہ شکر کے سجدے کو سر کے بل آیا

چھپایا بھید کو چپکے سے ڈال کر تنکا
جو میری آنکھ سے آنسو وہاں نکل آیا

مل آیا اُس سے تو پہچانتے نہیں احباب
خوشی سے پھول کے اے شوق میں بدل آیا

مدد کو ہجر میں دل یا جگر نہیں آتا
اَغَل بغَل مجھے کوئی نظر نہیں آتا

کہاں یہ ہوش جنوں میں کہ اُس کا گھر پاؤں
مرے خیال میں اپنا ہی گھر نہیں آتا

طبیبِ عشق یہ کہتا ہے ہجر کی تپ کو
کہ چڑھ تو آتا ہے اس کو اُتر نہیں آتا

مروں جو حُسن پہ کوئی حسین مرنے دے
نہیں تو یوں مجھے بے کار مر نہیں آتا

خزاں میں گل نہیں ملتا اگر چڑھانے کو
قدم بھی کیا تمھیں تربت پہ دھر نہیں آتا

نہ پوچھو حال مرے دل کا تم کہ آنکھوں سے
سوا لہو کے مجھے کچھ نظر نہیں آتا

بگڑ کے شکل ڈرانی ہوئی ہے کچھ ایسی
کہ رنگ چہرۂ غم ناک پر نہیں آتا

شبیں تو سیکڑوں آتی ہیں میرے گھر لیکن
شبِ فراق کا پچھلا پہر نہیں آتا

کھڑی ہیں شوق سب اُس کے محل کی دیواریں
تو کیا یہاں کوئی شوریدہ سر نہیں آتا

تب تو مارا مجھے حشر آیا تو گھبرائے نا
میں جو کہتا تھا کہ پچھتاؤ گے پچھتائے نا

اُس نے روکا مجھے میں نے نہیں روکا اُس کو
میں وہاں جا نہیں سکتا وہ یہیں آئے نا

ایک دونوں میں سمجھ سے تو سمجھ لیں دونوں
میں نہ سمجھوں تو اُسی کو کوئی سمجھائے نا

جھوٹے وعدے پہ وہ کیوں اپنی قسم کھاتا ہے
میں تو زندہ ہوں ابھی میری قسم کھائے نا

کیوں نہ افسردہ کرے عشق کی گرمی دل کو
پھول پر دھوپ پڑے تیز تو کمھلائے نا

کچھ نہیں اور ضرورت مری گستاخی کو
رحم درکار ہے اتنا کہ وہ دھمکائے نا

کہتے پھرتے ہیں تجھے شوق اب اپنا عاشق

تو نے منہ ان کو لگایا تو وہ اترائے تا

جو منہ چھپا کے نہ دو تم جواب کل کا سا — تو اک سوال کروں آج بھی میں ہلکا سا
تمام جانوروں میں مجھے پسند ہے سانپ — بل اس میں بھی ہو ترے گیسوؤں کے بل کا سا
ضرور دل لگا یہ دھوکا کہ ہے یہ تیر اگر — میں گھر بناؤں گا اپنا ترے محل کا سا
جھپٹ وہ قہر کی اس نے دکھائی غصے مین — کہ میرے منہ پہ طمانچہ پڑا اجل کا سا

عجیب رنگ ہے اے شوق اس کی محفل میں
کھلا ہوا ہے وہاں پھول اک کنول کا سا

سامنے اس کے نہ رویا شوق اب روتا ہے کیا — بوند کا چوکا گھڑا ڈھلکائے تو ہوتا ہے کیا
جوں نہ رینگی اس کے کانوں پر مری فریاد سے — آسماں کو کوئی دیکھے تو پڑا سوتا ہے کیا
مل چکے کیا خاک و خوں میں سب کہ ہے یوں مطمئن — میں تو باقی ہوں ابھی تو ہاتھ منہ دھوتا ہے کیا
دل شگفتہ رکھ کے دنیا کی خلش سے پاک رکھ — یہ ہے پھولوں کی جگہ کانٹے یہاں بوتا ہے کیا

اپنے داغِ عشق کو مرہم سے ضائع کر نہ شوق
ایک دولت مل گئی ہے تو اسے کھوتا ہے کیا

خدا ہی دے رحم جس کے دل میں کرے وہ پورا سوال میرا
لگی تو روزی نہیں تو روزہ یہ مفلسی میں ہے حال میرا
اجل نئی بات کیا کرے گی جو گھر سے لے جائے گی لحد کو
کسی کے کوچے سے ہو چکا ہے ہزار بار انتقال میرا
کسی کی صورت نے دل کو چھینا کسی کی چتون نے جان لے لی
بھلا ہو الفت کی بے خودی کا بٹا لٹیروں میں مال میرا

جو آکے اس دم ہنسایا تم نے تو دل سے مجھ کو نہ شاد سمجھو
مری جبیں کی شگفتگی میں چھپا ہوا ہے ملال میرا
وہ عرض مطلب پہ تھا ہی برہم کچھ اور بگڑا جو چپ ہوا میں
وہاں ڈھٹائی تھی مجھ کو لازم، غلط پڑا انفعال میرا
بڑھی ہے یہ اس کی خود نمائی کہ ہاتھ آیا کبھی نہ مجھ کو
رہا ہے آوارہ شہر بھر میں گلی گلی احتمال میرا
غزل میں کیونکر نہ میرے خامے سے حسن کا رنگ شوق ٹپکے
کہ خوب رویوں کی صورتوں سے بھرا ہوا ہے خیال میرا

میں تجھ سے کچھ مانگ اٹھا تو غصہ کیوں مجھ پر آیا
پہونچا تو میں اس بدخو تک لیکن یہ تھا خوف سے حال
انساں کی حالت ہو مشابہ غنچہ و گل کی حالت سے
گھر سے نکالا سب نے مجھ کو میرے جنوں سے گھبرا کر
لطفِ جنوں کے ساتھ نکالی صورت حسن پرستی کی
کام پڑا کانٹوں سے اتنا مجھ کو دشتِ وحشت میں

دیکھے تیرے ہونٹھ تو میرے منھ میں پانی بھر آیا
اپنے گھر سے خشک گیا اور اس کے گھر سے تر آیا
مارے خوشی کے کھل گئیں باچھیں مٹھی میں جب زر آیا
میں گھر میں آیا تو گھر میں پتھر پہ پتھر آیا
لڑکوں کے دروازوں پر بیٹھ پھیروں پتھر بھر آیا
رفتہ رفتہ تلووں میں سر تک کا خون اتر آیا

شوق کا جذبِ الفت دیکھا آہو جو تو نے پالا ہے
مدفن میں جا کر آج اس کی گور کا سبزہ چر آیا

وصل کے وعدہ سے پھر کیوں یہ ستم ہونے لگا
ہو گئی شاید وہاں میری وفا بے اعتبار
یا گھٹی کچھ اس کی نخوت یا بڑھا کچھ صبر اے شوق

ہجر کی خو سے مرا درد اب تو کم ہونے لگا
ہر ستم کے بعد ہی عذرِ ستم ہونے لگا
ورنہ کیوں مجھ کو خیالِ شرحِ غم ہونے لگا

کیا چھپاؤں رازِ دل خط میں کہ بے قصدِ قلم
عاشقانہ میرا اندازِ رقم ہونے لگا

حیف اس کے قصرِ عالی تک نہ پہونچا دودِ آہ
جا کے چرخِ نیلگوں میں وہ تو ضم ہونے لگا

جوشِ الفت نے کیا ہے مجھ کو کتنا سادہ لوح
اس کے وعدے کا یقیں اب بے قسم ہونے لگا

سہو دیکھو شوق کا جو بھول کر لطفِ ستم
جا کے معشوقوں میں جو پائے کرم ہونے لگا

ہوئی یا مجھ سے نفرت یا کچھ اس میں کبر و ناز آیا
کبھی وہ مسکرا دیتا تھا اب اس سے بھی باز آیا

نیا فتنہ جو نکلا کوئی تو تعلیم دلوانے
زمانے کے اس کو پیشِ چشمِ فتنہ ساز آیا

بدلتی رہتی ہے ہر دم مری شکل اس قدر غم سے
گیا جب میں تو سمجھا وہ نیا اک عشق باز آیا

ہوئی دل کی خبر دل کو کہ وہ بدظن ہوا ورنہ
نہ ٹپکے اشک آنکھوں سے نہ منہ تک حرفِ راز آیا

بچایا درد سے مجبور کر کے ترکِ الفت پر
وہ آیا دل شکن بن کر تو گویا دل نواز آیا

ترے ہاتھوں شکستِ دل میں لطفِ دل نوازی ہے
یہ کیا کم ہے کہ پہلو تک ترا دستِ دراز آیا

مگر تازہ ستم کو وہ مری صحت کا خواہاں ہے
کہ کل زخمی کیا اور آج بن کر چارہ ساز آیا

غبارِ راہ نے آنکھیں ملانے دیں نہ دل بھر کے
وہ میرے گھر جو آیا دے کے چشمِ نیم باز آیا

ہوا ہے شوق میخانہ میں داخل کس تکلف سے
بچھانے کے لیے مسجد سے لے کر جا نماز آیا

شب کو محفل میں ستم ہی ہو گیا
مل کے شمعوں میں رخ اس کا کھو گیا

چھت ٹپکتی ہے مزارِ خام کی
کوئی ہمدرد آ کے شاید رو گیا

خلد ہونے کی یہی تو ہے دلیل
پھر نہ نکلا اس گلی میں جو گیا

ان حسینوں میں نہ جانا تھا مجھے
دل خدا جانے کہاں گم ہو گیا

خوب نکھرا آج ہیں صحرا میں شوق
سب بدن کی گرد بادل دھو گیا

چھائی حیرت بجت نے دونوں کو جب یکجا کیا
وہ مجھے دیکھا کئے اور میں انھیں دیکھا کیا

تم نہیں قائل ہو سوزِ غم سے جلنے کے تو پھر
کیا غذا اسنے سبے لہو میرا بدن سپیدا کیا

اس پہ نازاں ہوں کہ دیجوں بن کے آئے میرے پاس
مجھ پہ کیا احسان اس کا تم نے کام اپنا کیا

کیا بری ہے رسمِ مجبوری دیارِ عشق میں
میں ملا اتنا ہی جتنا اس نے استغنا کیا

در مقفل تھا تو کام آیا جنوں میں جوشِ اشک
سیل نے زنداں کی ہر دیوار میں رستا کیا

حشر برپا کر دیا تیرے فروغِ حسن نے
لا کے دروازے پہ ساری خلق کو یکجا کیا

وہ نہ آیا اور کوئی دونوں پٹ کھولے ہوئے
رات بھر بیٹھا ہوا در کی طرف دیکھا کیا

کیوں نہ بگڑے وہ کہ رکھا شانِ محبوبی پہ حرف
میں نے کیوں جورِ بجا پہ شکوۂ بیجا کیا

مجھ پہ کیوں رکھتے ہیں اے شوق اس قدر الزام لوگ
اک ذرا سی عاشقی کی در پئے کیا کیا کیا

میں عشق میں پابندِ مکاں ہو نہیں سکتا
کیا مجھ کو کسی دن خفقاں ہو نہیں سکتا

عاشق مجھے کیوں کہتے ہیں سب بڑے دی رخ سے
انسان کو شاید یہ گماں ہو نہیں سکتا

نازک ہی دماغ اتنا کہ میں صبحِ شبِ وصل
زحمت کشِ آوازِ اذاں ہو نہیں سکتا

انکار ہوں تب سے تو بدن دے گا مجھے گور
میں دوشِ احبا پہ گراں ہو نہیں سکتا

دانستہ نہ دیکھوں تجھے ممکن ہے یہ لیکن
بھولے سے بھی کیا میں نگراں ہو نہیں سکتا

کیا ناز اسی قدرت پہ ہے تجھ کو کہ الٰہی
کمسن ہو وہ اور آج جواں ہو نہیں سکتا

تقوے سے میں باز آیا کہ ساقی ہو میسر
ممنونِ وقارِ رمضاں ہو نہیں سکتا

بیداری ہجر اتنی گراں مجھ پہ ہے جتنا
خواب اُس کی جدائی کا گراں ہو نہیں سکتا

خط کون لکھے شوق کہ اشک اتنے رواں ہیں
کاغذ پہ قلم جتنا رواں ہو نہیں سکتا

مجھ کو یہ رونے کا لپکا اپنے گھر میں پڑ گیا
گرد دریا یہ چلا اور میں بھنور میں پڑ گیا

کتنا کھٹکا وہ جو دیکھا سامنے مجھ زار کو
کوئی تنکا جیسے چشمِ فتنہ گر میں پڑ گیا

فجر کے بدلے پڑھی فرقت میں مغرب کی نماز
اس قدر شبہ مجھے شام و سحر میں پڑ گیا

تیرے حُسنِ جاں ستاں کی لوٹ بازار ایسی پڑی
آج قحطِ زندگانی شہر بھر میں پڑ گیا

بچ کے وہ مجھ زار سے نکلا یہ کہتا طنز سے
آکے یہ کانٹا کہاں سے رہگزر میں پڑ گیا

شمع کی لو ہے کہ کو اُس شعلہ رُو کے کان کی
آبلے کی شکل کا دانہ کسر میں پڑ گیا

گور میں آکر ہوا ہوں شوق کیسا مطمئن
پاؤں پھیلا کر میں گویا اپنے گھر میں پڑ گیا

دھوکا خدا کو دے کے وہ محشر سے چل دیا
یہ چال کی کہ نام ہی اپنا بدل دیا

یہ خلفشارِ حشر کا متلی سے کم نہیں
کھایا پیا تمام زمیں نے اُگل دیا

فطرت بھی ہے حسیں کی لاکھوں لوں کا کام
اور اُس نے ایک دل مجھے روزِ ازل دیا

نرمی سے جور کر کہ نہ گھبرا کے پھیر لے
دل جس غریب نے تجھے پہلے پہل دیا

تیری گلی سے جا کے کہیں اور اب مروں
کھایا یہاں تو زہر نے لطفِ عسل دیا

دیکھے کوئی مجھے کہ کہیں وہ حسین نہوں
تلووں سے آج اُس نے کسی کو کچل دیا

کیا مبتلائے درد کیا ہے خدا نے شوق
چھوڑا دیا کہ دل مجھے زیرِ بغل دیا

یہ ظلم روکنے کا کیوں مجھ پر آج ہوتا — درباں ترا جو کوئی عاشق مزاج ہوتا

ان دلبروں سے کیوں کی سینے وفا کی خواہش — وہ بات چاہنا تھی جس کا رواج ہوتا

لطفِ جنوں بڑھاتے پاتے جو سلطنت ہم — کانٹوں میں صرف کرتے جتنا خراج ہوتا

وارستگی سے مجھکو بارِ گراں ہے ٹوپی — وہ بوجھ کون اٹھاتا سر پر جو تاج ہوتا

خاموش مر گیا **شوق** اب راز کون جانے
کوئی مرض بتاتا تو کچھ علاج ہوتا

سودے سے داغ داغ تنِ خستہ ہوگیا — کل تک بدن تھا آج یہ گلدستہ ہوگیا

طفلی کا کھیل حسن نے پایا کہ مرغِ دل — تارِ نگاہِ ناز سے وابستہ ہوگیا

دھوکا ترا سحر کو دیا آفتاب نے — مجھ کو گمانِ چہرۂ ناشستہ ہوگیا

فرقت میں ایک شب سے جو شب دوسری ملی — پیدا جوابِ ابروِ پیوستہ ہوگیا

مائل کیا جو رحم پہ اس کو تو دل سے میں — منت گزارِ خاطرِ شکستہ ہوگیا

شاید لگی اسی کی یہ آئی کہ خود بخود — رفتارِ تیز سے قدم آہستہ ہوگیا

زینت بڑھائی دیدۂ پرخوں سے میں نے **شوق**
پائے نظارا اس کا حنا بستہ ہوگیا

تمھیں غرور رہے جس سے وہ کام کس نے کیا — ہے سر میں درد اسے تھاما سلام کس نے کیا

ذرا سے شکوہ پہ محشر میں رو پڑے تم تو — ابھی تو دل میں ہے باقی تمام کس نے کیا

پکارا در سے سمجھتے یہ خطا مری لیکن — کھلے نہ در ترا یہ انتظام کس نے کیا

رسا ہوا مرا نالہ ضرور رہی ورنہ — ادا کسی سے کسی کا پیام کس نے کیا

خفا جو تم سے نہیں **شوق** تو تمھیں بولو

گلی سے جا کے لحد میں قیام کس نے کیا

وہ حالِ غم سُنا کیا چپ سُن کھڑا ہوا
دل کا معاملہ ہی ادھر بیں پڑا ہوا

آیا وہ فاتحے کو تو گھبرا کے گور سے
باہر نکل پڑا مرا مُردہ گڑا ہوا

آہا ترے شباب کا ثابت اسی سے ہے
پہلے مزاج نرم تھا اور اب کڑا ہوا

اللہ رے سوزِ اشک کہ دیدہ ہر آنکھ کا
ہے آبلہ سا راہِ نظر میں پڑا ہوا

ایسا کھلا میں شوق کہ چھوٹا تھا کل لباس
پہنا جو آج اُسی کو تو ہاتھوں بڑا ہوا

گیا جو لڑ کے تو غصہ مرا فضول گیا
میں اپنے آپ کو تیرے ہی گھر میں بھول گیا

ہوا ہے جا کے وہ خود دفن کھود کر اک قبر
تری گلی سے ابھی جو اُڑا کے دھول گیا

جو بہر فاتحہ تُربت کے پاس آیا وہ
خوشی یہ میرے بدن کو ہوئی کہ پھول گیا

ترے سڑی کو بس اب دُھن ہی کچھ چھپانے کی
نکل کے گھر سے کہیں ڈھونڈنے ببول گیا

پڑا ہے کام محبت کو کس تلون سے
خوش آیا جب ترے گھر شوق تب ملول گیا

جفا پہ شکر کا امیدوار کیوں آیا
مری وفا کا اسے اعتبار کیوں آیا

یہ دل کی بات ہے مُنہ سے ادا نہیں ہوتی
میں کیا کہوں کہ یہاں بار بار کیوں آیا

خیالِ پرسشِ محشر سے وہ ہوا مغموم
نظر کے سامنے میرا مزار کیوں آیا

کہاں وہ ہاتھ میں پاؤں حسین لڑکوں کے
سڑی نہیں تو شوق کو ہسار کیوں آیا

تڑپ تھی مر کے بھی، میت پہ شاید آیا وہ
نہیں یہ بات، تو دل کو قرار کیوں آیا

ہوا میں خاک تو وہ لڑ رہا ہے آندھی سے
کہ تیرے ساتھ مرے گھر غبار کیوں آیا

وہ انتظار کی لذت بھی لے گیا اے شوق
ہوا کے گھوڑے پہ ظالم سوار کیوں آیا

یہاں تو حشر کو بھولا ہوا ہی تیغ زن میرا
وہاں کیا ہو اگر منہ کھول دے زخمِ بدن میرا

گراں ہی غم سے جاں ایسی کہ ممنون کرم ہو کر
پہن لوں میں اگر کوئی ابھی سی دے کفن میرا

جنونِ عشق میں آوارہ ہوں گھر کیا بتاؤں میں
کہیں شاید اسی دنیا میں تھا پہلے وطن میرا

جسے معشوق سمجھا باوفا سمجھا ہی کیوں اس کو
گلہ کس کا کہ آیا میرے آگے حسنِ ظن میرا

وہ محبوبیت کا شبہہ تھا کہ باتیں اسنے کیں آکر
رہا تھا شب کو میرا ہی تصور ہم سخن میرا

وہی سب حرکتیں میری ہیں صرف اکنا م بدلا ہی
کبھی جو تھا لڑکپن اب ہی وہ دیوانہ پن میرا

ہرے ہو کر جنوں کے داغ رنگ لے شوق لائے پھر
ہوائے موسمِ گل چھو گئی شاید بدن میرا

کبھی پورا نہیں ہوتا وہاں قصدِ سخن میرا
وہ کھلنا کیا اگر حیرت سے کھل جائے دہن میرا

لے گیا مفت کے خیاط مجھ کو دشتِ وحشت میں
سیا ہی بارہا کانٹوں نے چاکِ پیرہن میرا

وہ ممکن ہو تو قاتل کے نمکدانِ ملاحت سے
نمک سے جتنی لذت چاہتا ہی زخم تن میرا

نقاہت دیکھنا ہی شمع پر فانوس کی پھبتی
بدن پر کس قدر ڈھیلا ہوا ہی پیرہن میرا

کیا دانستہ میں نے شوق کب اظہارِ شوق اس سے
کروں کیا میں کہ بول اٹھتا ہی اندازِ سخن میرا

اب آئینہ ہی اور رخِ خوب تمھارا
محبوب ہمارا ہوا محبوب تمھارا

جس چیز کو سب کہتے ہیں دلچسپ بہت ہی
ملتا ہی اُسی چیز سے اسلوب تمھارا

ٹکڑے مرے دل کے ہوئے قاصد سے یہ سن کر
چاک اُس نے کیا دیکھ کے مکتوب تمھارا

گھر بار مرا لے لیا سائل نے یہ کہکر — کچھ دو ہمیں مل جائے گا مطلوب تمھارا

کیں عشق کی باتیں تو کہا ہنس کے یہ اُس نے
شوق ایک یہی کام ہے معیوب تمھارا

کوئی مقام نظر آگیا جو بَن کا سا — کہا جنوں نے کہ یہ ہے مرے وطن کا سا
غلط کرم کی تمنا کہ تیرے خالق نے — دیا ہے دل بھی تجھے تیرے ہی دہن کا سا
پکڑ پکڑ کے بہت سانپ بیٹھے چھوڑ دیئے — ملا نہ کوئی تری زلفِ پُرشکن کا سا
پڑا میں شک میں نظر آیا جب مجھے تیغ — لباس سُرخ تھا تیرے ہی پیرہن کا سا
اگرچہ مل گئیں آنکھیں تجھے ہرن کی سی — یہ کیا ضرور کہ وحشی بھی ہو ہرن کا سا
پڑے تھے شب کو پتنگے بڑی کشاکش میں — اک اور نور بھی تھا شمع انجمن کا سا

ہیں دل سے کانوں کے بدلے اسے سنوں اے شوق
اگر سخن کسی شاعر کا ہو حسن کا سا

چور اگر آئے تو دیوانے کے گھر کیا نکلا — ایک چھوٹا سا گریبان کا ٹکڑا نکلا
آبلہ بادیہ گردی کے سبب کب ہے — سر سے سودا جو بھلا جا کے تہِ پا نکلا
دل کو چاہا تھا کہ منت کشِ امید ہو — وہ تو پر دردِ آغوشِ تمنا نکلا
آئے جینے کو تو نکلے ترے گھر سے مر کے — کام نکلا بھی تو تقدیر سے الٹا نکلا
میری تقدیر کہ یوں مر کے ہوئے خار نصیب — خشک ہونے کے لیئے گور سے سبزا نکلا
گھر سے نکلا جو میں دیوانہ تو بوسے لے لڑکے — دیکھو دیکھو یہ نیا ایک تماشا نکلا

لذت درد رہی شوق جنوں میں حاصل
رہ گیا زخم اگر پاؤں سے کانٹا نکلا

ہنسی میں کٹتا ہے دھوکے سے وقت رونے کا
دل شکستہ پہ شک ہے شگفتہ ہونے کا

وہ اور ہوں گے جو غم سے کبھی رہیں غافل
میں صرف کرتا ہوں رونے میں وقت سونے کا

مرے بدن پہ ہے گرد اور خاک پر ہے بدن
وہ ہے لباس کا ساماں یہ بچھونے کا

ملی ہے مجھ کو نہ اتنا ہے قرب کی عزت
گماں اسے مرے ہونے پہ ہے نہ ہونے کا

ہر ایک بات پہ کہتا ہے ہو کہاں تم آج
اسے گماں ہے اے شوق میرے کھونے کا

ہر بات تیری طنز ہے، ایسا بھی طور کیا
اپنے کی بات جی میں کھٹکتی ہے، اور کیا

اتنے تو لال ہو نہیں سکتے حنا سے ہاتھ
اب کیا کہوں کہ دیکھ رہا ہوں یہ غور کیا

لینے دیا نہ چین کبھی دور چرخ نے
دیکھوں دکھائے اب ترے دامن کا دور کیا

دلکش ہے کوئی چیز، مگر کون چیز ہے
آخر تمہارے حسن میں داخل ہے اور کیا

اس کا شباب اور کرشمے ستم ہیں شوق
ان کے سوا بتاؤں میں اسباب جور کیا

عیب میرے بخت برگشتہ کا جانے سے رہا
چین اگر ہے لطف کی شے تو میں پانے سے رہا

گو رلی سینے کہ ہمت جور اٹھانے کی نہ تھی
جس میں تم ہو دور جا کر اس زمانے سے رہا

خشک تنکے چند اور نالے مرے آتش فشاں
بچ گیا جو مرغ باہر آشیانے سے رہا

تم اگر آؤ تو آؤں تا کہ صدموں سے بچوں
یوں تو میں بے فائدہ آپے میں آنے سے رہا

حشر میں یہ تیرا احساں آئے گا تیرے ہی کام
مجھ پہ جو میرے جنازے کے اٹھانے سے رہا

ختم کی اس کی توجہ حیف میری موت نے
زندگی کو اس سفارش پر میں لانے سے رہا

خیر مصنوعی جنازہ ہی بنائیں میرا لوگ

بے ضرورت شوق میرے گھر وہ آنے سے رہا

ب

بتوں کے بدلے یہاں بس خدا کا نام ہے اب
میں ایسے کعبے سے گزرا مرا سلام ہے اب

ہے وعدہ شام کا اور ان سے اضطراب کے ساتھ
میں لڑ رہا ہوں سویرے ہی سے کہ شام ہے اب

سوا فراق کے دنیا میں کچھ نہیں حاصل
تمہیں کہو مرے جینے کا کون کام ہے اب

میں جل کے صورتِ اخگر بنوں گا خاک کا ڈھیر
یہیں لحد بھی بنے گی جہاں قیام ہے اب

ہزار بار میں اے جان مر چکا تم پر
مری حیات ہی کیا ہے برائے نام ہے اب

وہ مجھ کو دیکھ کے کہتے اٹھے یہ بالیں سے
کچھ اس کی نبض کا بگڑا سا انتظام ہے اب

رواج عشق کی دنیا کا دیکھ لو یارو
کہ پہلے شوق تھا آزاد اور غلام ہے اب

یہ ہے میرے خون سے اُس کے مکرنے کا سبب
کہہ دیا میں نے اجل کو اپنے مرنے کا سبب

کون یہ الزام رکھتا ہے کہ تم ہو بد مزاج
خود بخود پیدا ہوا ہے میرے ڈرنے کا سبب

آج ارادہ ہے کہاں کا یہ نہیں میں پوچھتا
ہاں سمجھتا ہوں کہ کچھ ہے اس سنورنے کا سبب

دل جلایا ہی نہیں تم نے تو کیا ہیں آبلے
میں کسی سے کیا کہوں ان کے اُبھرنے کا سبب

تنگ ہوں جی سے تو جس کوچے میں رہتے ہو حسیں
جا کے اب ڈھونڈوں ہوں میں اپنے مرنے کا سبب

رات بھر بگڑے رہے تیور سحر کو ہنس پڑے
کیا کہوں غصّے کے چڑھنے اور اُترنے کا سبب

دل تڑپتے ہیں تو کھل جاتا ہے جوڑا اُن کا شوق
ہے یہی کھل کھل کے بالوں کے بکھرنے کا سبب

پ

مانیئے گا کیا کسی کی زندگانی لے کے آپ
سامنے آئے ہی کیوں ایسی جوانی لے کے آپ

کہہ چلا کچھ حال اپنا میں تو بولا طنز سے
جائیے حضرت کہاں بیٹھے کہانی لے کے آپ

بہر محشر حسن گویا عشق کا مزدور ہی
چلیئے اب سر پر گناہِ جاں ستانی لے کے آپ

کیا چھپے راز آپ تنہا تو کہیں جاتے نہیں
جاتے ہیں ساتھ اپنے میری بدگمانی لے کے آپ

رشک سے آئے پڑا اللہ سے جب ہم کو کام
جائیے اب گھر کو اپنی مہربانی لے کے آپ

دردِ دل کیا جانے خود پیغام بر عاشق نہیں
جاتے ہیں ہم اپنا پیغام زبانی لے کے آپ

ہیں نئے عاشق وہاں پھر آپ کی کیا قدر شوق
روز جاتے ہیں یہی صورت پرانی لے کے آپ

آ کے جب جاتے ہیں مردہ چھوڑ کر جاتے ہیں آپ
جا کے جب آتے ہیں تو زندہ مجھے پاتے ہیں آپ

کیا جوانی آتے ہی سمجھے کہ میرے سامنے
آئینے میں دیکھ کر شکل اپنی شرماتے ہیں آپ

مر رہے ہیں ہم تو خود اُس پر یہ لاکھوں کو سنے
اک ذرا سی جان پر کتنے ستم ڈھاتے ہیں آپ

حُسن کی دولت کسی پر یوں نہ ظاہر کیجیئے
وہ بڑا ہی لالچی ہے جس کو دکھلاتے ہیں آپ

شوق کب سُنتا ہے اے ناصح یہ باتیں آپ کی
وہ تو دیوانہ ہے حضرت کس کو سمجھاتے ہیں آپ

ہوئے پائی نہ تو خاطر نہ مدارات کی بات
آ کے ٹھہرے مرے گھر میں وہ فقط بات کی بات

کیا کہوں اُس کے تلوّن کو میں جس کے گھر میں
دوسرے دن نہ رہی پہلی ملاقات کی بات

جب خوشامد میں کروں اور خفا ہوتے ہیں
وہ سمجھ جاتے ہیں پہلے سے مری گھات کی بات

میری آنکھوں سے ہی فرقت میں ہمیشہ بارش
پوچھتا ہی نہیں اب تو کوئی برسات کی بات

کوئی چرچا نہ کرے شوق کی مے نوشی کا
یوں بگڑ جائے گی اک مردِ خوش اوقات کی بات

چل پھر کے دکھاتی ہو وہ رفتار قیامت
ہوتی ہو بپا دن میں کئی بار قیامت

کچھ گھٹ گیا ہنگامے کا سامان اسی سے
ہو آپ کے وحشی کی طلبگار قیامت

چھوٹی نہ بنے کر کے قدِ یار سے دعوے
کیوں مفت میں ہوتی ہو گنہگار قیامت

دیکھوں کہیں وہ شوخ ٹہلنے نہ گیا ہو
اک غل ہو کہ آئی سرِ بازار قیامت

نادان بنے پیشِ خدا آکے وہ اے شوق
بے کار ہو دعوے مرا بے کار قیامت

ٹ

خود مجھ سے تو بدلی ہی نہیں جاتی ہو کروٹ
ہاں دل کی تڑپ ضعف میں بدلاتی ہو کروٹ

پہلو کا بدلنا ہو بہانہ پئے تسکین
پھر پھر کے مرے درد کو بہلاتی ہو کروٹ

بیمار کو تو چین نہ تھا ، اور وہ بولے
اتنا تو ابھی ہو یہ کہ لی جاتی ہو کروٹ

صدمہ ہو ادھر دل کا ادھر چوٹ جگر کی
پھرتی ہو جدھر درد نیا پاتی ہو کروٹ

سیدھا دلِ بیتاب نے لینے نہ دیا شوق
اب دیکھیے کیا رنگ نیا لاتی ہو کروٹ

ث

اس قدر خشک ہوا خونِ جگر کیا باعث
رو رہا ہوں مگر آنکھیں نہیں تر کیا باعث

چھپ گیا ہوں کسی معشوق کے دل میں شاید
نہیں ملتی جو مجھے اپنی خبر کیا باعث

آئی کیا اس پہ شبِ ہجر کی ظلمت غالب
شمع روشن نہیں آتی جو نظر کیا باعث

اس ہوا میں کہیں شامل نہوں میری آہیں — بہت اُڑتا ہی ترا پردہ در کیا باعث
یا تو وہ گھر میں نہیں یا میں ہوا ہوں مایوس — نہیں اُٹھتے جو قدم آج اُدھر کیا باعث
مُردنی چھائی ہوئی ہی مرے مُنہ پر شاید — کوئی رُخ پھیرے ہوئے ہی جو اُدھر کیا باعث

شوق کیا مرگیا بگڑا جو جنوں کا سب کھیل
لڑکے مکتب میں جو آتے ہیں نظر کیا باعث

ج

مے پر نہ برس پڑ، بہک اتنا بھی نہ تو آج — زاہد کوئی پی لے نہ کہیں تیرا لہو آج
دیکھو تو نئے پھول نہ گلشن میں کھلے ہوں — کیا ہی کہ ٹھہرتا نہیں دامن میں رفو آج
اس ضعف میں فریاد کی امید ہی کل تک — مشکل سے تو پہونچی ہی صدا تا بہ گلو آج
شیخ آیا ہی مسجد میں اُسی در کی طرف سے — سمجھا میں کہ بس ٹوٹنے ہی پر ہی وضو آج

کیا ہوگا اُسے آہ کا احساس اب اے شوق
یہ بھی مری تقدیر کہ چلنے لگی لُو آج

داغ اُس نے دئے ہیں یہ مدارات ہوئی آج — ٹکسال چڑھا میں یہ بڑی بات ہوئی آج
دیکھا ہی نیا ہجر کی دُنیا میں یہ اندھیر — دن تو نہ ہوا رات پہ پھر رات ہوئی آج
یوں مجھ سے ملا وہ کہ نہ ملتا تو بھلا تھا — گویا کسی دشمن سے ملاقات ہوئی آج
گلیوں میں پھرا اور نہ دیکھا کوئی معشوق — امّید میں ضایع مری اوقات ہوئی آج

محبوب سے مل کر میں نکالوں گا اے شوق
حسرت سے مجھے فکر مکافات ہوئی آج

نادم ہی میری طنز سے اپنی جفا پر آج
ایسی کہی کہ چھا گئی اُس بے وفا پہ آج

نالوں سے پا رہا ہوں میں تسکین قلب کچھ
شاید کسی کے کان ہیں میری صدا پر آج

گستاخ کہئے مجھ کو، مگر یہ نہ پوچھئے
اُفتاد کیا پڑی ہی کسی کی حیا پر آج

مدت کے بعد شان تغافل کو زک ملی
وہ مسکرا رہا ہی مری التجا پر آج

محشر میں خوب داد ملی جورِ حسن کی
نادم ہوا میں چھوڑ کے تیرے خدا پر آج

کچھ کہہ سکے میں خجل نہ ہوا اُس کے سامنے
نازاں ہوں اپنی خاطرِ بے مدعا پر آج

آتش فشاں ہوئے مرے نالے ضرور شوق
طائر کوئی نظر نہیں آتا ہوا پر آج

ح

جنوں میں خار ہی یہ تیری گفتگو ناصح
پھٹے میں پاؤں عبث دے رہا ہی تو ناصح

تری سنوں کہ میں باتیں سنوں حسینوں کی
کہیں وہ تجھ سے زیادہ ہیں خوش گلو ناصح

ہٹایا چاہنے والوں کو بد مزاجی سے
ہی ناصحوں سے کہیں بڑھ کے تیری خو ناصح

قسم خدا کی میں مانوں تری نصیحت کو
جو کر سکے تو حسینوں کو زشت رو ناصح

بہم ہی ضد تو بدل جائیں ناصحا دونوں
نہ آج سے میں جنوں شوق اور نہ تو ناصح

د

ہی پر کترنے کی ناحق تجھے ہوس صیاد
رہوں گا میں تو محبت سے بے قفس صیاد

چمن سے صبر ہی مجھ تک ہوا تو آنے دے
نہ بستنی کو مرے پنجرے پہ کس صیاد

قفس میں میری طرح تتلیوں کو بھی کر بند
یہ چوس لیتی ہیں میرے گلوں کا رس صیاد

گلوں کی یاد میں نالہ نکل گیا منھ سے — خطا معاف ہو دل پر نہیں ہے بس صیاد

مجھے تو یاد نہیں کچھ یہ شوق کہتے ہیں
کہ پھول کھلتے ہیں گلشن میں ہر برس صیاد

سبزہ رنگوں پر لہرائے۔ شوق کریں وہ تنگ تو پھر؟
بھنگ کا کھانا سہل ہے، لیکن موجیں لائیں رنگ تو پھر؟
ٹھان تو لی ہے آج جھگڑ کر اُس سے وعدہ لینے کی
لیکن معشوق اور پھر بدخو کر بیٹھے وہ جنگ تو پھر؟
لڑکے تو سب شہر میں ہیں، یہ گلیاں چھوڑ نہ اے وحشت
جنگل بھی اک چیز ہے۔ لیکن ہاتھوں میں سنگ تو پھر؟
کہنے کو تو یوں ہے بہت کچھ، کہتے جب کچھ بن بھی پڑے
عشق جتانا سہل ہے لیکن آئے اس کو ننگ تو پھر؟
کل تو کہیں کھو آئے دل، آج اپنے آپ کو کھو بیٹھے
یہ تو بتاؤ ایسے ہی ہیں شوق تمھارے ڈھنگ تو پھر؟

روح کو آج ناز ہے اپنا وقار دیکھ کر
اُس نے چڑھائیں تیوریاں میرا مزاج دیکھ کر
قصد گلہ نہ تھا مگر حشر میں جوش شوق سے
ہاتھ مرا نہ رُک سکا دامنِ یار دیکھ کر
دیکھ کے ایک بار انھیں دل سے تو ہاتھ دھو چکے
دیکھئے کیا گزرتی ہے دوسری بار دیکھ کر
آتے ہیں وہ تو پہلے ہی رنج سے صاف ہو رکھو
آکے کہیں پلٹ نہ جائیں دل میں غبار دیکھ کر
وصل سے گزرے اے خدا ہاں یہ شگون چاہیے
صبح کو ہم اُٹھا کریں روئے نگار دیکھ کر

آنکھیں ہیں آئنے پہ وا چاک ہو جیسے پیرہن
خود وہ جنوں زدہ ہوئے اپنی بہار دیکھ کر

کعبے کو جا نہ شوق ابھی نیّت زندگی بخیر
ہم بھی چلیں گے تیرے ساتھ اب کی بہار دیکھ کر

بھول گیا میں اپنا قتل، دامنِ یار دیکھ کر
مجھ کو بھی لطف آ گیا اُس کی بہار دیکھ کر

شرع کے پردے میں اسے ڈھا کے مٹا کے دم لیا
بن گئے حق پرست وہ میرا مزار دیکھ کر

خون سمجھ نہ اے جنوں درد کے ہیں یہ لالچی
ٹپکی ہے آبلوں کی رال دشت کے خار دیکھ کر

دیکھ کے دل کے داغ و زخم لایا لڑکپن اُس کا رنگ
لینے کو وہ مچل گیا نقش و نگار دیکھ کر

چاہتا ہوں کہ کم نہ ہو لذّتِ گرمیِ جنوں
آگ سے تاپتا ہوں میں تپ کا اُتار دیکھ کر

اپنا بنایا اُس کو آج سینے بڑے فریب سے
غیر کا نام لے دیا ایک مزار دیکھ کر

اُن کی گلی سے راستا میرے جنازے کا تھا شوق
دل سے تو کیا وہ آئے ساتھ ہم دیار دیکھ کر

ہوا ہے وصل میسّر مجھے فنا ہو کر
کہ روح اُس کے بدن سے ملی ہوا ہو کر

تم اُٹھ کے بیٹھ نہ جاتے تو بس قیامت تھی
وہ رہ گئی قدِ آدم ابھی بپا ہو کر

سزا ہے اور چڑھاؤ سر اپنی چوٹی کو
یہ اب تمھارے ہی پیچھے پڑی بلا ہو کر

جدھر سنو یہی غل ہے کہ لو لگی اُن کو
ستم کیا ہے مری آہ نے رسا ہو کر

ہوسے باغ کو سینچوں کہ اُس کے ہاتھوں تک
پہونچ ہی جائیں گی کچھ پتّیاں حنا ہو کر

کیا ہے حُسن نے قید آئنے کے گھر میں اُنھیں
سزا کو خوب وہ پہونچے ہیں خود نما ہو کر

حرم کی راہ میں میخانہ مل گیا شاید
وہ آئے شوق خدا جانے کیا سے کیا ہو کر

کیا فقط دست درازی ہوئی پیراہن پر
کھال بھی دستِ جنوں نے نہیں چھوڑی تن پر

ضعف سے دم نہیں مجھ میں تو ادب خاک کروں
میں تو لیٹا ہوں وہ بیٹھے ہیں مرے مدفن پر

بے تکلف تھی کچھ ایسی کہ بڑے شوق کے ساتھ
پانوں پھیلا کے چھری لیٹ گئی گردن پر

جس جگہ بوند گری جل کے وہیں چھید ہوا
آگ اشکوں سے برستی ہے مرے دامن پر

مجھ کو عریاں کیا برسات نے آ کر اے شوق
تھا فقط پیراہنِ خاکِ جنوں ہی تن پر

روز وہ چڑھ کے برس جاتے ہیں میرے گھر پر
ہے مثل سچ کہ زبردست کا ٹھینگا سر پر

سن لو اے میرے جنازے کے اٹھانے والو
اب کے کاندھا جو بدلنا تو اسی کے در پر

نوک میں کتنی ہے لذت یہ نہ پوچھ اے فصّاد
خون کی رال ٹپکتی ہے ترے نشتر پر

صبح کو کاش مری قبر پہ پھینکو او کفین
رات کو پھول جو بچھواتے ہو تم بستر پر

اس کے دل پر نہ ہوا خاک اثر رونے کا
پڑ گیا آج تو پانی مری چشمِ تر پر

میرے اور شمع کے جلنے میں بڑا فرق یہ ہے
وہ مرے دل میں ہے جو آگ ہے اس کے سر پر

مدتوں رہتا ہے مثلِ ورقِ گل رنگیں
شب کو سو جاتا ہے اے شوق وہ جس بستر پر

کاکلوں سے عارضی اس کا شباب آیا نظر
گھونگھروں سے حسنِ رخ یا در رکاب آیا نظر

یا تو مے پی یا ہے غصہ یا ترقی پر ہے حسن
یا رخ اس کا چاند تھا یا آفتاب آیا نظر

دل کے لالچ سے لگا کر تیر کھینچا تھا مگر
جل گیا جب سیخ میں اس کو کباب آیا نظر

آئے تھے لینے کو دل سمجھے کہ ہے اس گھر میں شراب
عشق کا کل سے جو دل کا پیچ و تاب آیا نظر

وہ نہانے کو لبِ دریا گیا تو عکس سے
قدِ آدم نخلِ مرجاں زیرِ آب آیا نظر

حسن سے شاید سبق لے گا کہ اُس کے روبرو
آئنہ کھوئے ہوئے اپنی کتاب آیا نظر

ہجر میں اے شوق بیداری کا عالم کیا کہوں
خواب میں بھی میری آنکھوں کو نہ خواب آیا نظر

موت آگئی اب آئے تو کیا دو گے تم آکر
کچھ نیند نہیں ہے کہ جگا دو گے تم آکر

بنتی ہے مری قبر ابھی در پہ نہ آنا
آؤ گے تو کچھ دور ہٹا دو گے تم آکر

بے خود ہوں تو مانوں گا نہ یوں ہوش میں آنا
مانوں گا جو دامن کی ہوا دو گے تم آکر

شب کو مری تربت پہ چلے بن کے حیادار
بس شمع کے دشمن ہو بجھا دو گے تم آکر

میں جرم محبت پہ ندامت سے مروں گا
آؤ نہ کہ جینے کی سزا دو گے تم آکر

میں تم کو مسہری پہ لٹاتا ہی رہا ہوں
کیا مجھ کو لحد میں نہ لٹا دو گے تم آکر

محشر میں کھڑا ہوں میں سمجھ بوجھ کے آنا
اب لاش نہیں ہوں کہ دبا دو گے تم آکر

پوری ہو وصیت تو اُٹھے میرا جنازہ
کیا ہوگا اگر ہاتھ لگا دو گے تم آکر

اچھا ہے اگر شوق کی میت پہ نہ آؤ
سوتے ہوئے فتنے کو جگا دو گے تم آکر

آنکھوں میں شکل جاناں گھبرائی ہے جو آکر
بہلا رہی ہیں پلکیں چٹکی بجا بجا کر

یوں ہی پہاڑ کاٹوں ایسا سڑی نہیں میں
لڑکوں کو بانٹتا ہوں پتھر وہاں سے لا کر

وحشت میں اے خدا دے ہاتھوں کو زور اتنا
پھینک آؤں دور گھر سے دیوار کو اُٹھا کر

حاصل ہوئی یہ عزت مجھ کو تمہارے گھر میں
جو میرے بعد آیا بیٹھا مجھے ہٹا کر

عاشق سمجھ گیا وہ اب آئی میری شامت
دل کو سنبھالنا تھا اُس کی نظر بچا کر

ایسا ہوں اُس کے ڈر سے ڈوبا ہوا عرق میں
آیا ہوں میں کہیں سے گویا ابھی نہا کر

جانے کو کہہ کے ناحق دوڑاتے ہو مجھے تم
کیا ہو جو حشر کے دن نکلے وفا کی صورت

اڑوں گا میں ابھی تو آخر یہاں سے جا کر
وعدہ کرو تم اُس سے دو چار دن بڑھا کر

کہہ دے یہ کوئی اُن سے سنتے ہیں شوق اونچا
باتیں تم اُن سے کرنا مُنھ کان سے ملا کر

ہم بھی ہیں دونوں پر جو وہ ہیں اُمنگ پر
وہ سو رہے ہیں اور پتنگے سمجھ کے شمع
غصے نے تیرے حُسن میں پیدا کیا یہ عیب
پچکی میں ہے خدنگ ابھی اور شوق نے
شک ہے کہ تم گراؤ گے خط باندھ کر کہیں
ان بد دماغیوں نے سڑی کر دیا سبھے

دونوں تُلے ہوئے ہیں برابر کی جنگ پر
چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے ہیں پلنگ پر
گہرا چڑھا یا رنگ رُخِ نیم رنگ پر
مجھ کو اُٹھا کے پھینک دیا ہے خدنگ پر
غصہ چڑھا ہوا ہے تمہارے تتنگ پر
سر کو پٹک نہ آؤں کسی در کے سنگ پر

دل دور سے دکھا کے پھروں گھر کی سمت شوق
یوں رفتہ رفتہ لاؤں اُسے اپنے ڈھنگ پر

دیکھی یہ سیر کھیل کے الفت میں جان پر
پوری ہوئی ہے عشق کی منت کہ اپنا نام
ایسی نظر ملائی کہ بولائیں حشر میں
دل پڑ گیا کشاکش اُمید و بیم میں
راضی کرو تم اب بھی مجھے ورنہ میری آہ
سمجھی گئی جنوں کی زٹل سرگزشت عشق

میلا لگا ہوا ہے ہمارے مکان پر
ہم نے چڑھا دیا ہے تمہاری زبان پر
ہے فیصلے کا حصر انھیں کے بیان پر
در پر کبھی نظر ہے کبھی پاسبان پر
کہتی ہے کچھ بھی ہو پہنچ کے نویں آسمان پر
کیا حاشیہ چڑھا ہے مری داستان پر

اس رشک سے لکھا نہ کبھی میں نے شوق خط

آئے گا اُس کا نام قلم کی زبان پر

بن سنور کر ہو گئے محبوب سے محبوب تر
پہلے تو ایسا نہ تھا اب تیرے عہدِ حسن میں
سبزہ رنگوں کی بہارِ حسن ہی نظروں کی جان
تم کھنچے جتنے مری رغبت بھی اُتنی ہی بڑھی

آج تو تم اپنی صورت سے بھی ہو کچھ خوب تر
زندگی معیوب ہی اور موت ہی معیوب تر
لوٹتی ہیں اُس پہ آنکھیں ہوتی ہی جو دوب تر
اور سوچو اب کوئی طرزِ کشش مرغوب تر

اُس نے تو سُرمہ لگایا اور میں سمجھا یہ شوق
میری شکلِ نزع پہ ہیں دیدۂ محبوب تر

جھگڑوں کے سوا اس سے کچھ امید نہیں اور
کم ہاتھ لگے ہیں ابھی ٹکڑے مرے دل کے
کم بخت میں کانٹوں کے سوا خاک نہیں ہی
بدلوں گا ضرور اُس کو وفا جس میں نہ ہو گی
چلائی زباں، اُس کی گلی میں تو میں بولا
امیدِ وفا کس سے شباب آنے پہ رکھوں

دنیا سے میں باز آیا، چلا جاؤں کہیں اور
جس گھر میں وہ رہتا ہی پڑے ہونگے وہیں اور
دنیا کی زمیں سے ہی مرے گھر کی زمیں اور
چاہوں گا تمھیں، تاڑ کے دو چار حسیں اور
چپ رہ کہ ابھی تو مجھے رہنا ہی یہیں اور
آج اور ہو اُس دن نظر آؤ گے تمھیں اور

بُت خانے سے فرصت نہیں پاتی یہ جبیں شوق
مسجد کو میں جاؤں جو ملے ایک جبیں اور

بوچھار ہی بیداد کے شکووں کی کسی پر
ہی قدر شناس اتنی مری چشم تمنا
دامن نظر آئے تو کسی کا - کہ گلی میں
دیوار ہی کو گھر میں نہ رکھ تو کہ اسی نے

افسوس ہی اے دل تری کم حوصلگی پر
ہو سو میں حسیں ایک تو پڑتی ہی اُسی پر
مدّت سے تُلے بیٹھے ہیں ہم بے ادبی پر
آمادہ کیا ہی مجھے راحت طلبی پر

بے پردگیِ حسن ہے الزام کے قابل — کیوں کوسنے پڑتے ہیں مری بدنگہی پر
اس کو بھی سمجھ لو کہ اک اندازِ جنوں ہے — ناحق ہے مسرت کا گماں میری ہنسی پر

آنے کی ضرورت ہی اجل کو نہیں اے شوق
ہے مطمئن اتنی وہ مری بے خبری پر

سرمے سے بلا کوئی ضرور آئے گی ہم پر — آنکھیں تری دونوں ہیں کمر بستہ ستم پر
گزرا ہے گلی سے کوئی کرتا ہوا سجدے — اک نقشِ جبیں ہے ترے ہر نقشِ قدم پر
تو عذر کا خوگر ہے تو میں خوش ہوں ستم سے — اک لطف نیا ملتا ہے ہر عذرِ ستم پر
روحوں میں بڑھا عشق سے یہ زور کہ آخر — قبضہ ترے کشتوں نے کیا مُلکِ عدم پر

اے شوق کوئی آکے مرے دل کی خبر لے
کیا آہ میں ہے آج کہ بن جاتی ہے دم پر

فریاد اور تجھ کو ستمگر کہے بغیر — مانوں نہ حشر میں ترے منہ پر کہے بغیر
دیکھو یہ رنگ رُخ کا شگوفہ کہ میرا عشق — ظاہر ہوا ہے کہنے سے بڑھ کر کہے بغیر
منہ دیکھتا ہی رہ گیا، کہنے کو جب گیا — پلٹا ہیں حالتِ دلِ مضطر کہے بغیر
پکڑو مری زبان تو صورت سے ہوشیار — کھولے گی راز یہ سرِ محشر کہے بغیر
اُکسا کے آج میں نے کہا اُس سے اپنا شوق — تسکینِ دل ہوئی نہ مکرّر کہے بغیر
سُننے کو تم کہو تو مرے دل کی ایک بات — برسوں سے پھر رہی ہے زباں پر کہے بغیر
کرتا ہے ہر سوال پہ محبت کی مشق وہ — کوئی جواب ہی نہیں کیونکر کہے بغیر
معشوق ہے تو کتنا ہی بدتر ہو اُس کا جور — بنتی نہیں ہے بات ہی بہتر کہے بغیر
مانا کہ دل شکن تھیں سرِ بزم پھبتیاں — لیکن نہ رہ سکا کوئی مجھ پر کہے بغیر

میں یہ سمجھ گیا کہ وہ گھر میں نہیں ہے آج
درباں نے خود ہی کھول دیا در کہے بغیر

کیا کیا کہے ہیں شعر حسینوں کے وصف میں
کیا شوق ہو گیا ہے سخنور کہے بغیر

بعد کو ڈالی ہے نظر سینے ترے شباب پر
مشقِ نظارہ پہلے کی صفحۂ آفتاب پر

بوجھ سے پُرعرق ہوئی اون کی جبینِ نازک آج
رنگ کچھ اس قدر چڑھا چہرۂ پُرعتاب پر

مان رہا ہوں خود کہ میں تم سے شکست کھا گیا
شوخیٔ حسن کو ہے فوق عشق کے اضطراب پر

چھو لیا دامن اون کا آج اس پہ وہ کاٹتے ہیں ہاتھ
عذرِ جنوں نہ چل سکا جرم کے ارتکاب پر

خواب سے وہ اٹھے تو شوق اُن کی ادا یہ بول اُٹھی
صدقے ہزار پیچ و تاب کاکلِ نیم تاب پر

صیاد کاٹنے پہ ہے قینچی منگا کے پر
لے جا نسیم تو ہی چمن تک اُڑا کے پر

باندھے ہوئے ہے ایسی ہوا آہِ آتشیں
طائر نکلتے ہیں مرے گھر سے بچا کے پر

تو بندۂ خدا ہے تو صیاد انھیں نہ نوچ
ظالم! دئے ہوئے ہیں یہ تیرے خدا کے پر

پھرتے ہیں یوں زمیں پہ لئے ہم کو ولولے
جیسے اُڑائیں مرغ کو اوپر ہوا کے پر

پتھر پہ سر فقیر کہاں تک دھرے رہیں
تکیہ بناتے ایک جو ملتے ہما کے پر

تُل تُل کے کیوں یہ کرتے ہیں صیاد کو خفا
خواہاں ہیں کیا قفس میں ہماری قضا کے پر

آیا وہ چھپ کے ادھر فلک کو ہے اتنی ضد
قدرت جو ہو تو شب کو اُڑا دے لگا کے پر

میرا جنوں ہی کیا ہے شگفتہ بہار سے
بلبل بھی گل کی شاخ پہ بیٹھی پھُلا کے پر

موئے مژہ حسینوں کی آنکھوں پہ ہیں کہ شوق
بیٹھے ہیں مرغ پر کے برابر جما کے پر

اسے وصل کی شب صبح کا ڈر جائے تو کیونکر
ہر پھر کے جو تو ہی مرے گھر آئے تو کیونکر

میں ناز کو کہتا نہیں، لیکن یہ بتا دو
دے جس کو خدا حسن وہ اترائے تو کیونکر

دل اور کھلونے میں بڑا فرق ہے - لیکن
نادان ہے ضدی ہے کوئی سمجھائے تو کیونکر

گھونگھر ہیں کہ تاریک کنوئیں راہِ نظر میں
دل ڈھونڈ کے زلفوں سے کوئی لائے تو کیونکر

ہو جاتی ہے ہر روز ترقی سے نئی شکل
تصویر وہ اس حُسن پہ کھنچوائے تو کیونکر

ہو رات خطا پوش مگر وہ تو ہیں روپوش
موقع جو خطاؤں کا کوئی پائے تو کیونکر

تم دونوں ادائیں مجھے دکھلاؤ کہ کوئی
شرمائے تو کیونکر جو نہ شرمائے تو کیونکر

یوں کہتا ہوں در پردہ تبسم کو میں اُس سے
تیوری جو چڑھی ہے یہ اُتر جائے تو کیونکر

وعدہ کیا تو فکر اُسے حیلے کی ہے اسے شوق
اور اپنے کیے پر کوئی پچھتائے تو کیونکر

کرشمے لاکھوں، ادائیں لاکھوں، میں اُن کو پہچان پاؤں کیونکر
اُڑا لیا دل کسی نے لیکن وہ کون ہے؟ - یہ بتاؤں کیونکر

جو آئے غصہ تمھیں تو آئے، یہ دل کے آنے کا ماجرا ہے
جو چاہے دل تو میں آؤں لیکن نہ چاہے دل تو میں جاؤں کیونکر

وہ میری ہیئت پہ ہنس رہا تھا - گلہ کیا تو بگڑ کے بولا
ہنسی جو ضد کر کے لوٹ جائے تو میں لبوں سے ہٹاؤں کیونکر

تم اپنی جانب نہ کچھ سمجھنا - ہے صرف اک بات اسے بتا دو
کہ سخت مشکل ہے جس کا پانا، اُسے جو پاؤں تو پاؤں کیونکر

جو مجھ کو ملتا مرا مقدر تو شوق اُس سے یہ پوچھتا میں

نہ ہونے دوں کس طرح پرایا اُسے میں اپنا بناؤں کیونکر

تنگیِ جا سے زمیں ساری ہی گویا اک انار — مثل دانوں کے بھرے ہیں تیرے کشتے بے شمار
کیوں نہ سودائی ہوں لوگوں کے دماغ اُس زلف سے — ہر گرہ جس زلف کی ہو نافۂ مشکِ تتار
تم نہ آئے اور ہو جیسے سفیدی طاق کی — یوں ہوا صرفِ تحیّر نورِ چشمِ انتظار
تو نہ جا باہر کہ تیرا حسن وہ صیّاد ہی — جس کے پاس آتا ہی خود شوقِ اسیری سے شکار

شوق مجھ کو کیا ضرورت ہی جنوں میں وحشت کی
خود ہوں اپنے رونگٹوں سے ایک نخلِ خاردار

شیریں سخنی چاہی تو بگڑا یہ سُنا کر — طوطی کہیں مل جائے تو پالو اُسے جا کر
محفل سے اُٹھاتے ہو اگر مجھ میں کہاں ہی — جان اتنی کہ میں جسم کو لے جاؤں اُٹھا کر
تضحیکِ مکرّر کا ارادہ ہی کہ اُس نے — پھر مجھ کو بٹھایا مرے دامن کو دبا کر
تنہائی کے قیدی ہیں کہ ہیں شرم کے پابند — چوری کی سزا پا گئے وہ منھ کو چرا کر

تقدیر ہی اُلٹی تو یہ تدبیر ہی اے شوق
ملنے کے عوض اُس سے نہ ملنے کی دُعا کر

ژ

طوطی سے نہ نکلی جو اِس انداز کی آواز — طوطے سے اُڑے سُن کے تری ناز کی آواز
میں لاکھ کہوں ایک نہیں سُنتا ہی ظالم — کانوں میں بھرے بیٹھا ہی غمّاز کی آواز
تو بات کرے کان میں اور دل پہ لگے تیر — ہی تجھ میں نئی قسم کے اعجاز کی آواز
دیکھے نہ تو کس طرح کروں شکل سے واقف — رنگت میں نہیں ہوتی ہی پرواز کی آواز

اے شوق مرے گھر میں فقط نوحۂ غم ہی

ناساز ہی کانوں کو یہاں ساز کی آواز

س

کاش اجل آئے کہ اب اُٹھتا نہیں نازِ نفس
بد دماغی سے گراں ہی مجھ پہ آوازِ نفس

اس قدر دنیا کے جھگڑوں سے ہوا شوقِ گریز
ہر نفس خود ہو گیا ہی بالِ پروازِ نفس

تشنہ کامی نے کیا ہی بندِ راہِ حلق کو
کس طرح انجام تک پہونچے گا آغازِ نفس

جا کے کوئی اُن کو دے آئے مرا اتنا پیام
ہچکیاں اب ہو چلی ہیں رخنہ اندازِ نفس

زندگی کا سلسلہ جو کچھ تھا وہ کچھ بھی نہ تھا
بعد مرنے کے کھلا اے شوقؔ یہ رازِ نفس

دل کہاں باقی رہا ہی ہم سے بیچاروں کے پاس
اُس کے ٹکڑے ہوں تو ہوں شاید ستمگاروں کے پاس

یہ تشفی کم نہیں ہی کچھ غریبوں کے لئے
پوچھ لیتے ہیں وہ اکثر آکے بیماروں کے پاس

یا الٰہی عفو کر دے تو حسینوں کے ستم
کیا ندامت کے سوا ہی ان گنہگاروں کے پاس

گھر میں ہی وہ بے مروّت اور باہر کچھ غریب
بیٹھے ہیں تھامے ہوئے سر اُس کی دیواروں کے پاس

دیکھ کر دل اور جگر میرا وہ یہ کہہ کر ہٹے
کیا اٹھاتے ہو مجھے اے شوقؔ انگاروں کے پاس

ش

وارفتگیِ عشق میں باقی نہ رہے ہوش
ہستی مری مجھ کو ہوئی اک خوابِ فراموش

کافی نہیں دو کان ترے لطفِ سخن کو
پیدا نہ ہوا حیف میں ہو کر ہمہ تن گوش

ٹھہرایا غلط یوں گلۂ ہجر کو اُس نے
ہیں دل میں ترے اور ہو دل تجھ سے ہم آغوش

ہو فاصلۂ شام و سحرِ وصل میں اتنا
جتنا شبِ کاکل سے ہو تا صبحِ بناگوش

کر سکتی نہیں غیرتِ عشق اِس کا تحمل
ہیں تجھ سے جُدا اور فرشتے ترے ہمدوش

ماتم کی علامت میں بنا سر سے قدم تک
ہو جاتی ہے ہر شے مرے سائے سے سیہ پوش

میں چُپ ہوں جو اے شوق تو یہ ضبط ہے ورنہ
سو شکوے خموشی میں لئے ہیں لبِ خاموش

ط

ظالم سے میں نے عشق کیا اور کیا غلط
مجھ پر جفا بجا۔ ترا عذرِ جفا غلط

ہمت ستم کی فرطِ نزاکت سے پست ہے
یعنی تمھارا حیلۂ خوفِ خدا غلط

مائل کیا ہے اُس کو تغافل سے جور پر
نالہ مرا رسا بھی ہوا تو ہوا غلط

میں نے بنایا لفظِ ادا ہر کتاب میں
ٹھہرا تمھارے عہد میں لفظِ قضا غلط

لے کر چلا ہوں اُس کے گھر امید و بیم شوق
دیکھوں گلہ صحیح ٹھہرتا ہے یا غلط

غ

کہہ رہی ہیں یہ زبانِ برگ سے گلہائے باغ
وہ سڑی ہے آج کل ہوئے جنوں جس کا دماغ

بے ترے گلزار نے دیکھا ہے کیا روزِ سیاہ
وا ہوا ہر غنچۂ گل صورتِ منقارِ زاغ

عشق کی سرگرمیاں ہیں رونقِ بزمِ حیات
داغ جس دل میں نہیں گویا وہ گھر ہے بے چراغ

ہیں یہی ناخن تو حاصل ہی رہے گا لطف زخم
عمر بھر کے واسطے کافی ہی مجھ کو ایک داغ

جسم پر دیکھے جنوں کے داغ تو بولا وہ شوخ
خیر سے اے شوق تم تو آج کل ہو باغ باغ

ف

سن کے کچھ شاید وہ آ نکلے مرے گھر کی طرف
سر اُٹھا کر دیکھتا ہوں نزع میں در کی طرف

عشق بازی کا بُرا ہو میں منافق ہو گیا
لب پہ شکوہ اور دل ہی اُس ستمگر کی طرف

تم نہ آئے شب کو تو پٹی کے پیچھے بیٹھ کر
صبح تک دیکھا کیا میں اپنے بستر کی طرف

مر رہا ہوں میں مگر اب بھی چھپا آنکھوں سے وہ
پاس آیا بھی تو بیٹھا ہی مرے سر کی طرف

دل میں کچھ سمجھا کہ وہ کہتا ہی مجھ سے روزِ حشر
میرے گھر آؤ کہاں جاتے ہو محشر کی طرف

کس قدر تیرا ادب ہی یہ مرے گھر سے سمجھ
پشت ہی کعبے کی جانب در ترے گھر کی طرف

اُس کا خط لایا جو قاصد تو بڑھا یوں دست شوق
ہاتھ بیعت کو بڑھے جیسے پیمبر کی طرف

روح مائل تھی پسِ مرگ اس قدر تیری طرف
خلد کی جانب قدم تھے اور نظر تیری طرف

پائنتی آ کر ادب تو دیکھ لے تربت میں بھی
لاش پلٹا کھائے اور ہو جائے سر تیری طرف

میری تیری قسمتوں میں بٹ گیا رنگِ جہاں
شام میری سمت رہتی ہی سحر تیری طرف

کیا ترے پہلو میں بیٹھوں لے کے خوفِ کشتہ رہ
یا تو دل تیری طرف ہو یا جگر تیری طرف

شوق بیٹھا ہی تری چوکھٹ پہ دل تھامے ہوئے
رحم کے قابل ہی ہو جس کا گزر تیری طرف

ق

ہو گئی چوک دل اُس بُت سے لگایا ناحق
ہاتھ پتھر کے تلے ہم نے دبایا ناحق

کس دن آیا تھا ترے گھر میں بتوں سے پھر کر
مجھ پہ الزام وہ رکھتے ہیں خدایا ناحق

کرکے خاطر مری کیوں حوصلہ افزائی کی
یوں گھٹانا تھا تو پھر دل کو بڑھایا ناحق

اُس کی آنکھوں سے جو لڑ بیٹھی تھیں آنکھیں میری
مفت پس جاتے کو دل بیچ میں آیا ناحق

کہیں ایسا نہ ہو حسرت اِس کو کرے اور یہ وہ
شوق اندازِ وفا اُس کو سکھایا ناحق

ک

ہے کہاں کیا یہاں پہونچے گا میری زندگانی تک
وہ پہونچا پندرہ برسوں میں بچپن سے جوانی تک

چھوڑایا جان سے کر تم نے مجھ کو ہجر کے غم سے
تمھیں اللہ پہونچائے حیاتِ جاودانی تک

کروگے سیر کیا تم تشنہ کامانِ محبت کو
چھُری ایسی نکالی ہے نہیں ہے جس میں پانی تک

تمھارے عہد تک رہتی زلیخا تو خجل ہوکر
ہوس کو نقشِ اول سے وہ لاتی نقشِ ثانی تک

نہ آہیں کھینچ سکتا ہوں نہ اُس کو کھینچ سکتا ہوں
یہ سب کم زوریاں ہیں میرے زورِ ناتوانی تک

ترسنے کی مصیبت کب تلک اے اللہ جھیلوں میں
لڑکپن ہی میں پہونچا دے اُسے تو نوجوانی تک

ہے روزِ حشر شوق ایک اور جھگڑے زندگی بھر کے
خدا بیٹھا سنے گا کیا تمھاری قصہ خوانی تک

وہ پہونچائے اُسے کیونکر حسینوں کے مکانوں تک
نہ پہونچے آہ جس کی ضعف سے خود اُس کے کانوں تک

میں کچھ کہتا نہیں لیکن بہت کچھ خلق کہتی ہے
خموشی میری پہونچی شہر والوں کی زبانوں تک

دلوں کو وہ کہیں پامال کر ڈالیں نہ غصے میں
ابھی تک خیر ہے نیت ہے اُن کی صرف جانوں تک

تمھیں محفل میں اوروں کی طرح مجھ سے بھی ملنا تھا
جو تم شرما کے چھپے بات پہونچی بدگمانوں تک

یہ حسن و عشق مل کر سیکڑوں فتنے اُٹھاتے ہیں
الٰہی تو پہونچنے دے نہ اِن کو نوجوانوں تک

ترے بیمار کی حالت نے کیا اچھی ترقی کی
طبیبوں سے گزر کر پہونچی ہے اب نوحہ خوانوں تک

گئیں اس طرح روحیں شوقؔ اپنے مرکز کو
پہونچ جاتی ہیں چڑیاں اُڑ کے جیسے آشیانوں تک

گ

دل جو ذکرِ لیلیٰ و مجنوں سے بہلاتے ہیں لوگ
سامنے تم سا ہے پھر کیوں دور کیوں جاتے ہیں لوگ

اور تیرے کوچہ گرد دل کو کہاں روح بے نصیب
دھوپ سے کچھ اپنے چہروں پر چمک لاتے ہیں لوگ

بڑھ کے گانے سے مزے کی ہیں تمھاری گالیاں
شہر بھر سے اِن کو سُننے کے لئے آتے ہیں لوگ

حُسن کو وہ حُسن سمجھیں تو میں سمجھوں اُن کی بات
خود سمجھتے ہی نہیں اور مجھ کو سمجھاتے ہیں لوگ

قحط سے بالکل نڈر ہے تیرے دیوانوں کا شہر
کیا وہاں غلے کا غم پتھر جہاں کھاتے ہیں لوگ

جان ہی لے لی تو ناکافی رہی پاداشِ عشق
یہ تو کم ہے جرم سے جتنی سزا پاتے ہیں لوگ

اور کیا ہے تیرے مفلس چاہنے والوں کے پاس
تجھ کو دیتے ہیں جتنی زندگی لاتے ہیں لوگ

اُس کے ساتھ اُس کے در و دیوار سے بھی عشق ہے
گھر میں گھسنے بھی نہیں پاتے مگر جاتے ہیں لوگ

دیکھنا شوخی کہ وہ بولا چھپا کر منہ کو شوقؔ
اب میں دیکھوں دل کو کس صورت سے بہلاتے ہیں لوگ

شاکی نہیں یہ گرچہ ہے تیری جفا سے تنگ
جان آگئی ہے اس دلِ صبر آزما سے تنگ

ممکن ہوا بھی وصل تو ممکن نہ ہو سکا
سو بار ہو چکا ہوں میں خوفِ خدا سے تنگ

خلوت ہوتی کاشش کہ دونو پہ پٹ گئی
تم ہو ہوس سے تنگ تو میں ہوں حیلے سے تنگ

گھڑیوں میں چاہتا ہے یہ برسوں کے ربط کو
وہ کیوں نہ ہوں مرے دلِ زود آشنا سے تنگ

میں نے کیا تمام گداؤں کو بے نصیب
بھرے بنے ہیں ہو کے وہ میری صدا سے تنگ

یہ مدّعا ہے اب کہ میں بے مدّعا بنوں
اتنا ہوا ہوں کوششِ ہر مدّعا سے تنگ

ڈھونڈھوں کہاں کہاں لُسے یہ لکھنؤ ہے شوق
اتنا وسیع کیوں ہے یہ ہوتا بلا سے تنگ

ل

دے رہی ہے نشہ جوانی خودسری کو آج کل
اپنے آگے وہ نہیں گنتے کسی کو آج کل

حُسن اب ہے عشق کا جویا کہ دن میں لاکھ بار
جھانک کر وہ دیکھ لیتے ہیں گلی کو آج کل

ملنے والے چھوڑتے جاتے ہیں کج رو جان کر
جا رہے ہیں ہم دیارِ بے کسی کو آج کل

جس ستمگر نے کیا لاکھوں تمنّاؤں کا خوں
یاد کرتی ہے تمنّا پھر اُسی کو آج کل

کھو کے حیرت نے کیا مجھ کو خوشی سے نا اُمید
مُنہ مرا ڈھونڈھے نہیں ملتا ہنسی کو آج کل

مرنے والوں کا تماشا دیکھتے پھرتے ہیں وہ
زندگانی کا مزہ ہے جاں کنی کو آج کل

عاشقِ روئے کتابی ہیں کہ شوق اشعار میں
بھرتے ہیں رنگِ جنابِ مصحفی کو آج کل

م

لیتے تھے ہم رند اسی کا ڈرتے ڈرتے کل تک نام / آج نہیں محتسب اب ہی اُترا شحنہ مردک نام
ان کی اُلٹی مت تو دیکھو لوگ بھی کیا دیوانے ہیں / نغمہ ہی یہ میرے جنوں کا جس کا رکھا ہی جھک نام
عام نصیحت ناصح کی تھی لے لی اپنے سر ناحق / جوش میں آکر لے بیٹھا میں اُس ظالم کا اچانک نام
باتوں باتوں تو نے اُس کا نام لیا سو بار ابھی / ایک نہ مانوں میں اے ناصح تو جپتا ہی بے شک نام
کہتے سُنتے جھوٹی شہرت شوق ہوئی ہی دنیا میں / جس کو قسمت سمجھا میں در اصل اُس کا ہی کالک نام

جی بھر کے عاشقی میں برباد ہو چکے ہم / لے دے کے ایک دل تھا اُس کو بھی کھو چکے ہم
جو حال شمع کا ہی وہ حال ہی ہمارا / جلتے تھے ہم میں آنسو جل جل کے رو چکے ہم
سوز کو لے قیامت کچھ دیر گرم رکھ تو / دامن ذرا اُٹھا لیں جس کو بھگو چکے ہم
وحشت میں تیرے گھر سے پہونچے نہ اپنے گھر تک / تیرے ہی جب نہیں ہیں تو اپنے ہو چکے ہم
فرقت میں شب نہ آئے وقت اُس کا ہوگا ضائع / بے چینیاں یہی ہیں تو آج سو چکے ہم
دیکھو جنوں کہ گھر کب جنگل میں یاد آیا / تلووں میں جب ہزاروں کانٹے چبھو چکے ہم
آنکھیں ملا کے اُس سے امیدِ زندگی کیا / اے شوق اپنے حق میں بس اب تو بو چکے ہم

اُس کی آنکھیں دیکھ کر ایسے ہوئے بیمار ہم / قبر کا مُنہ جھانک آئے ہیں ہزاروں بار ہم
ایک دل کا عشق تیرے حُسن کو کافی نہیں / کاش اس دنیا میں آتے لے کے دل دو چار ہم
رُخ ہوا کا اُس کے گھر کی سمت شاید ہو کبھی / آہ کرنے اپنے گھر بیٹھے سرِ دیوار ہم

کام وحشت کا نہیں چلتا ہی گھر سے لے جنوں
اب تو جنگل تک بڑھائیں اپنا کاروبار ہم

پوچھنے آئے ہمارا حال سو سو بار وہ
اُتنے ہی اچھے رہے جتنے ہوئے بیمار ہم

جائیں معشوقوں میں سود ڈھونڈنے جہاں ہی عشق کے
گھر میں بیٹھے ہیں جوانی کے لئے بے کار ہم

فرض کرلیں کچھ نہ ہونا ہر تمنا کے لئے
شوقؔ کیا آسان ہی سمجھے جسے دشوار ہم

کھلے گا راز مری جان غم کو ٹالو تم
نہ روؤ اب مرے مرنے پہ خاک ڈالو تم

اجل تو دیر سے آئی ہی لیکن آنکھوں نے
چُرائی جان اس امیّد پر کہ آلو تم

پلٹ کے آؤں نفس کی طرح اُسی دم پھر
ہزار بار جو گھر سے مجھے نکالو تم

میں ذکرِ غیر سنوں کیوں اگر تکلّف ہو
ضرور کیا کہ مجھے راز داں بنالو تم

میں ناتواں ہوں یہ تھمتا نہیں مرے تھامے
بڑھا کے ہاتھ مرا دل ذرا سنبھالو تم

میں بزمِ غیر میں آتا ہی کیوں - گر آیا
کہ مجھ کو دیکھ کے جھینپو تو مُنہ چھپالو تم

چلا جو لڑکے تو اُلٹا چلا میں رستے بھر
خیال یہ تھا کہ شاید مجھے بُلالو تم

دل اُس کے سامنے لے جاؤ ایک ناصح
سلام جُھک کے کروں میں جو پھر بچالو تم

کڑی ہی چوٹ محبت کی روؤ گے اے شوقؔ
یہ ستم نہیں ہی کہ چُپکے سے اس کو کھالو تم

یا تو مجھ سے بدگماں ہو یا تو شرماتے ہو تم
کہتے کہتے کچھ زباں اپنی دبا جاتے ہو تم

میں بھی بن کر باوفا پاتا ہوں اُتنا ہی مزہ
مجھ سے بن کر بے وفا جتنا مزہ پاتے ہو تم

نور کی کثرت سے شب کو چھپ نہیں سکتا ہی راز
بول اُٹھتا ہی گھر اُس کا جس کے گھر جاتے ہو تم

سچ جو کہنا ہو تو وعدے کے لئے کافی ہی ہاں
اور شک بڑھتا ہی قسمیں جس قدر کھاتے ہو تم

انتظارِ حشر ہی گویا تھا را انتظار — عمر گزری ہے یہی سنتے کہ اب آتے ہو تم
مجھ سے سب کہتے ہیں یہ آنسو ہیں یا چنگاریاں — ابر برساتا ہے پانی آگ برساتے ہو تم

ہے یہی رونا تو مچھلی بن کے دریا میں رہو
جس کے گھر جاتے ہو اے شوقؔ اُس کا گھر ڈھاتے ہو تم

ظالم کی جفا کم نہ مرا دردِ جگر کم — ہے لاگ برابر کی اُدھر کم نہ اِدھر کم
کچھ شان خدائی کی نہ گھٹ جائے الٰہی — شبِ ہجر کی ہو جائے اگر چار پہر کم
ہیں داغ ہزاروں جگر و دل فقط ایک ایک — گُل نخلِ تمنّا میں زیادہ ہیں ثمر کم
نازک ہیں تو میں دل کا لہو آج بہا دوں — ممکن ہے کہ لے جائیں وہ ہو وزن اگر کم
میں تیر سے بچتا ہوں تو کہتا ہے وہ ہنس کر — ڈرتے ہو کہ ہو جائے گا تھوڑا سا جگر کم
جو وصل میں تھی ہجر میں وہ چال نہیں ہے — دیتا ہے نفس اب مجھے جینے کی خبر کم
تم رُخ نہ دکھاؤ مجھے۔ تم قد نہ دکھاؤ — گلزار جہاں میں ہیں نہ گل کم نہ شجر کم

ممکن ہے کہ اس چال سے گھرا نہ ہو پر وہ
اُن سے یہ کہو۔ شوقؔ کو آتا ہے نظر کم

کاہے کو سمجھ بوجھ کے آتے مرے گھر تم — کیا بھول کے رستا نکل آئے ہو اِدھر تم
آئینے کا مشتاق ہوا حُسنِ جوانی — اب وقت وہ آیا ہے کہ لو اپنی خبر تم
چھپ کر بھی کہیں جاؤ تو کھل جاتا ہے پردہ — اک چاند نکلتا ہے نکلتے ہو جدھر تم
آگ اپنے پرائے کی سمجھ کچھ نہیں رکھتی — بیٹھو نہ مری جان جدھر دل ہے اُدھر تم
آئینے میں ہو لطف نظارے کا زیادہ — کچھ دیر کو لے لو مری آنکھوں سے نظر تم
بدخو سہی۔ نازک ہو، تو شب ہو گی نہ ضائع — اتنے تو نہیں ہو کہ لڑو چار پہر تم

کیا میل ہو دونوں میں جو آہیں نہ تلف ہوں / کاشش اپنے خدا سے مجھے دلواؤ اثر تم
ملنے کو جو آئے ہو تو آنسو مرے پونچھو / ہاں بیچ میں سیلاب اِدھر میں ہوں اُدھر تم

منہ شوق کی جانب جو پھیرے ہوئے بیٹھے
پہچان گئے آج محبت کی نظر تم

دیکھ کر دونوں کی شکلیں کر چکے ہیں غور ہم / ایک سانچے کے ڈھلے دونوں ہیں مجنوں اور ہم
کیا خلل ڈالا نزاکت نے ہمارے لطف میں / تم میں اُتنے کب ہیں جتنے چاہتے ہیں جو ہم
ایک چرخِ فتنہ گر کا دور کس گنتی میں ہے / جھیلے بیٹھے ہیں جنوں میں سر کے صدہا دور ہم
جی چرائیں گر بلائے اسے اجل اللہ بھی / ہاں بلائے وہ تو جائیں اُس کے گھر فی الفور ہم

گر جنوں ہم سے کہیں ملتا مجسّم ہو کے شوق
تو سکھا دیتے اُسے اپنے جنوں کا طور ہم

اپنے سر کس لئے الزامِ جفا رکھو تم / میں تو کہتا ہوں جوانی کو چھپا رکھو تم
کیا ضرورت ہے یہاں سحر زباں بندی کی / نگہِ ناز کو محشر پہ اُٹھا رکھو تم
شہرتِ حسن بھی ہو دل بھی تمھارا پہلے / ہم سے دو چار کو دیوانہ بنا رکھو تم
دل مرا تم سے ملا ہے تو کہاں کا محشر / چاہو لے جاکے ابھی پیشِ خدا رکھو تم
مجھ کو ڈر سے جو اُٹھانا ہے تو سامان کے ساتھ / میرے احباب کو پہلے سے بلا رکھو تم
میں نے قبر اپنی زمیں ہی کے برابر رکھی / بھولے چوکے کبھی شاید کفِ پا رکھو تم

حشر میں غم کی شہادت کو ضرورت ہوگی
شوق کچھ خوں ابھی آنکھوں میں بچا رکھو تم

نہ آئے تم اور اکیلے گھر میں سزا محبت کی پا چکے ہم / نہ ایک ہنستا بھلا نہ روتا۔ یہ ہجر میں آزما چکے ہم

جو شوق اٹھانے کی بڑھ گئی ہے تو سہل ہے ہم کو دل اٹھانا
بہت جفا نے اُسی گلی سے اُٹھے ہیں جن کو اُٹھا چکے ہم

عبث ہے اُمیدِ رحم اُن سے کہ وہ تو معشوق بن کے بیٹھے
سمجھ کے عاشق ہمیں تسلّی وہ دے چکے اور پا چکے ہم

کہا خموشی نے حال اُن سے تو رنگ نے اُڑ کے دی شہادت
ہزار کہنے سے بڑھ کے ہے یہ کہ اپنی صورت دکھا چکے ہم

ڈریں نہ الزامِ قتل سے وہ۔ ثبوت سب ہو چکا ہے غائب
بدن پہ تھے جتنے زخم اُن کو لحد میں چھپ کے چھپا چکے ہم

ہزار ہا بُت ہیں خوبصورت مگر دلِ اتنے ملیں کہاں سے
مِلا تھا دل صرف ایک ہم کو سو ایک بُت پر چڑھا چکے ہم

ہُوا جو اے شوق آج حاصل یہی تخلّص کا مدّعا تھا
غزل سُنائی جو آج اُس کو تو شوق اپنا جِتا چکے ہم

مجھی پہ تم مجھی سے گِلہ کہ شکوہ ستم کا کرتے ہو تم
یہ طنز ہے پھر کہ عشق غلط۔ یہ کہتے ہو کیوں مرتے ہو تم

جو لاش پہ آکے بھی وہ ذرا تو ناز کے ساتھ ہنس کے کہا
کہاں کا ارادہ آج کیا کہ بنتے ہو تم سنورتے ہو تم

عبث ہے یہ آرزو کہ مجھے تمہارے کرم کا لطف ملے
نظر کو بدل کے دیکھتے ہو کبھی جو اِدھر گزرتے ہو تم

یہ فاتحے کا بہانہ غلط جفا مرے جسمِ زار پہ ہے
دَباتا ہے اب بھی مدِ نظر کہ ہاتھ لحد پہ دھرتے ہو تم

ہُوا ہے ارادہ بھاگنے کا جو نزع میں گرا شوق کا منہ
بہانہ یہ مل گیا ہے تمھیں کہ دیکھ کے شکل ڈرتے ہو تم

مل کے ہوئے جو آشنا ہم سے نظر نظر سے ہم
کٹ کے ہوئے جُدا جُدا ہم سے جگر جگر سے ہم

کہتے ہیں میرے اشک اِدھر اور لختہائے دل اُدھر
ملتے ہیں آب و تاب میں ہم سے گُہر گُہر سے ہم

جل کے کبھی ہیں با فروغ بجھ کے کبھی سیاہ بخت
رکھتے ہیں ساز و سوز میں ہم سے شرر شرر سے ہم

کہنے لگے ہیں اُن کے گال ناز سے آتے ہی شباب
حُسن میں مل گئے ہیں اب ہم سے قمر قمر سے ہم

غم میں یہ لطف ہے کہ شوق کہتے ہیں نالہائے عشق
دُور ہی دُور بس رہیں ہم سے اثر اثر سے ہم

ن

وہ ترس کھا کر جو دل سے مجھ حزیں کی سی کہیں
لب نمک پروردہ اُن کے ہیں اُنھیں کی سی کہیں

گالیوں میں اُن کے لب اُن کی زباں سے مل گئے
بات پڑنے پر سب اپنے ہم نشیں کی سی کہیں

ہم ہیں چکّر میں کہ دل ایک اور طالب سو حسیں
کس حسیں سے مُنھ چرائیں کس حسیں کی سی کہیں

خون دھو ورنہ مرا دعوے سے باز آنا فضول
دیکھنے والے جو رنگِ آستیں کی سی کہیں

کچھ نہیں دزدیدہ نظروں کی جفاؤں کا ثبوت
کیا کہوں میں سب جو چشمِ شرمگیں کی سی کہیں

چھن گیا دل اور کچھ بولوں تو مُنھ کی کھاؤں میں
جتنے دل والے ہیں زلفِ عنبریں کی سی کہیں

وہ ہمارے خون سے مُکریں تو ہو اے شوق لطف
ہم ملائیں ہاں میں ہاں اُن کی نہیں کی سی کہیں

اب حشر میں کیا اُس کو پریشان کروں میں
مُنھ دیکھ رہا ہے کہ کچھ احسان کروں میں

رسّی سے جنوں میں مرے ہاتھوں کو نہ باندھو
ممکن ہے کہ چاک اپنا گریبان کروں میں

وہ آئیں عیادت کو تو روکوں اُنھیں کچھ دیر
چُپ لیٹ کے مر جانے کا سامان کروں میں

تم سیر کو نکلو تو کسی اور کا کیا ذکر
مشکل سے خدا کو بھی نگہبان کروں میں

کیا دل کی حقیقت کہ تری شان پہ اے بت
کعبہ بھی جو مل جائے تو قربان کروں میں

ہمّت مری کہتی ہے کہ بڑھ عشق سے آگے
جی میں ہے خدائی کا ارمان کروں میں

دیوانہ نہیں ہوں کہ پھروں دشت میں اے شوق
گھر ہی کو نہ کیوں کھود کے میدان کروں میں

وہ آگ ہجر میں بھڑکی کہ گھر میں تاب نہیں
یہاں نہیں تو جہنم میں بھی عذاب نہیں

نہیں ہے داغ مرے دل کا داغ - یہ کیا خوب
تم آفتاب کو کہہ دو کہ آفتاب نہیں

چلا ہوں تیسرے فاقے میں آج پینے کو
حرام مجھ پہ تو لے شیخ اب شراب نہیں

نہ جس میں آہ نہ دیوانہ پن نہ دامن چاک
وہ زندگی کے لئے ننگ ہے شباب نہیں

جنوں میں اُٹھتی ہیں نازک مزاجیاں کس کی
مجھے تو اپنی ہی کج بحثیوں کی تاب نہیں

وہ آج اگر مری بے تابیوں کے منکر ہیں
تو کل کہیں گے کہ بجلی میں اضطراب نہیں

جو تم کہو تو تمہارے ہی گھر میں سو لوں آج
ہے میرے گھر میں تو وہ رات جس میں خواب نہیں

ملیں جو شیخ تو سے جا کے بُتکدے میں کہوں
خدا کے گھر میں بھی یہ چیز اے جناب نہیں

ہوئے ہیں شوق تب غم سے کتنے خشک آنسو
بکھر رہے ہیں یہ دانے سے ان میں آب نہیں

کیا کیا خفت ہوتی ہے جب سے طعنے ہم پر پڑتے ہیں
اُن سے تو کچھ بس نہیں چلتا اپنے دل سے لڑتے ہیں

کھیل رہا ہوں الفت میں امید و بیم سے کیا کیا کھیل
لاکھوں نقشے میرے دل میں بنتے اور بگڑتے ہیں

وصل کا دن آبادی کا ہے، ہجر کا دن ویرانی کا
گھر تیرے دیوانوں کے یوں بستے اور اُجڑتے ہیں

اُس کے رُخ تک پہنچیں کیونکر بند ہے رستا اشکوں سے
نظریں کچھ پیراک نہیں اور دریا بیچ میں پڑتے ہیں

لاکھ بہانے ہیں باغوں کی اور ایک سخن سازی اُن کی
جب باتیں کرتے ہیں تب پھول اُن کے منھ سے جھڑتے ہیں

ضعف میں بھی رہتے ہیں مشغول اپنے جنوں کے کام میں ہم
چلنا پھرنا مشکل ہے تو بیٹھے پاؤں رگڑتے ہیں

وہ کوچہ جنت تو نہیں ہے لیکن ہے یہ وصف لے شوق
سیدھے جنت کو جاتے ہیں جتنے اُس میں گڑتے ہیں

رنگ لاتا ہے رُخ اُن کا وہ جدھر جاتے ہیں
عکس سے پھول سرِ راہ بکھر جاتے ہیں

ظلمتِ ہجر کا ڈر کتنا سمایا دل میں
اپنی پرچھائیں سے ہم دن کو بھی ڈر جاتے ہیں

ایک غصہ ترا اُترا نہ کسی دن ورنہ
جتنے دریا ہیں وہ سب چڑھ کے اُتر جاتے ہیں

برہمن صبح کو سورج کی پرستش بھولے
روز منہ دیکھنے اُس شوخ کے گھر جاتے ہیں

جتنے دن ہم کو جنوں میں نہیں ملتے کانٹے
اُتنے دن عمر کے سب بے کار گزر جاتے ہیں

تیرے عشاق کا مرنا بھی کس آرام کا ہی
جیسے سو جاتے ہیں یہ ویسے ہی مر جاتے ہیں

صورتِ سایہ ہی اے شوق ہماری رفتار
جتنے ہم چڑھتے ہیں اُتنے ہی اُتر جاتے ہیں

اُڑ جاتی ہی سب رنگت اوسان بگڑتے ہیں
آگے ترے گالوں کے گل کان پکڑتے ہیں

وہ لڑ کے گئے ہم سے تو کچھ نہ چلا قابو
بیٹھے ہوئے اب گھر میں دیواروں سے لڑتے ہیں

آنکھ اُن کی پڑی جس پر دل چھین لیا اُس کا
بس ہاتھ پکڑتے ہی پہونچا وہ پکڑتے ہیں

کیا رشتۂ الفت بھی کمزور نکل آیا
ہر وقت وہ تن تن کر ہنسنے سے اُکھڑتے ہیں

داغوں کے کھرنڈ اکثر گرتے ہیں مرے تن سے
ہنگام خزاں پتّے جس طرح سے جھڑتے ہیں

گڑتے نہ تو یہ عاشق تشہیر کے کام آتے
مٹّی کے تلے لاشے بے فائدہ سڑتے ہیں

اے شوق گلستاں میں کیا فصل بہار آئی
خود ٹوٹ کے سب ٹانکے زخموں کے اُدھڑتے ہیں

جنوں کے واسطے تنکے کہاں کانٹے کہاں سر میں
کہیں سے لا کے جنگل کوئی رکھ دیتا مرے گھر میں

پڑی ہی اُن کو فکر ایسی جوابوں کی کہ کہتے ہیں
یہیں تم مجھ سے کہہ دو جو تمھیں کہنا ہی محشر میں

قسم کھاؤ کہ آؤں گا لحد پر ورنہ لکھ دوں گا
جگہ اب تک تمھارے نام کی خالی ہی محضر میں

کہاں تک لوگ تدبیریں کریں میرے جتانے کی
میں معشوقوں پہ مرتا ہوں ہزاروں بار دن بھر میں

ازل تک جب پہونچوں تو عوض لوں بیوفائی کا
لکھا لاؤں وہیں سے میں تجھے اپنے مقدر میں

سزا ہی یہ کہ بیٹھا ہو لئے دور ان سر ظالم
ملا دل جس سے پڑی کار رکھ لیا زلف معنبر میں

جنازہ میرا شاید شوقؔ اسی کوچے سے نکلے گا
کہ دل تھامے کبھی وہ بام پر ہیں اور کبھی در میں

جلن کی انتہا میں کیا بتاؤں ہجرِ دلبر میں
لہو کا نام ہی اور آگ دوڑی ہی بدن بھر میں

بنایا قید خانہ گھر کو میری بے قراری نے
جہاں دیوار میں در تھا وہاں دیوار ہی در میں

ہوا جب قتل تب میں ور وہ دونوں نہ تھے واقف
کہ زندہ ہو کے میرا خون خود بہہ نکلے گا محشر میں

کیا زاہد نے ذکر حشر تو میرا جنوں بولا
میں پل بھر میں دکھا دوں جو وہاں ہونا ہی دن بھر میں

نزاکت نے کیا اتنا مشابہ پھول سے اُس کو
کہ مشکل ہو گیا پہچاننا پھولوں کے زیور میں

نہیں کچھ خوف شوقؔ اہلِ ہوس کی کامیابی کا
خدا ناکردہ کیا عیبِ وفا ہی اُس ستمگر میں

آتے جاتے لوگوں سے پلکوں کے اشارے ہوتے ہیں
آپ تو رستا چلتے میرے حق میں کانٹے بوتے ہیں

دل کے افسردہ ہوتے ہی آیا پسینا اعضا پر
جیسے کوئی مرتا ہی تو گھر والے سب روتے ہیں

بھولے بھولے سے رہتے ہیں جب سے ہم نے عشق کیا
روز حسینوں کے گھر جا کر اپنے آپ کو کھوتے ہیں

اب تو تیرے از خود رفتہ رہتے ہیں اس حالت میں
بیٹھے بیٹھے ہنستے ہیں اور بیٹھے بیٹھے روتے ہیں

جیتے جی ہی عشق کی آفت چین نہیں ہی نیند نہیں
قبروں والے خوب رہے جو چادر تانے سوتے ہیں

بے ہوشی سے ہوش میں آکر رُٹے ہم تو بولا وہ
پہلے تو یہ سوتے تھے اب سو کے اُٹھے منہ دھوتے ہیں

ایسا ہی دل کچا تھا تو عاشق ہونا فرض نہ تھا
رو کے کیا ہیں عشق کی عزت آپ ہی شوقؔ ڈبوتے ہیں

وصل کے وقت اُس کی سب بے پروائیاں کھو چکیں
جتنی میری عمر کی راتیں تھیں پوری ہو چکیں

اب سپیدی آگئی چھوٹا نظر بازی کا عیب
رنج کے دھبے اپنی بدنامی کے آنکھیں دھو چکیں

تو ہوا دشمن تو کھٹکے اپنی ہی آنکھوں میں ہم
کاوشیں تیری ہمارے حق میں کانٹے بو چکیں

کم سے کم تم میرے گھر میں زندگی بھر تو رہو
سب تمنائیں مری کیا آج پوری ہو چکیں

گریۂ فرقت نے مستغنی کیا ماتم سے شوق
میری آنکھیں موت سے پہلے ہی مجھ کو رو چکیں

تنکے جو کسی دن ہیں تو دیوار کسی دن
بیٹھا نہ جنوں گھر میں بھی بیکار کسی دن

تنہائی میں کوئی نہیں جو صلح کرائے
میں تجھ سے لڑوں گا سر بازار کسی دن

گھر سے نہ نکل تو مگر اس بات کو سن لے
اک قبر بنے گی پس دیوار کسی دن

کچھ سوئیاں تلووں کے لئے رکھ لے جنوں تو
شاید نہ میسر ہوں تجھے خار کسی دن

رستا کہیں سوجھے تو اسے دیکھنے جاؤں
منھ صبح کا دیکھے تو شب تار کسی دن

زندہ مجھے گاڑو تو میں احسان بھی مانوں
مرنے پہ کرو ہی گے یہ بیگار کسی دن

برسوں ہمیں اُن گالیوں پہ فخر رہا شوق
قسمت سے اگر مل گئیں دو چار کسی دن

بیٹھ تو چھپ کے بہت پھول ہیں گلزاروں میں
ایسے کیا لعل لگے ہیں ترے رخساروں میں

دل کو پہلو میں ٹٹولو تو پھپھولا پاؤ
یہ وبا پھیل گئی ہے ترے بیماروں میں

سیر کو آپ جو نکلے تو نجومی بولے
ایک چاند اور بڑھا آج سے سیاروں میں

اے جنوں آگ تری گرمروی نے بھر دی
میرے تلووں میں ہیں کانٹے کہیں انگاروں میں

اک ذرا منھ سے جو کی میٹھے لبوں کی تعریف
لکھ لیا اُس نے مرا نام نمک خواروں میں

لاکھ باغوں کے گلوں کو یہ کفایت کرتا
رنگ جو صرف ہوا ہے ترے رخساروں میں

رونے دیتا نہیں ہمسایہ یہ کہہ کر مجھ کو
شوق مرنے لگا پانی مری دیواروں میں

کیا جنوں خیز بہار آئی ہے گلزاروں میں　　بلبلیں چاک دکھانے لگیں منقاروں میں
جیتے جی خاک ہو ہوتا میں تو اپنی مٹی　　صرف کرتا کسی معشوق کی دیواروں میں
رنگ کو چہرۂ ہستی سے اُڑا دیتا عشق　　لی پناہ اُس نے مگر حسن کے رخساروں میں
صبح تک کرتے ہیں چلا کے ترے نام کا ذکر　　زہر پھیلا ہے شب ہجر کے بیداروں میں
زعفراں زار مرض ہو نہیں سکتا کافی　　فرح زردی کا بہت ہے ترے بیماروں میں
کھا مرا زہر تو خود مجھ کو ہوئی قدر اپنی　　ماتمی رنگ سے ہوں اپنے عزاداروں میں

اُس کی لکنت سے کشاکش میں ہے اقرار اے شوق
بات سیدھی سی پڑی سیکڑوں تکراروں میں

عاشق اُس کا کوئی نہ سمجھے آج ایسی اگھات کروں　　پہلے سب سے بولوں چالوں پھر اُس سے کچھ بات کروں
قید میں ہے بیکار جنوں بیٹھا ہوں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے　　جھاڑ دکی سینکیں ہی رکھ دو جنہیں صرف اوقات کروں
دل کی سردی آہ کی سوزش اور آنکھوں کے اشکوں سے　　چاہوں جاڑا چاہوں گرمی چاہوں تو برسات کروں
رات کو وعدہ دن کا ہوا اور دن کو وعدہ رات کا ہو　　کیونکر آخر رات کو دن اور کیونکر دن کو رات کروں

اے شوق اُس کو سیدھا پا کر دخل وہاں کرتے ہیں غیر
ظلموں کی پرچاٹ دے کر اب اُس کو بدذات کروں

یہ عمر اور حسینوں سے اجتناب کروں　　بھلا شباب کی مٹی میں کیوں خراب کروں
ہوس پہ عشق کی غیرت کا پاس غالب ہے　　جو بے حجاب اُسے دیکھوں تو خود حجاب کروں
جو روؤں تو وہ کہے گا ابل پڑا کم ظرف　　نہیں تو میں ابھی یا دل کو آب آب کروں

سکونِ قلب کے الزام سے بچوں کیونکر — کہاں سے ضعف میں سامانِ اضطراب کروں
نظارہ وصل میں اور انتظار فرقت میں — کہاں فضول ہیں آنکھیں کہ صرفِ خواب کروں
پھروں حسینوں میں آنکھوں پہ باندھ کر پٹی — میں چاہتا ہوں کہ فتنوں کا سدِباب کروں

بتاؤں کیا ستم اُس کے کہ کتنے ہیں اے شوق
عدد شمار کے ہوں ختم اگر حساب کروں

دیکھتا جاتا ہوں صورت اور بیٹھا مر رہا ہوں — سادہ لوحی سے میں اُس پہ عشق ظاہر کر رہا ہوں
اب تمھیں کہہ دو کہ میں آیا ہوں کیا کہنے کو تم سے — کہہ تو سکتا ہوں مگر کہتے ہوئے میں ڈر رہا ہوں
تم نے اُلٹی بات پوچھی ہے کہ مرنے کا سبب کیا — پوچھنا یہ تھا کہ زندہ آج تک کیونکر رہا ہوں
سوچ اتنے آ پڑے تھے عشق میں چکر کے جن سے — زندگی بھر ہاتھ سے تھامے ہوئے میں سر رہا ہوں

ہجر میں پوچھو نہ حالت زندگی کی شوق مجھ سے
اپنے گھر میں کیا رہا ہوں قبر کے اندر رہا ہوں

ہے زباں بے کار اِس سے کام لے سکتا نہیں — جس پہ عاشق ہوں میں اُس کا نام لے سکتا نہیں
زہر کھا لینے سے جا سکتی ہیں سب بے چینیاں — بے تمھارے کیا کوئی آرام لے سکتا نہیں
دل جو لینا ہے تو لے لو تم مجھے کچھ بھی نہ دو — میں ذرا سی شے کے تم سے دام لے سکتا نہیں
بن چکا معشوق تو عاشق پہ کیوں کھائے ترس — اپنے سر وہ رحم کا الزام لے سکتا نہیں
شام سے تا صبح وہ سوئیں تو آہیں کھینچ لوں — سانس بھی میں صبح سے تا شام لے سکتا نہیں
ہے تمھارے ہاں کی تہ میں کچھ تبسم طنز کا — اب تو میں وعدہ برائے نام لے سکتا نہیں

خط کے حرفوں سے کروں اے شوق کیا اظہارِ شوق
میں قلم سے اپنے دل کا کام لے سکتا نہیں

ترے در پہ مجھے احباب جب بے ہوش پاتے ہیں
تو لے جاتے ہیں یوں جیسے جنازہ لے کے جاتے ہیں

نہ دیکھو میری نافہمی کو اس اُمید کو دیکھو
وہ جھپکاتے ہیں پلکیں تو سمجھتا ہوں بُلاتے ہیں

جنوں کو نوچنے سے کام ہے کپڑے نہوں تو کیا
بہل جاتا ہے دل جب ہم کو چیتے ہاتھ آتے ہیں

گلی سے تو ہٹاتا ہے تو تیرے ناتواں عاشق
بڑی مشکل سے جاتے وقت اپنا بوجھ اُٹھاتے ہیں

ہنسیں وہ میرے رونے پر ہنسوں میں اُن کے غصے پہ
اگر میں مُنہ بناتا ہوں تو وہ بھی مُنہ بناتے ہیں

مجھے لاکھوں غموں نے عشق میں یوں جیتے جی کھایا
لحد میں جس طرح کیڑے کسی مُردے کو کھاتے ہیں

میں بہرا ہوں تو دیتا ہے انھیں کا مُنہ جواب اُن کا
وہ خود سنتے ہیں صلواتیں مجھے تو کیا سُناتے ہیں

نقاہت کس کو ہے لیکن وہ جب ہوتا ہے چلنے میں
تب اپنے آپ کو خود لڑکھڑا کر ہم گراتے ہیں

وہ آتے ہیں تو بیخود ہو کے بن جاتے ہیں ہم مردہ
عدو سے جاں ہیں اُن سے زندگی کو ہم چھپاتے ہیں

جو تم پہ مر لئے ہوتے تو اس مرنے سے اچھا تھا
یہ مرتے کیا ہیں اب شرمندگی اپنی مٹاتے ہیں

جنوں جھنکار سے لے شوق کچھ ایسا بہلتا ہے
کہ زنجیر اس کے در کی ہم کھڑے پہروں ہلاتے ہیں

دکھلاتے ہیں وہ خوبیِ قامت مرے گھر میں
آئی ہے پری بن کے قیامت مرے گھر میں

جل جاتی ہیں، بھُن جاتی ہیں، اللہ ری گرمی
چڑیاں نہیں رہتی ہیں سلامت مرے گھر میں

گھر گور سے بدتر ہے میں مُردے سے زیادہ
ہے کون سی ہستی کی علامت مرے گھر میں

نادم نہیں ہوتا میں کبھی جا کے ترے گھر
کیوں تجھ کو ہوئی آ کے ندامت مرے گھر میں

پالا شب فرقت سے پڑا عشق میں اے شوق
پھیلی مرے اعمال کی شامت مرے گھر میں

ہجر کے دن کو سمجھتے ہیں ہم دن ہی دن ہے شام نہیں
حشر کا دن مشہور ہے لیکن حشر کی شب کا نام نہیں

جام میں پیالہ خرچ کریں کیوں مے پی لیں گے اُس کی بھی
چلّو ہم سے بن سکتا ہے تیر نہ ہو گر جام نہیں

اس دُنیا سے کچھ ہے نرالی دنیا اُس کے جلوے کی
دن کا ہو تو صبح نہیں ہے شب کا ہو تو شام نہیں

آہ سُناؤں کوچے سے وہ آیا شاید کوٹھے پہ
رات اندھیری ایسی لیکن ظلمت زیرِ بام نہیں

وہم کا ایسا چلنا ہی کیا ہوش کسے ہے جینے کا
آتا آئے جاتا جائے مجھ کو اس سے کام نہیں

دل سے نہیں دیں شاید تجھ نے یوں ہی دی ہیں بنا کے ٹٹے
کھاتا تو ہوں آج میں لیکن کچھ لطفِ دشنام نہیں

دردِ دل کا حال اگر اے شوقؔ وہ پوچھے رکھ کر ہاتھ
ہو گا تو آرام مگر تم کہنا کچھ آرام نہیں

کیا کبھی نیّت مری کعبے کے جانے کی نہیں
لیکن اُس کے در سے فرصت سر اُٹھانے کی نہیں

گو شباب آیا مگر سمجھوں نہیں، صرف اس لئے
فکر اُنھیں منّت کے طوقوں کے بڑھانے کی نہیں

گھر بھی بنیا دِ فنا و اس کو جنوں نے ڈھا دیا
بحث کچھ اب تو ہمارے آنے جانے کی نہیں

عشق کے غم نے کیا دنیا میں ہم کو زرد رو
کوئی صورت اب ہمارے مُنھ دکھانے کی نہیں

خواہشِ مہر و وفا پر طنز سے کہتا ہے وہ
ان کو جانے دو یہ باتیں اس زمانے کی نہیں

اپنے کوچے سے جو لاشیں اُٹھواؤ تو اُٹھواؤ تم
اور کوئی شکل تو میرے اُٹھانے کی نہیں

بے طلب آیا ترے گھر شوقؔ تو جانے بھی دے
وہ سڑی ہے کوئی بات اُس کی ٹھکانے کی نہیں

عشق سے توبہ کر لی اب اُس ظالم سے بے پروا ہوں
اپنی نیند میں سوتا ہوں اور اپنی بھوک میں کھاتا ہوں

مُنھ نہ لگاؤ مجھ کو تم تو بھولوں ساری کج بحثی
ایک ذرا ٹیڑھے ہو جاؤ پھر دیکھو میں سیدھا ہوں

عاشق بن کر آنا کیا ہے جان سے دھونا ہاتھ کا ہے
تم پہ کچھ الزام نہیں ہیں خود ہی دشمن اپنا ہوں

جس نے دیکھیں آنکھیں میری سمجھا مجھ کو عاشق وہ
اشکوں کے اعجاز سے میں سب لوٹے جاتا گویا ہوں

شوق الزام اپنے سر کیوں لوں منہ دیکھے کی الفت کا
ظاہر میں دور اس سے بھاگوں دل سے قرب اس کا چاہوں

سب جوصلے نظارے کے محفل میں تلف ہیں — لوگوں کی نگاہیں مری آنکھوں کی طرف ہیں
اس عمر میں کیا ہوگی مجھے اُن کی حضوری — دروازے پہ لاکھوں ابھی جویائے شرف ہیں
صف باندھ کے عشاق نے دی اُن کو سلامی — ہم ایک، سو بیمار ہیں، ناقابلِ صف ہیں
وعدے کو جو دیکھو تو وفا ہی نہیں ہوتا — قسموں کو جو پوچھو تو وہاں لاکھ حلف ہیں

سودا ہوں کہ آتش ہوں کہ معروف ہوں اے شوق
ہم نظم میں منت کشِ اندازِ سلف ہیں

نفس کی چال ترے گھر سے چل کے جاتے ہیں — یہیں پھر آتے ہیں ہم جب نکل کے جاتے ہیں
یہ پاس اُن کی نزاکت کا ہے کہ سب احباب — مرا جنازہ لئے ہلکے جاتے ہیں
جلن نصیب ہی میں ہے کہ شمع کی صورت — تمہاری بزم سے ہم روز جل کے جاتے ہیں
ہمیں ہٹا تو رہے ہو مگر یہ سن رکھو — خدا کے پاس ہم اس در سے ٹل کے جاتے ہیں
جو آج، کل ہے، تو اب کل کی کل کے ہاتھ رہی — یہاں سے آج تو ہم ہاتھ مل کے جاتے ہیں
اُٹھا ہمارا جنازہ تو دیکھ کر بولے — یہ کس کے گھر سے کپڑے بدل کے جاتے ہیں
جنوں کی آگ نے ہم کو بنا دیا پانی — کہ اپنے ظرف سے باہر اُبل کے جاتے ہیں
ہلا نہ اے تپشِ دل پیالے آنکھوں کے — بھرے ہوئے ہیں یہ جنبش سے چھلکے جاتے ہیں

سنبھال سکتے نہیں شوق اپنے آپ کو ہم
ہزار سامنے اُس کے سنبھل کے جاتے ہیں

غرور جور کا بانی ہے اور کچھ بھی نہیں — یہ مقتضائے جوانی ہے اور کچھ بھی نہیں

نہاں ہے قتل کا راز آ دبے دھڑک تم تو
یہ رسم فاتحہ خوانی ہے اور کچھ بھی نہیں

جنوں کی وضع نئی ہے تو گھر ہو خاک پسند
چھت ایک وہ بھی پرانی ہے اور کچھ بھی نہیں

یہ کون کہتا ہے سمجھو تم اپنے عشق کا داغ
مرے جنوں کی نشانی ہے اور کچھ بھی نہیں

کہو تو عشق کا قصہ سناؤں سوتے وقت
یہ سمجھو تم کہ کہانی ہے اور کچھ بھی نہیں

دل اس کے دل سے ملانے کو کب میں جاتا ہوں
امیدِ جبر ستانی ہے اور کچھ بھی نہیں

وہ ترک بن کے خدا جانے کیوں ہوئے مغرور
ذرا سا تیغ میں پانی ہے اور کچھ بھی نہیں

جو حال عشق اسے لکھتا نہیں تو خط ہی کیا
فقط قلم کی روانی ہے اور کچھ بھی نہیں

چلو بھی شوق اسے دیکھ آئیں اتنا ڈرنا کیا
وہ ہے تو دشمنِ جانی ہے اور کچھ بھی نہیں

چھپنا ہے مرے اشکوں سے جو رخ چھوٹے ہیں
دودھ کے دانت ابھی شبنم کے نہیں ٹوٹے ہیں

صبر دل میں نہ رہا خون جگر میں نہ رہا
تم نے آتے ہی جوانی کئی گھر لوٹے ہیں

محتسب پھانس نہ ان بادہ کشوں کو للہ
قیدِ مذہب سے یہ بیچارے ابھی چھوٹے ہیں

کل تو شاداب نہ تھا وادیِ پرخار اتنا
دیکھنا پاؤں کے چھالے تو نہیں پھوٹے ہیں

شہر چھوڑو جو نہیں سامنے آتے خوش قد
شوق جنگل میں بہت پیڑ بہت بوٹے ہیں

گلیوں گلیوں ہم نے لاکھوں کنکر پتھر کھائے ہیں
لڑکوں نے دیوانہ پا کر ناک چنے چبوائے ہیں

میں تو پڑا ہوں مردہ لیکن ظالم طنز سے کہتا ہے
اس نے آ کر میرے در پر پاؤں بہت پھیلائے ہیں

ہم سے بڑھ کر عشق جتائیں قیس اور وامق کا منہ کیا
ہم سے پوچھو ایسے لڑکے ہم نے بہت کھلائے ہیں

آئے خزاں گلزاروں میں کیا پروا میرے سوئے کو
خون سے میں نے دیواروں پر لاکھوں پھول بنائے ہیں

روٹی میں کیا خاص مزہ ہے جس میں دنیا بھر ہے شریک
کھانے کا لطف اُس سے پوچھو جس نے پتھر کھائے ہیں

الفت دیکھو رکھتا ہوں میں کتنا اُن سے نیک گماں
آنکھیں پھیریں نفرت سے اور میں سمجھا شرمائے ہیں

ظلم نیا اب کوئی شاید دنیا میں باقی ہی نہیں
پہلے جتنے ظلم کئے تھے تم نے وہی دُہرائے ہیں

مرنے پر بھی جان نہ چھوٹی اُن کے ہاتھوں جلنے سے
چولھا بنوانے کو میری قبر کی مٹی لائے ہیں

جس کی صورت اچھی دیکھی اُس پہ ریجھے کیوں جی شوق
ایک ذرا سے دل پر حضرت کتنے آپ اترائے ہیں

محبت کیا ہو سکتی ہے کہ چپ چاپ دونو سہتے ہیں
نہ میں کچھ اُن سے کہتا ہوں نہ وہ کچھ مجھ سے کہتے ہیں

پسند اُس کو نہیں وہ آبرو جو عشق دے مجھ کو
بگڑتا ہے وہ جب آنسو مرے چہرے پہ بہتے ہیں

جنوں کی دستبرد ایسی نہیں جو ہم کو چھپنے دے
زمیں اُس گھر کی بول اُٹھتی ہے ہم جس گھر میں رہتے ہیں

بُرا دونوں برابر کہتے ہیں لیکن ہے فرق اتنا
میں اپنے دل میں کہتا ہوں وہ میرے منہ پہ کہتے ہیں

تعجب کیا اگر صدمہ نہ سمجھے کوئی صدمے کو
ہم اے شوق اس پہ چلاتے نہیں چپکے سے سہتے ہیں

صرف آواز کا ہم لوگ مزا لیتے ہیں
در پہ بیٹھے ہیں تو اور آپ کا کیا لیتے ہیں

اتنی شیریں سخنی کاش نہ ہوتی اُن میں
کام چلتا نہیں باتوں میں لگا لیتے ہیں

آہ کھینچوں جو سرِ شام تو پہونچے شاید
بیٹھ کر چھت پہ وہ اُس وقت ہوا لیتے ہیں

رشک مجھ سے نہیں کرتے ہیں تو اُس کے در پر
جب میں گرتا ہوں تو کیوں لوگ اُٹھا لیتے ہیں

خوش مزہ ہوتی ہے ہر چیز تمھارے گھر کی
ہم تو جھڑکی بھی بڑے شوق سے کھا لیتے ہیں

طرزِ نفرت نہیں، اخفائے محبت ہے کہ وہ
منہ بُرا سا مری صورت سے بنا لیتے ہیں

شوق اُنھیں نے تو کیا میرے جنوں کو گستاخ

کیوں مجھے دیکھتے ہی ہنس کے بلا لیتے ہیں

کیا لڑکپن ہے کہ عاشق کو نبھاتا ہی نہیں
خیر سے معشوق بننا اُس کو آتا ہی نہیں

اور آنکھیں دے کہ دیکھوں اے خدا اُس کا شباب
بڑھ گیا ہے حسن اب دو میں سماتا ہی نہیں

تم سے شکوہ کچھ نہیں، جو کچھ ہے جذبِ دل سے ہے
جس کو لانا چاہیے وہ تم کو لاتا ہی نہیں

اس کو خود تسلیم کرتا ہوں کہ ہوں میں بدنگاہ
کیا کروں تو بھی تو ظالم مُنہ چھپاتا ہی نہیں

مجھ کو بے دردی کا شکوہ اُس سے ہے لیکن فضول
درد کو مانے وہ کیونکر، دیکھ پاتا ہی نہیں

ہے شباب اُس کا مگر مجھ سے چھپانے کو شباب
ہنسلیاں مَنّت کی پہنے ہے بڑھاتا ہی نہیں

زرد زرد ہو کر نہاں کیونکر کروں اے شوقِ عشق
میں چھپاتا ہوں مگر چہرہ چھپاتا ہی نہیں

دیر تک باتیں کروں اُس سے میں ہوں اس گھات میں
آج ہکلاؤں گا اور اٹکوں گا ہر ہر بات میں

زُہد میرے ہجر کی ظلمت سے جھگڑے میں پڑا
فرق مشکل ہے عشا اور ظہر کے اوقات میں

دن کو گھر اُس کا نہ پایا دیکھنا میرے حواس
دور سے وہ تو چمکتا ہے اندھیری رات میں

تیری فرقت میں ہوا اتنا مرے رونے کو طول
کٹ گئیں لوگوں کی عمریں ایک ہی برسات میں

شوق کیوں روٹھے ہو سن کر گالیاں معشوق کی
کون بٹا لگ گیا آخر تمھاری ذات میں

دل فریب اُس کی جوانی کا فقط سن ہی نہیں
حسن بھی اتنا ہے جس سے بڑھ کے ممکن ہی نہیں

کیں جفائیں اور منکر حشر میں ہیں سب حسین
ہیں تو لوں احسان لیکن کوئی محسن ہی نہیں

ہجر کی ظلمت نے دی تسکین میرے رشک کو
کیا تمھیں دیکھے گا کوئی اب کہیں دن ہی نہیں

حسنِ صورت پر نہ جا شمشیر اُسے لے دل سمجھ
وہ ستمگر مثلِ آہن صافت باطن ہی نہیں

ہجر کے ایام میں مُردہ تھا میں زندہ نہ تھا
عمر کے روزوں میں اے شوق اُن کو تو گن ہی نہیں

کام آئی کچھ نہ یاس تمنائے دید میں
اُلجھا رہا ہیں دام فریبِ امید میں

صورت تمھاری مردمِ دیدہ میں یوں جمی
جیسے کھُدا ہو نام نگینِ حدید میں

جانا مزار پر تو یہ اعجاز دیکھنا
جان آئے گی پلٹ کے تمھارے شہید میں

آئیں نہ آئیں وہ کہ تصوّر کے سامنے
کچھ فاصلہ نہیں ہے قریب و بعید میں

پتھر بھی ہاتھ میں نہیں پھر کیا جنوں کی سیر
اتنی کمی رہی ترے لطف مزید میں

دل لے چکے تو ہم سے چھپاؤ نہ حسنِ رُخ
یہ مال آچکا ہے ہماری خرید میں

دانستہ کب کیا گلۂ جورِ بت اے شوق
اک ذکر تھا کہ آگیا گفت و شنید میں

اوراقِ نقشِ پا ہیں سب دشت میں نمایاں
دفتر مرے جنوں کا ہے کس قدر پریشاں

عاشق کو زخم سمجھو اک اس کو عیش و غم ہیں
گریاں ہے تو ہے خنداں خنداں ہے تو ہے گریاں

ہوتا نہیں جنوں میں کچھ عیبِ چاک ظاہر
اٹکے ہوئے ہیں کانٹے دامن سے تا گریباں

اللہ ری متانت لب کھولتے نہیں وہ
منھ پر ہے یوں خموشی در پر ہو جیسے درباں

کانٹوں کو پانو ترسیں تو لطف کیا جنوں کا
اُجڑے یہ شہر یارب جس میں نہیں بیاباں

خوش ربطِ باہمی سے ناوک فگن بھی میں بھی
پیکاں ہیں جتنا دل ہے اُتنا ہی دل میں پیکاں

کونے میں گھر کے بیٹھا خود بیڑیاں پہن کر
سودا زدہ کو تیرے کتنا ہے شوق زنداں

کافر نے طنز یہ کی دردِ جگر کو سن کر
کیا یہ غذا ہے جو ہے لیکن نظر سے پنہاں

تھا زندہ دل کبھی میں اے شوق لیکن اب تو

سینے میں دل ہے جیسے تربت میں جسم بے جاں

دور ہے حشر اور اُسے کھٹکے سے آسائش نہیں / جانتا ہے دوسرے وعدے کی گنجایش نہیں

سن زبانِ خلق سے تاثیر اپنے حُسن کی / موت اتنی ہے جہاں میں جتنی پیدایش نہیں

عشق میرا پڑھ گیا ناصح کچھ اور الفاظ سیکھ / اِس کو کافی تیرے یہ الفاظِ فہمایش نہیں

کیوں نہ ضائع ہوں دعائیں عشق کے مجبور کی / اتنی ہیں بابِ اثر میں جتنی گنجایش نہیں

شوق وہ زیور پہنتے ہیں تو میں لاؤں کفن
کیا اُنھیں کو ہے مجھے کچھ شوقِ آرایش نہیں

شباب آیا وہ آفت ڈھا رہے ہیں / نئی دولت ملی، اِترا رہے ہیں

نہ پوچھو غم میں دل کے ضعف کا حال / کہاں کا دل، ہمیں اب کیا رہے ہیں

کوئی جا کر وہاں کہہ آئے اتنا / اکیلے ہم بہت گھبرا رہے ہیں

جنازے کی خبر یوں اُن سے کہنا / سواری مل گئی وہ جا رہے ہیں

تمھارا دیکھنے والا ہے شاید / وہی غش پر جسے غش آ رہے ہیں

اُنھیں دعوے خدائی کا ہے اب تو / کہ وہ اپنی ہی قسمیں کھا رہے ہیں

مرے ہوش اُس کی آمد سن کے اے شوق
خدا جانے گئے ہیں یا رہے ہیں

مجھ پہ کیا کیا ظلم ہیں، وہ بے وفا اب کیا کہوں / آپ ہنسنے کی بات ہے اس کے سوا اب کیا کہوں

چین سب کو، درد مجھ کو، اس پہ غصہ ہو، مگر / تو خدا ٹھہرا تو چپ ہوں اے خدا اب کیا کہوں

دی تمھاری آنکھ سے نسبت تو اب آتی نہیں / کتنے غمزے مجھ سے کرتی ہے قضا اب کیا کہوں

جتنی عاشق کی تمنائیں ہیں وہ سب تجھ میں ہیں / اس سے بڑھ کر اور اپنا مدعا اب کیا کہوں

حشر میں پوچھا خدا نے حال تو میں نے کہا — دے چکا ہوں جس کو دل اُس کو بُرا اب کیا کہوں
تو شریکِ درد ہو جاتا ہے ہر اک درد کا — حرص تیری اور دلِ درد آشنا اب کیا کہوں

شوق تنکوں اور کانٹوں کا مزہ گھر میں کہاں
بے جنوں کتنا ہوں میں بے دست و پا اب کیا کہوں

قمر سے روئے بشر میں کچھ فرق اگر نظر مان لے تو جانوں — اسے چھپاؤ اُسے دکھاؤ جو کوئی پہچان لے تو جانوں
یہ لوگ کہتے تو ہیں کہ اُس نے ہزار ہا زاہدوں کو لوٹا — بُرا ہی کافر سُنا ہے لیکن جو میرا ایمان لے تو جانوں
نہ جان ہے تیرے آئینے میں نہ روح دیوارِ چین در میں — تری نگاہوں کے وار دل پر جو کوئی انسان لے تو جانوں
رہا جو دستِ جنوں کبھی تک تو اپنی دیوانگی سے حاصل — مرے گریباں میں کیا دھرا ہے ترا گریبان لے تو جانوں

سُنا تھا حُسن اُس کا لالچی ہے مگر وہ اے شوق کچھ نہ نکلا
ذرا سا دل لے لیا تو کیا ہے اگر مری جان لے تو جانوں

کافر وہ بنا دیتا ہے شوق ایک ہی پل میں — جاناں تو دبائے ہوئے ایمان بغل میں
مرنے کے لئے کیوں مجھے تم کوستے ہو — یہ کام ہوا جاتا ہے بس آج ہی کل میں
ظاہر ہے مرے تن سے تپِ عشق کی سوزش — جو رنگ ہے یہ جلتی ہوئی بتی ہے کنول میں
یا آئی خزاں یا گئی ظالم کی جوانی — پاتا ہے کمی آج دماغ اپنا خلل میں
طے ہونے پہ آئی ہے مرے عشق کی منزل — اب فاصلہ تھوڑا ہے حیات اور اجل میں
جب حُسن نظر آیا سٹری بن کے بڑھائیں — آیا نہ کبھی فرق مرے طرزِ عمل میں

وہ حال ہوا خونِ دلِ خشک کا اے شوق
جو حال ہو رس کا کسی سوکھے ہوئے پھل میں

نہ اُٹھنے دو دل اسے غم سے یہ اختیار نہیں — کہ رنگ چہرے کا کچا ہے پائدار نہیں

نہ ہوگا عشق کی دنیا میں ہیچ مجھ سا بھی
کہ لاکھ بار مرا اور کہیں مزار نہیں

جہاں کمی ہیں وہاں ایک زلف اور سہی
مجھے درازیِ شب سے کچھ انتشار نہیں

غرورِ حُسن کی اچھی سزا ملی اُس کو
وہ شوخ اُتنا ہی جتنا میں بے قرار نہیں

بنایا مجھ کو تنک ظرف اشکِ خونیں نے
میں کیا کروں کہ مری شکل رازدار نہیں

بُرا ہو ضبط کا یا رب کہ لاکھ امیدوں پر
وہ جانتا ہی میں کوئی امیدوار نہیں

وہ آیا نزع میں کس وقت جب ہی آنکھوں میں
نگاہ جس کا نگاہوں میں اب شمار نہیں

جفائیں اس کی زیادہ سہی - مگر پھر بھی
حسین اُتنا ہی جتنا جفا شعار نہیں

ہوائے دامنِ محبوب پہ ہی غش وہ شوق
ہوائے بالِ ہما جس کو خوش گوار نہیں

جنوں کے شغل کو یارو کہیں بھی خار نہیں
تمھارے شہر میں کیا پیڑ خاردار نہیں

ہجومِ فاتحہ خوانی مجھے نہیں منظور
یہ اور کیا ہی جو رُسوائی مزار نہیں

بہارِ میکدہ سے گرد ہی بہارِ چمن
چمن کا گل کوئی ہم چشم بادہ خوار نہیں

کبھی نہ ہو گی چمک دردِ عشق کی زائل
وہ برق ہو گی چمک جس کی پائدار نہیں

بہل گیا ہی دل اکثر حسین لڑکوں سے
مرے جنوں کو پابندیِ بہار نہیں

کبھی تو تھا - مگر اب دورِ حسن میں تیرے
کسی کو شکوۂ بیدادِ روزگار نہیں

مجھے اب اُس پہ ترس چاہیے کہ محشر میں
وہ نادم اُتنا ہی جتنا گناہ گار نہیں

فروغِ حُسن اذیت رساں ہوا مجھ کو
کہ تیرے قصر کی دیوار سایہ دار نہیں

جگر کی آگ ہی میرے لئے نسیم اے شوق
گلِ چراغ ہوں پروردۂ بہار نہیں

ہیں نہ آیا تو مجھے کیا شکوۂ فرقت نہیں
اپنی قسمت کی لڑائی سے ابھی فرصت نہیں

رحم کی ہر شکل سے انکار کر دیتے ہو تم
کیا خدا سمجھوں اسے جس کی کوئی صورت نہیں

زندگی فرقت میں ہے طالع کی اک برگشتگی
کام اس شے سے پڑا جس کی مجھے رغبت نہیں

ٹکٹکی باندھے ہوئے ہے تیری جانب شوقِ دید
اور جو یہ حیرت بھی ہو تو قابلِ حیرت نہیں

کاروبارِ غم تری نخوت سے بے حد بڑھ گیا
تنگ ہوں اتنا کہ جینے کی بھی اب مہلت نہیں

جی نہیں سکتا مگر فرقت میں مر سکتا ہوں میں
ہوں تو کم ہمت مگر اتنا بھی کم ہمت نہیں

سر میں ہو چاہے جگر میں - ہے بہت دل چسپ چیز
ہو کہیں اے شوق دردِ عشق بے لذت نہیں

زلف کے عشق میں بدنام جسے کرتے ہیں
آپ تو اپنی بلا اور کے سر دھرتے ہیں

یہ نصیحت کہ عداوت ہے بتا اے ناصح
نام وہ لیتا ہے جس نام پہ ہم مرتے ہیں

کاہشِ ہجر نے کیا شکل بگاڑی میری
اُن کو آنے میں یہ حیلہ ہے کہ ہم ڈرتے ہیں

کیا ترے حسن نے فرصت ملک الموت کو دی
اس زمانے میں تو بے موت ہی سب مرتے ہیں

میرے رونے کو نہ اُوس اور نہ بادل پہونچے
شوق پانی مری آنکھوں کا یہ سب بھرتے ہیں

ضدی نہ ہو مجھ سا بھی عاشق کوئی دُنیا میں
سب عمر بسر کر دی صرف ایک تمنا میں

یا خون ہوا ہے دل یا لے گیا وہ ظالم
یہ چیز کئی دن سے ملتی نہیں اعضا میں

جب جاؤ کہیں گھر سے تب اتنا سمجھ لینا
ہے عادتِ غمازی ہر نقشِ کفِ پا میں

کل تک مرے جینے کی امید نہیں تم کو
یہ راز ہے پوشیدہ اس وعدۂ فردا میں

اس گھر سے وہ پیر اچھے - آغوشِ جنوں چل دیں
کیا کونپلیں پھوٹی ہیں صحرائے جنوں زا میں

یوسف تو نہیں ہے تو لیکن تری فرقت نے
کچھ نور کیا ہے کم ہر دیدۂ بینا میں

کیا ابر بہار آیا اے شوق ذرا سننا
طاؤسوں کی آوازیں کیا کہتی ہیں صحرا میں

بال چھٹکائے ہوئے مجھ سے بپھرے بیٹھے ہیں
آپ وہ اپنی بلاؤں میں گھرے بیٹھے ہیں

دیکھ پایا ہے ترے گھر کو تو مسجد والے
ہیں ابھی مسجد میں تو کعبہ سے پھرے بیٹھے ہیں

رہ گئی دب کے نگاہوں سے نزاکت اُن کی
اُٹھ نہیں سکتے ہیں لوگوں میں گھرے بیٹھے ہیں

کیا خیال اور کی نظروں کا وہاں ہو ہم کو
ہم جہاں اپنی ہی نظروں سے گرے بیٹھے ہیں

حسرتوں سے مرا دل بیٹھ گیا ہے تو کیا
شوق وہ بھی تو اسی دل میں گھرے بیٹھے ہیں

دماغ کو ترے عاشق جنون کہتے ہیں
وہ دل کو دل نہیں کہتے ہیں خون کہتے ہیں

اسی سے ہوتی ہے اُمید دل کے ملنے کی
ملے نظر تو ہم اُس کو شگون کہتے ہیں

بجھائی اُس نے پہیلی مری حیات کی یوں
وہ چیز کیا ہے جسے سب زبون کہتے ہیں

جو چاہوں اس سے میں تسکینِ دل تو کہتا ہے
اجل ہے وہ جسے عاشق سکون کہتے ہیں

یہ پوچھو شوق سے نازک دماغ کہتے ہو
تمھارے سر پہ وہ لاکھوں کا خون کہتے ہیں

اُسے دیکھتے ہی بلانے چلا ہوں
ہتھیلی پہ سرسوں جمانے چلا ہوں

جہاں قہر ڈھاتی ہے نازک مزاجی
وہاں ضبط کو آزمانے چلا ہوں

جنوں میرا دیکھو کہ مکتب کی جانب
میں لڑکوں کو چھٹی دلانے چلا ہوں

ڈر اُس کا ہے غالب تو میں کر کے ہمت
ذرا اپنے دل کو بڑھانے چلا ہوں

لحد پہ ہی زورِ جنوں شوقؔ مائل
میں دنیا کو سر پہ اُٹھانے چلا ہوں

جل بجھا شوقؔ اب وجودِ اُس کا نظر میں کچھ نہیں
راکھ چٹکی بھر پڑی ہی اور گھر میں کچھ نہیں

تو نے نذرِ حُسن میں دولت بھی لی جانیں بھی لیں
اُڑ رہی ہی خاک اور اب شہر بھر میں کچھ نہیں

ہو گیا موسم پہ تیری سرد مہری کا اثر
اب تو گرمی گرمیوں کی دوپہر میں کچھ نہیں

ہی جوابِ خط کہاں یعنی لکیروں کے سوا
دیکھتا ہوں میں کہ دستِ نامہ بر میں کچھ نہیں

بہہ گیا آنکھوں سے خوں اتنا کہ ہوتا ہی گماں
یا جگر ہی اب نہیں ہی یا جگر میں کچھ نہیں

جل گیا سوزِ جنوں سے عشق میں سارا دماغ
درد ہی درد اب بھرا ہی اور سر میں کچھ نہیں

آخر اے شوقؔ اتنی جاں کاہی ہی کس امید پر
اک صدا ہی اور آہِ بے اثر میں کچھ نہیں

ترے دیوانے باتیں کتنی وحشت ناک کرتے ہیں
وہ مُنہ یوں کھولتے ہیں جیسے دامن چاک کرتے ہیں

شباب و حُسن معشوقوں کو کیوں دیتا ہی تو یارب
یہی دونوں انھیں دے دے کے شر بیباک کرتے ہیں

ترے دل سوز اکتائے ہیں ایسے اب تو جینے سے
کہ اپنے جسم کو خود مثلِ اخگر خاک کرتے ہیں

بڑھی ہی کعبۂ ابرو سے شانِ سرزمیں کتنی
ترے گھر کا طواف آٹھوں پہر افلاک کرتے ہیں

وہ برہم ہیں تو یا خاموش رہ اے شوقؔ یا مرجا
ارے نادان عاشق یوں ہی قصہ پاک کرتے ہیں

شک ہی جنوں کو کہ یہ میرا مکاں نہیں
اور یہ ہو بھی تو میں اور کہیں ہوں یہاں نہیں

اک چیز ہی کہ دوڑتی پھرتی ہی جسم میں
میں کیا کہوں کہ درد کہاں ہی کہاں نہیں

تیری نگاہِ ناز نہ ہو وہ کہ ایک تیر
دل میں چھپا ہی اور بدن پر نشاں نہیں

پوچھے جو کوئی کچھ تو میں کہدوں بنا کے بات
کس منہ سے یہ کہوں کہ ترا راز داں نہیں

معشوقِ مہرباں کی تمنا ہی کیوں کرے
عاشق، کہ اپنی ذات پہ خود مہرباں نہیں

کیا بد مزاج ہی وہ کہ مشکل ہی سامنا
خود پاسباں ہی کوئی اگر پاسباں نہیں

دنیا میں کیا ہی مرتے ہیں اے شوق جس پہ لوگ
اک لذتِ حیات سو یہ جاوداں نہیں

ہاتھ اگر لال ہیں تو رنگ حنا کہتے ہیں
یہ جو تلوار سے ٹپکا، اسے کیا کہتے ہیں

کر لیا فرض یہ عنقا کو کہ اک طائر ہی
ورنہ عنقا ہی وہی جس کو وفا کہتے ہیں

چشم پوشی کے گلے پر نہ بدلئے تیور
خیر ہم آپ کی خاطر سے حیا کہتے ہیں

مکتبِ حُسن میں تم طفلِ نوآموز رہے
ایک ہی لفظ پڑھا جس کو جفا کہتے ہیں

کیا نزاکت ہی کہ آواز نکلتی ہی نہیں
کچھ وہ کہتے ہیں تو کھلتا نہیں کیا کہتے ہیں

باعثِ موت وہ بُت ہی تو ہی کچھ راز اس میں
کہ مری موت کو سب حکمِ خدا کہتے ہیں

عذرِ بدتر ز گنہ اُس کو سمجھ لو اے شوق
خود جفا ہی وہ جسے عذرِ جفا کہتے ہیں

شرم ہوتی ہی مُخلِ لطفِ ملاقات میں کیوں
تھوڑا تھوڑا ہوا جاتا ہی وہ ہر بات میں کیوں

خوفِ اظہار سے وعدے کو کہیں ٹال نہ دے
چاندنی راہ پہ نازل ہوئی اس رات میں کیوں

اُس کے گھر تک مجھے بارش نہیں جانے دیتی
میں پشیماں ہوں کہ عاشق ہوا برسات میں کیوں

سبزہ رنگوں ہی میں صرف اس کو بھی ہو جانا تھا
اتنی سبزی نظر آتی ہی نباتات میں کیوں

شوق اس سے تو حسینوں کی خوشامد کرتے
اس قدر صرف کیا وقت مناجات میں کیوں

یہ عالم حسن کی گرمی کا ہے ان حسن والوں میں
کہ مے پانی ہے لیکن آگ ہو جاتی ہے گالوں میں

گنہگاروں کی بن آئی کہ محشر اب نہیں محشر
قیامت کھو گئی مل کر ترے فتنے کی چالوں میں

نگاہیں ملتے ہی نکلے سب الفاظ کرم بن کر
بھرے تھے جس قدر اس کے ستم میرے خیالوں میں

زمانے بھر میں مردود خلائق جب ہوئی ذلت
تو لی اس نے پناہ آکر ہمارے خستہ حالوں میں

کیا قدرت نے اس کے حسن کو تقسیم دو جانب
وہ چہرے سے تو پریوں میں ہے آنکھوں سے غزالوں میں

مشابہ بانبیوں سے ہو گئے ہیں پیچ زلفوں کے
عجب کیا گر سپیرے سانپ ڈھونڈیں تیرے بالوں میں

اگر اے شوق ہستی نیستی کی دیکھنا چاہو
تو مل سکتی ہے وہ تم کو کسی کے پائمالوں میں

بڑا مزا مجھے آئے گا جاں فشانی میں
چھری بجھائی ہے اس نے نمک کے پانی میں

نہ خلق ہے نہ مروت نہ رحم ہے نہ وفا
بس ایک حسن بھرا ہے تری جوانی میں

سنی تھی سحر میں جو میں نے قوت تسخیر
وہ دیکھ لی ترے انداز خوش بیانی میں

نہ آنے پر ترے حیلے کو میں نے مان لیا
نہ ہوتی کاش کمی میری بدگمانی میں

جواب شکوہ پہ محشر میں لب ہلے اس کے
یہ دن بڑھا مرے ایام زندگانی میں

فضول جاگتے ہیں زاہدان شب بیدار
وہ جاگیں کاش ترے گھر کی پاسبانی میں

وہ خدمت اپنے سلانے کی دے جو مجھ کو شوق
لگاؤں عشق کا پیوند ہر کہانی میں

دم چرائے ہوئے اب ہے تری شمشیر کہ میں
وہ ترے کام میں ہے باعث تاخیر کہ میں

میں ہوا قید تو یہ کہنے لگی عمر مری
دیکھئے کٹتی ہے پہلے تری زنجیر کہ میں

اس نے بے صبر کیا ہے تو ہوا ہوں گستاخ
اب ترا حسن ہوا قابل تعزیر کہ میں

میں جو کہتا تھا کہ زلفیں نہ بڑھانا اب کہہ
تو ہی مجبور گرانباری زنجیر کہیں

آئے کیا وہ جو غرور اور نزاکت میں ہو بحث
ایک سے ایک کہے تو ہی عنان گیر کہیں

اُس سے لڑ بھڑ کے لیا وعدہ تو بولی تقدیر
کارگر ہوتی ہے دیکھوں تری تدبیر کہیں

شوق میں نے جو کہا دل کا طلبگار ہے کون
بولی آئینے میں اُس شوخ کی تصویر کہیں

عشق کا سودا بے جانچے نادان اپنے سر لیتے ہیں
ہم تو ڈاڑھی کی ہانڈی بھی ٹھونک بجا کر لیتے ہیں

سونے سے درگزرے جس میں غفلت تیری یاد سے ہو
نیند آتی ہے تو ہم مرچیں آنکھوں میں بھر لیتے ہیں

یوں ہی وہ تلوار سے لیں عشاق کے سر ڈر کا ہے کا
محفل میں گلگیر سے آخر شمعوں کے سر لیتے ہیں

بچپن کے کھیلوں میں اُن کو دلچسپی ہے داغوں سے
تحفے میں فرمائش کر کے موروں کے پر لیتے ہیں

شوق کے عاشق ہونے میں شبہ ہے لیکن یہ تو کہہ
تیری صورت دیکھ کے دل پر ہاتھ وہ کیوں دھر لیتے ہیں

کیوں ترے بالوں میں الجھا ہوں سبب میں کیا کہوں
ہے یہ سودا سر پڑے کا اور اسباب میں کیا کہوں

حال مجھ سے پوچھنا اور رکھ کے میرے منہ پہ ہاتھ
آپ تو سمجھے ہیں مجھ کو بے ادب میں کیا کہوں

یا تو ہے تیرا ادب یا رعب یا ہوں نیم جاں
رہ گئے ہل ہل کے کیوں ہر بار لب میں کیا کہوں

شکوے کو جاتا تو ہوں لے دل مگر یہ تو بتا
جب نگاہِ ناز سے دیکھے وہ تب میں کیا کہوں

بے طلب جانے پہ آخر دل نے آمادہ کیا
آ گئی رک کیونکر امیدِ طلب میں کیا کہوں

سرگزشتِ عشق کتنی ہے یہ تم پوچھو نہ شوق
عمر کافی ہو نہیں سکتی تو سب میں کیا کہوں

کھوئی ہے اس عشق نے کیسی بات ہماری دنیا میں
رسوائی کے نقارے بجتے ہیں ساری دنیا میں

چاہتے ہیں سب عاشق تیرے مرنا پہلے جینے سے — مرنے کی یہ رسم نئی کی تونے ہماری دنیا میں
ضعف بڑھا ہے کتنا تیرے عشق کے غم میں گھلنے سے — روح سی ہلکی چیز ہوئی ہر شخص پہ بھاری دنیا میں
جس کو دیکھو عاشق ہو کر موت کی ہچکی لیتا ہے — تیرے حسن نے پھیلا دی ہے یہ بیماری دنیا میں

جان نہ ہوگی جس میں اے شوق اتنی ہوگی نہ اس کی بھی
عشق کی قسمت نے پائی جتنی ناچاری دنیا میں

یہ بت جتنے جور کریں مجبوری سے سہہ سکتا ہوں — اللہ دے اور بندہ لے کیا اس کے سوا کہہ سکتا ہوں
دیوانہ ہوں تیرے رخ کا۔ گھر میں رہنا مشکل ہے — جس جنگل میں لال بہت ہوں بس اس میں رہ سکتا ہوں
ضعف سے چلنا مشکل ہے تو کام چلے گا اشکوں سے — تنکا سمجھیں لوگ مجھے میں پانی میں بہہ سکتا ہوں
مجھ کو گونگا رکھا تیرے اس ہر دم کے غصے نے — وہ بھی تجھ سے کہہ نہیں سکتا جو جگ میں کہہ سکتا ہوں

لطف ہو اس کے آنے کا جب ترکیب بتا دے شوق
بیہوشی کے ساتھ میں کیونکر آپے میں رہ سکتا ہوں

و

ہے آئینے میں اپنا محو دیدار آپ ہی اب تو — وہ اپنی ناک چوٹی ہے گرفتار آپ ہی اب تو
سنیں کیا اس محبت پر کہ سب ظالم کہیں تجھ کو — ہم آئے تیرے گھر بن کر گنہگار آپ ہی اب تو
غبار دل کے ہوتے بند کیوں کرتا ہے در مجھ پہ — اٹھائی بیچ میں رنجش نے دیوار آپ ہی اب تو
بلایا کب خبر دے دی قریب مرگ ہونے کی — وہ آئیں گے مرے گھر سیکڑوں بار آپ ہی اب تو
کہاں کا باغ - ہم اپنے جنوں کے داغ تو چیں گے — ہمارا صحن ہو جائے گا گلزار آپ ہی اب تو
ہوئی یہ عشق میں ذلت کہ توڑا آئینہ ہم نے — ہمیں آتی ہے اپنی شکل سے عار آپ ہی اب تو

نہ اچھے ہونے پائیں داغ سودا ہم نہ کہتے تھے
لئے بیٹھے ہیں ناخن شوق بیکار آپ ہی اب تو

اے جنوں دنیا اِدھر کی اب اُدھر ہی کیوں نہ ہو
ایک لاٹھی سب کو ہانکوں شہر بھر ہی کیوں نہ ہو

دل ہو فریادی کہ دستِ ظلم کا کل ہو دراز
باندھ لو جوڑا یہ قصہ مختصر ہی کیوں نہ ہو

رخ مری جانب سے اس کو پھیرنا منظور تھا
کان گو سننے کو میری بات اُدھر ہی کیوں نہ ہو

تیغ پنجے سے نہ چھوٹے گا وہ مثلِ آفتاب
گو شفق آسا مرا خوں اس کے سر ہی کیوں نہ ہو

سن ہی سے شاید خدا کچھ کم نہیں اتنی امید
ہم دعا مانگا کریں گے بے اثر ہی کیوں نہ ہو

اس نے آئینہ لیا گوندھوں میں جوڑی اٹھ کی اب
سامنے ہوگا وہ گو چہرہ اُدھر ہی کیوں نہ ہو

دستِ وحشت مثلِ سبزہ دب نہیں سکتا ہے شوق
صورتِ دانہ زمیں بالائے سر ہی کیوں نہ ہو

عشق میں ڈر ہے زباں کا کہ یہ غماز نہ ہو
اس خموشی سے کروں آہ کہ آواز نہ ہو

ہیں نئی ہجر کی دنیا میں فقط دو باتیں
شب کا انجام نہ ہو صبح کا آغاز نہ ہو

اس کے گھر شب کے سوا دن کو میں جاتا ہی نہیں
اپنے سائے سے بھی بچتا ہوں کہ ہمراز نہ ہو

آہ نکلی ہے مرے منہ سے جس انداز کے ساتھ
دم بھی نکلے جو کسی کا تو یہ انداز نہ ہو

چڑھ مؤذن سے ہوئی صبح شبِ وصل مجھے
لاکھ صبحیں ہوں مگر ایک یہ آواز نہ ہو

کوئی دنیا میں ترے رشک سے مجھ سا ہوتا ہے
کہ اسی شوخ کا یہ عاشقِ جاں باز نہ ہو

مجھ کو اور اس کو کیا مثلِ شب و روز جدا
آسماں سا بھی کوئی تفرقہ پرداز نہ ہو

وہ تھے بھولے ہوئے یاد اس نے دلا دی پھر بھی
اب بھی کیا دل مرا منت کشِ غماز نہ ہو

دم نہیں مجھ میں مگر شوق تماشا اس کا دیکھو

ہنس کے کہتا ہے کہ تم سا کوئی دم باز نہ ہو

ناصحو وقت جوانی کا گزر جانے دو — ہوش آئے گا ذرا تب تو اتر جانے دو
اپنے گھر لاکے بناؤ مہ کامل اس کو — شام کو آئے تو ہنگام سحر جانے دو
آگئے ہو تو پلٹ جانے کی جلدی کیا ہے — میری عمر گزراں کو تو گزر جانے دو
حُسن کی خیر ہے صدقے میں اُترنا اُس کا — کوئی کم بخت جو مرتا ہے تو مر جانے دو

زُلف کی بھول بھُلیاں میں نہ کھو جائے کہیں
شوق روکے رہو دل کو نہ اُدھر جانے دو

ہوا ہے خون اگر دل کا تو بس گرم جفا تم ہو — مرے پہلو میں آخر کون ہے یا دل ہے یا تم ہو
مرے عشق اور تمھارے حُسن میں الفت تھی اس سے — کہ میں ہوں باوفا اُتنا ہی جتنے بے وفا تم ہو
کہاں یوسف کہاں تم فرق جو کچھ ہے وہ ظاہر ہے — کہ وہ تھی ابتدائے حُسن جس کی انتہا تم ہو
ملے۔ تو یوں ملے جس طرح دو برگ شجر باہم — کہ گو پہلو بہ پہلو ہو مگر مجھ سے جدا تم ہو
میں پہنچا اُس کے گھر تو کانپ کر آنکھوں سے دل لا — تمھیں دونوں بڑھو آگے کہ صورت آشنا تم ہو
چھپایا ہے خدا سے تم نے مُنہ سجدے کے پردے میں — خدا ہی جانتا ہے یہ کہ کتنے باحیا تم ہو

لبوں پر جان تھی تب بھی یہ لب شوق اُن سے کہتا تھا
خدا ہی اُس کے جینے کا ہے جس کا مدعا تم ہو

لطف اُس کو کہاں مجھ سے بڑا بیر ہے اب تو — اے عشق مرا خاتمہ بالخیر ہے اب تو
پہلے تو تھا عاشق ہی مگر اب ہوں اجنبی — دیکھو تو ذرا آکے بڑی سیر ہے اب تو
ایسے ہیں جو آؤ مری تربت پہ تو کیا ہو — پردہ ہے۔ ترا اپنا نہ کوئی غیر ہے اب تو
کعبہ بھی کبھی تھا مگر اب کچھ نہیں اُس جا — ہر شکل سے دل چسپ فقط دیر ہے اب تو

وہ گھر میں بنے بیٹھے ہیں اے شوق شکاری
ہر وقت تپنچے کا وہاں فیر ہے اب تو

آہ کھینچی ہی نہیں سینے اثر کرنے کو
صرف اک آواز ہی رُخ اُس کا ادھر کرنے کو

آئی شب وصل کی تو مُرغ مؤذن سورج
تین ظالم ہوئے تیار سحر کرنے کو

دئے دیتے ہیں یہ دنیا تو اجل کو معشوق
خضر اب اور کہیں جائیں بسر کرنے کو

مُردنی مُنہ پہ مرے دیکھ کے بھاگے آخر
گھر سے کیوں دوڑ کے آئے تھے نظر کرنے کو

دل جو دُنیا سے اُٹھا اُس کی چھری دیکھ آیا
یہ شگون آج لیا میں نے سفر کرنے کو

سر ہمارا ہی سلامت تو وہ در بند سہے
کچھ جنوں کم نہیں دیواریں در کرنے کو

دل ذرا سا تو ہے اے شوق مگر ہے دل چسپ
روز دو چار چلے آتے ہیں گھر کرنے کو

محشر میں فریاد یہ تجھ کو آنکھیں وہ دکھلائیں، تو
داد کہاں کی، اُلٹی آنتیں میرے گلے پڑ جائیں، تو

آہوں سے دھمکاتا ہوں تو ہنس کر ظالم کہتا ہے
اور اگر سب آہیں تیری اوپر اوپر جائیں، تو

تم تو اہلِ محفل سے خوب اپنا دل بہلاتے ہو
ہم بھی جنت میں جا کر دل حوروں سے بہلائیں، تو

صورت سے پہچان کے ہم کو ظالم جھڑکی دیتا ہے
اور اگر ہم تیرے گھر میں بھیس بدل کر آئیں، تو

تاڑیں اے شوق اُس کا مکر اور رد کریں اپنے دل کو ہم
لیکن اُس کی بھولی صورت دیکھ کے دھوکا کھائیں تو

تیرے گھر آ کے جو حاصل ہوئی ذلت مجھ کو
اپنی امید سے کیا کیا ہوئی خفت مجھ کو

جاں بہ لب سُن کے نہ بھیجیں وہ پیام آنے کا
جھیلنا پڑتی ہے جینے کی مصیبت مجھ کو

جو چھپائے رہو کچھ دیر تو شوق اور بڑھے
تم تو جلدی سے دکھا دیتے ہو صورت مجھ کو

نام نکلا ہی مرے عشق کا دُنیا بھر میں
بہت آوارہ کیے ہی مری شہرت مجھ کو

زندگی ہی تو کبھی یاس سے مر بھی لوں گا
ابھی اُمّید سے اتنی نہیں فرصت مجھ کو

روک لو اپنی جفاؤں کے لیے تم ورنہ
دور آپے سے لیے جاتی ہی حیرت مجھ کو

ٹیڑھی سیدھی یہی سُنواتی ہی معشوقوں سے
تا حق اللہ نے دی ضبط کی طاقت مجھ کو

تو سے بڑھ کر ہو کوئی لفظ تو وہ بھی منظور
تم مخاطب ہوئے کافی ہی یہ عزت مجھ کو

وسے کے معشوق کو دل جان چرانا کیسا
شوق دیتی ہی بڑھا وے مری ہمت مجھ کو

اُس ظالم کے سر چڑھتا ہی ہر دم جھبکا کھانے کو
کالے کی سی لہر آتی ہی گیسو کے دیوانے کو

جیتے جی دامن مشکل ہی بے شغل جنوں کے دن کٹنا
گلیوں گلیوں پھرتا ہوں دل لڑکوں سے بہلانے کو

ہو وہ شریک دفن تو میں مُردہ بننے پر راضی ہوں
دیکھ تو لوں آنکھوں سے اُس کے مدفن تک ساتھ آنے کو

کر کے وفا کی اُمّید اُس سے لی ہیں جو ٹھیں سی تک
اور کروں میں کون سی تدبیر اپنا دل سمجھانے کو

کوئی میرے گھر آئے تو فرصت کس کو ملنے کی
آیا اور تیار رہا میں اُس کے گھر پھر جانے کو

خون نہ تجھ پر ثابت ہوگا شوق سے کر تو قتل مجھے
لوگ تو کیا آمادہ ہوں میں اپنے بھی جھٹلانے کو

وہ جو چلا تو چل بھی میں اُس سے یہ کہہ کر اے شوق
تنہا تم کیوں جاتے ہو میں ساتھ چلوں پہنچانے کو

اپنی مسجد لے اے شیخ اب موسم گل ہی آنے کو
اپنا قبلا شجر اسے کریں تو چلا مے خانے کو

جو سمجھانے آئے گا وہ آپ سمجھ کر جائے گا
ایک جنوں کافی ہی سارے دُنیا کے بہکانے کو

اور کسی رکھ بجر کا کیا ذکر اس کے گھر کے رستے میں
خضر بھی ہوں تو دوں میں بھلا وے اُن کو بھی بہکانے کو

مجھ سے کہتے ہو تو اُٹھ جا تاکہ بٹھاؤ غیر کو پاس
یہ تو گویا تم کہتے ہو دُنیا سے اُٹھ جانے کو

شوق کہاں ہے عشق کی غیرت جل بجھنے کا وقت ہے یہ
دیکھ رہا ہے میری جانب دیکھ کے وہ پروانے کو

کیا قتل اور پھر سمجھے وہ میری بے گناہی کو
لحد پر آئے ہیں روتے ہوئے اب عذرخواہی کو

چھپایا اُس نے بدظن ہو کے مُنہ تو میں نے جھلا کر
ہزاروں بددعائیں دی ہیں اپنی بدنگاہی کو

میں تنہا عشق میں بیخود پڑا ہوں کیا خبر پاؤں
جو ہوش آتے تو اُن سے پوچھتا اپنی تباہی کو

مجھے کیا کیا ہنسی آتی ہے اپنی سادہ لوحی پر
کہ پردہ راز کا سمجھا ہوں تیری کم نگاہی کو

کہے بھی شوق اگر سب کہ تم قاتل نہیں اُس کے
سڑی ہے کون مانے گا بھلا اُس کی گواہی کو

ملا تلاش سے اپنا نشان اب مجھ کو
تمہارے گھر کا پتا دے رہے ہیں سب مجھ کو

بڑھا تمہاری طرف میں سمجھ کے کچھ راضی
کیا تمہیں نے تبسم سے بے ادب مجھ کو

ذلیل ہو کے کل آیا مگر دلِ بے تاب
چلا پھر آج وہیں لے کے بے طلب مجھ کو

اُدھر لبوں کو ہے جنبش کہ کچھ کہیں اُن سے
اُدھر وہ خوش ہیں کہ سمجھے ہیں جاں بلب مجھ کو

کیا تو وعدہ مگر اس ستم کی نیت سے
کہ انتظار جگائے تمام شب مجھ کو

جواب خط کا ابھی منتظر ہوں میں اے حشر
وہاں بھی آؤں گا فرصت ملے گی جب مجھ کو

نہ آئیں وہ مگر آنے کو کہہ تو دیں اے شوق
پئے حیات ہے درکار اک سبب مجھ کو

رنگیں حنا کے رنگ سے یوں نقش پا نہ ہو
چل پھر کے تم نے خون کسی کا کیا نہ ہو

نالے کروں گا جان کے نازک دماغ اُسے
اتنا تو دیکھ لوں کہ اُدھر کی ہوا نہ ہو

عاشق ہوا کسی پہ تو میں نے کیا یہ عہد
جز عشق اور عشق کا کچھ مدعا نہ ہو

مجھ کو لب حبیب پہ مرنا ضرور ہی
جینا یہ کیا کہ حق نمک کچھ ادا نہ ہو

کرلوں خطا یہ پہلے کہ لڑلوں میں ان سے خوب
شاید کریں نہ قتل جو میری خطا نہ ہو

ہم کو تو دل لگی سے غرض ہی کسی طرح
بےجا سہی جو آپ کا غمزہ بجا نہ ہو

عاشق مزاج وہ ہوں کہ دیکھوں جسے حسیں
اُس پہ مروں ضرور ہیں چاہے قضا نہ ہو

ڈرتے ہیں وہ کہ گھیرنے والے نہ جی اُٹھیں
اُٹھتے نہیں کبھی کہ قیامت بپا نہ ہو

نکلی ہی پہلوؤں سے نگاہ اُس کی خوں چکاں
دیکھو تو شوق کوئی نیا گل کھلا نہ ہو

روتے میں ہنسا ہیں جو ادا بھا گئی مجھ کو
منہ اُس نے چڑھایا تو ہنسی آ گئی مجھ کو

آنکھوں میں ابھی تک کسی صورت کا مزہ ہی
کیا چیز خدا جانے وہ دکھلا گئی مجھ کو

اب چپ رہو تم حشر میں ظالم سے سمجھنا
فرقت میں اجل آکے یہ سمجھا گئی مجھ کو

کھویا ہوا بیٹھا ہوں مگر دل میں کھٹک ہی
کس کی نگہِ ہوش رُبا پا گئی مجھ کو

گو وعدہ خلافی ہی کی تقریر تھی لیکن
طرز اُس کی کچھ ایسی تھی کہ بہلا گئی مجھ کو

کس کس کو میں روؤں نہ بچا دل نہ بچی جان
آخر تری آنکھوں کی نظر کھا گئی مجھ کو

جنگل کی ہوا صبح کو آئی تھی مرے گھر
رفتار جنوں شوق وہ سکھلا گئی مجھ کو

وہ ترش رُو ہی ہمیں جان ہی بھاری اب تو
پڑ گئی بات کھٹائی میں ہماری اب تو

جو دم مرگ نظر آتی ہی مجبوروں پر
وہی حالت ترے عاشق پہ ہی طاری اب تو

عمر آدھی تو کٹی رہ گئی آدھی باقی
دن کا اللہ ہی شب ہم نے گزاری اب تو

آ گئی رنگ کی سُرخی میں جھلک غصے کی
ہو گئی شکل تری اور بھی پیاری اب تو

منہ دکھاتے نہیں جب تک ہو عاشق اندھا
ان حسینوں میں یہی رسم ہے جاری اب تو

کاکلیں اس میں حسینوں کی ہیں گیسو اس میں
دل ہمارا ہے سنپیرے کی پٹاری اب تو

شوق مرجا کہیں اس خوار پڑے پھرنے سے
ہم سے دیکھی نہیں جاتی تری خواری اب تو

شک جس سے پڑے کرتے ہو وہ کام تمھیں تو
کچھ جھینپتے ہو سُن کے مرا نام تمھیں تو

کیوں اپنی مروت سے گلے سنتے ہو میرے
کہہ دیتے ہو آنے کو سرِ شام تمھیں تو

کچھ یاد بھی ہے میرے جنازے کا نکلنا
بیٹھے ہوئے ہنستے تھے لبِ بام تمھیں تو

نقشِ کفِ پا کیوں نہ مٹاتے ہوئے آئے
لوگوں میں ہوئے باعثِ اوہام تمھیں تو

موت آئی مجھے تم نے جو بے موت نہ مارا
آخر کو ہوئے موردِ الزام تمھیں تو

باغوں میں خزاں آئی تو اب کس کو سجا ہے
دُنیا میں ہو بس ایک گل اندام تمھیں تو

آئے ہو اگر لڑ کے تو پچھتاؤ گے لے شوق
بھیجو گے ابھی صلح کا پیغام تمھیں تو

حشر کا رستا دیکھ رہا ہوں پھر جی کر پھر مرنے کو
جان دوبارہ پاؤں گا میں تم پر صدقے کرنے کو

نزع میں ملنے اُس کو بلایا تو اُس نے کہلا بھیجا
کون تمھارے گھر کو آئے صورت دیکھ کے ڈرنے کو

میں تو اپنی جان چڑھا دوں لیکن یہ معلوم تو ہو
صدقے کا جی آمادہ ہے تیرے سر سے اُترنے کو

تا کہ مجھے جب قتل کرے تب ہمت اُس کی بڑھتی جاے
لوگوں سے کہتا ہوں میں اُس کی تعریفیں کرنے کو

ضعف میں ہم کو بے تکیے کے لیے چین نہیں آتا
رحم کرو اور رکھ دو اپنے زانو پر سر دھرنے کو

ایک ہوا میں ایسا پیدا جس میں دونوں باتیں ہیں
ورنہ سب پیدا ہوتے ہیں یا جینے یا مرنے کو

شوق مسافر خانہ ہوں میں اچھی صورت والوں کا

آتے ہیں نظروں پہ چڑھ کر میرے دل میں اُترنے کو

نہ تو بولو نہ اک نظر دیکھو
بات کیا ہے ذرا اِدھر دیکھو

کتنا چمکا ہے میرے سر کا داغ
صبح کے وقت دوپہر دیکھو

جا کے در پہ کبھی جو دوں آواز
ہنس کے کہتا ہے اور گھر دیکھو

نزع بھی اک بڑا تماشا ہے
ہم دکھائیں تمھیں اگر دیکھو

ضد سے رکھو وہیں قدم اپنا
جس جگہ تم کسی کا سر دیکھو

دل کی چوٹ اور تم سے ضبط اے شوق
اپنی چھاتی پہ ہاتھ دھر دیکھو

محل فلک سے دکھانے لگی زمیں مجھ کو
لحد ملی کہ ملی کوئی دور بیں مجھ کو

بڑھی ہے عالمِ حیرت میں بے کسی اتنی
کہ گم ہوں اور کوئی ڈھونڈھتا نہیں مجھ کو

کہا تو اُس نے کہ تربت پہ آؤں گا۔ لیکن
ابھی مروں اگر آنے کا ہو یقیں مجھ کو

جب آیا اُس کی گلی سے میں تب کہا دل نے
جہاں سے لائے ہو پھر لے چلو وہیں مجھ کو

یہ شکوۂ تپشِ دل تو کرتے ہو۔ لیکن
دکھاتے کیوں ہو تم اندازِ دل نشیں مجھ کو

مجھے اب آپ ہی آیا ہے اپنے حال پہ رحم
تمھارے رحم کی حاجت ذرا نہیں مجھ کو

جو اپنے در سے ہٹائیں تو اُن سے کہہ دو شوق
خفا نہ ہوں وہ جو مرنا پڑے کہیں مجھ کو

آپ میں آئے وہ تو لطفِ ملاقات بھی ہو
رنگ چڑھتی ہے جو اُتر جائے تو کچھ بات بھی ہو

ہجر کا دن نہیں کٹتا تو کہوں اب اُن سے
ایسی دنیا میں رہو چل کے جہاں رات بھی ہو

اُس کے گھر میں ہوئی ذلت تو خطا میری تھی
یہ تمنا ہی غلط تھی کہ مدارات بھی ہو

ہجر کا دن تو ہے مرنے کا میں جیتا کیوں ہوں ۔۔۔ کچھ تو انسان میں پابندیِ اوقات بھی ہو
شاید آ جائے ترس صورتِ حیرانی پر ۔۔۔ کیا عجب میری خموشی کی یہی گھات بھی ہو
قابلِ داد ہے ناتجربہ کاری اس کی ۔۔۔ دے کے دل جس کو تمنائے مکافات بھی ہو

تم پہ عاشق ہوں - یہ کہنا تو ہے گستاخیِ شوق
کیا کہوں اُس سے میں کہنے کی کوئی بات بھی ہو

گھر میں مجنوں نے خاک اُڑا دی وحشت میں دل بہلانے دو ۔۔۔ اُجڑے گا تو کا ناتا کیا ہے - ذکر اس کا اب جانے دو
بیچ میں صورت تیری ہے اور دونوں گیسو دونوں سمت ۔۔۔ لوگوں کو یہ پھبتی سوجھی ایک پری دیوانے دو
طنز یہ کی ظالم نے مجھ کو روک کے آہِ سوزاں سے ۔۔۔ چاہے کسی کا گھر جل جائے آگ انھیں بھڑکانے دو
عاشق ہونے کو آیا میں تو دل جوئی لازم ہے ۔۔۔ بے پروائی پھر کر لینا پہلے دل اٹکانے دو
پردہ اپنا رکھتے ہو تو پردہ رکھو میرا بھی ۔۔۔ تم گھر سے کیوں باہر آؤ مجھ کو گھر میں آنے دو
ایک سڑی کی بات بھی سن لو - یا تو کرو دربان کو دور ۔۔۔ یا جا روں دیوار میں اپنے گھر کی مجھ کو ڈھانے دو

سینے میں دل اور جگر کی آگ سے دم گھبراتا ہے
شوق ذرا سا کمرہ جس میں گرم ہے آتش خانے دو

سمجھ کے نیند کا آنا اجل کے آنے کو ۔۔۔ جگا رہے ہیں مجھے وہ ہلا کے شانے کو
گئی بہار تو اب ہے جنون کپڑے کا ۔۔۔ میں گھر میں ڈھونڈھ رہا ہوں بٹھے پرانے کو
جگہ تو دوں ہی گا - لیکن فریب جان گیا ۔۔۔ اسی طرف وہ چلا ہے مجھے اُٹھانے کو
کروں گا سیل میں پیدا ڑا جگر کا دکھلا کر ۔۔۔ ابھی تو ہاتھ بڑھائے گا وہ دکھانے کو
وہ کوئی غیر سمجھ کر نہیں چھپے چھپ سے ۔۔۔ بڑی ہی آنکھ چھپے ہیں نظر بچانے کو
زمین پانو کے نیچے سے نکلی جاتی ہے ۔۔۔ جگہ جنوں میں ملے کیا قدم جمانے کو

نہ غم کا غم نہ خوشی کی کرو خوشی اے شوق
نہیں ہے دیر بدلتے ہوئے زمانے کو

سوزِ غم میں پوچھتے ہو کیا ان اشکوں کی روانی کو
عشق بدن میں آگ لگا کر دوڑ رہا ہے پانی کو

ایک تماشا ہے کر بیٹھا کیسی مجھ سے چوک ہوئی
آیا وہ تو مجھ کو دیکھے یا میری حیرانی کو

ناداں بن کر دل دے بیٹھا دھیان نہ تھا تب بدلے کا
کچھ سمجھا تو کوس رہا ہے اب اپنی نادانی کو

جان کو کیا میں دیکھوں اس کے غصے سے تو چھوٹے جان
دیکھ رہا ہوں میں تو اپنی مشکل کی آسانی کو

کچھ بھی گزرے ہو نہیں سکتا وہ معشوق کا نافرمان
جرم سمجھتا ہے جو عاشق دل کی نافرمانی کو

وہ نہ دکھاتا زلفیں اپنی تو میں سڑی ہوتا ہے کیوں
مجھ کو کیوں پکڑا ہے پکڑو میرے جنوں کے بانی کو

آج پہاڑ اور کل ہے جنگل یہ حالت ہے وحشت کی
کس دن سیدھا رستا سوجھا ہے شوق اس دیوانی کو

تیرا دیوانہ نہ چلائے وہ تدبیر بھی ہو
تنگ ہو طوق کا حلقہ کہ گلوگیر بھی ہو

میں تو انسان ہوں لیکن جو وہ صورت دیکھے
کر اٹھے آہ جو انسان کی تصویر بھی ہو

عشق کے واسطے وہ عاشقِ بدنام ہے ننگ
جو سوا جذب کے منت کشِ تدبیر بھی ہو

کاٹ دو پاؤں کہ دیوانہ نہ نکلے گھر سے
یہ تو جھگڑا ہے کہ اس کے لئے زنجیر بھی ہو

چھوٹ کر قیدِ حنا سے وہ ضرور آئے گا
شرط یہ ہے کہ مرے دفن میں تاخیر بھی ہو

خبط دیکھو کہ میں جاتا تو ہوں عاشق بن کر
اور خواہاں ہوں کہ اس بزم میں توقیر بھی ہو

اپنی قسمت میں لکھاؤں گا میں جا کر اس کو
جاؤں گر ساتھ مرے کاتبِ تقدیر بھی ہو

موت سے مفت میں ہوتی ہے جوانی برباد
جو ہو عاشق ترا لازم ہے کہ وہ پیر بھی ہو

وہ تو عشاق سے اٹھتا ہے پری کی صورت

اُس کو چاہیے وہی جو عاملِ تسخیر بھی ہو

مہندی مجھے دکھلا کر ٹھوکر سے ہٹاتے ہو
ہاتھوں سے لگا کر تم پانوؤں سے بجھاتے ہو

تھوڑی سی تشفی دی چلمن کے قریب آ کر
تم سب نہ سہی لیکن کچھ تو نظر آتے ہو

جادو کے اثر سے تم چُپ کرتے ہو محشر میں
گر یہ نہیں تو آنکھیں کیوں مجھ سے ملاتے ہو

ذلت سہی لیکن ہے اک لطف گدائی میں
تم دینے کو بھیک اکثر دروازے پہ آتے ہو

خاموشیِ حیرت پر کہتا ہے وہ بے پروا
اے شوق دماغ اپنا تم کس کو دکھاتے ہو

نزع میں ہوں میں اگر قصد مرے پاس کا ہو
آؤ لیکن جو تحمل نگہِ یاس کا ہو

عشق میں مجھ کو غذا سے تو ہے نفرت لیکن
ابھی کھا لوں کوئی ریزہ اگر الماس کا ہو

نخلِ بے برگ و ثمر کو جو خزاں میں دیکھیں
اہلِ دنیا کو نظارہ مرے افلاس کا ہو

ہوں تو زار آؤ مگر تم تو شگفتہ ہو کر
اتنا پھولوں میں کہ شک جسم پہ آماس کا ہو

شکوۂ سوزشِ داغ اُس سے کیا کیوں اے شوق
اور جو ثابت یہ قصور اپنے ہی احساس کا ہو

جو تذکرۂ عشق پہ عاشق سے خجل ہو
تیرا نہ ہو شاید وہ کسی اور کا دل ہو

اچھا نہیں دل میں ہوسِ دید کا آنا
ایسا نہ ہو وہ مشقِ تصور میں مخل ہو

دُنیا میں ہے اتنی ہی شبِ وصل کی وسعت
جتنا کسی معشوق کے رُخسار پہ تل ہو

اک جنبشِ مژگان سے نہ رکھو اسے محروم
جویائے تشفی کسی ایما سے جو دل ہو

گو کاہشِ جاں شوق خموشی سے ہے لیکن
اس سے تو یہ بہتر ہے کہ کچھ کہہ کے خجل ہو

توہی کہہ چرخ ہے لوگوں پہ جفا کار کہ تو
تو کہے چرخ ہے تو میں کہوں سو بار کہ تو

تیری لکنت کا میں قائل مگر اتنا کہہ دے
میں کیا کرتا ہوں ہر بات پہ تکرار کہ تو

کس قدر میری نقاہت سے پڑا وہ شک میں
پوچھتا ہے کہ ہے سایہ پسِ دیوار کہ تو

کیوں ستم اتنے کئے اُٹھ نہ سکے جو مجھ سے
میں ہوں اب ترکِ محبت کا خطاوار کہ تو

کھایا دھوکا یہ قیامت سے کہ پوچھا اُس نے
چال فتنے کی چلی ہے مری رفتار کہ تو

پاکے حُسن اتنی جفاؤں کی ضرورت کیا تھی
حُسن اب شہر میں ٹھہرا ہے گنہگار کہ تو

تو کھڑا تھا تو وہاں شک یہ ہوا تھا سب کو
نخلِ گل صحنِ چمن میں ہے نمودار کہ تو

ہو گئی جان عذاب آج اجل سے پوچھوں
کون لیتا ہے ثواب اب ستمِ یار کہ تو

ہجر میں بخت کو پا جاؤں تو پوچھوں اے شوق
کون ہے بڑھ کے سیاہی میں شبِ تار کہ تو

ظلم کرکے کیوں کسی کی آہ لو
جاؤ جاؤ اپنے گھر کی راہ لو

پردہ اُس گھر کا جو رکھنا ہو تو ساتھ
بدلے رہبر کے کوئی گمراہ لو

عشقِ حُسنِ عارضی سے کب تلک
چار دن بیاہ ہو جسے تم چاہ لو

ہو جو نازک تو نہ بن کر بے وفا
سر پہ خونِ حسرتِ جاں کاہ لو

شوق بحرِ عشق ہے بے حد عمیق
غیر ممکن ہے کہ اس کی تھاہ لو

کبھی شراب کی خواہش نہ تھی نہ ہے مجھ کو
ہر اک کرشمہ تری آنکھ کا ہے مے مجھ کو

قلم نہیں اُسے لکھنے کو خط تو کیا پروا
ہر استخوانِ بدن دے گا کارِ نے مجھ کو

یقیں نہ ہو کہیں وہ شکر کہ میں خدا سے آج
یہ کہہ رہا تھا کہ دے ڈال ایک شے مجھ کو

نہیں ہے پاس سے حاجت حیات کی لیکن / جلائے دیکھئے اُمید تا بہ کے مجھ کو

اجل کو ٹال یہاں تک کہ اُس کے گھر پہونچوں
یہ راستا ابھی کرنا ہے شوق طے مجھ کو

۵

کاش اتنی ہو فرقت کہ نہ پہچان سکے وہ / پہلے کا میں عاشق ہوں۔ نہ یہ جان سکے وہ
سونے میں جوانی کی ادا بن نہیں پڑتی / اب ایک دو پٹا ہے تو کیا تان سکے وہ
کیا نال گڑی ہے ترے کوچے میں جنوں کی / خاک اور جگہ بھی ہے اگر چھان سکے وہ

کہتے ہو وفا کو سو وفا اُس میں نہیں ہے
بات ایسی کہو شوق جسے مان سکے وہ

وصل ممکن ہے کہ اُمیدِ وفا کہتی ہے کچھ / زیرِ لب اُس کے تبسم کی ادا کہتی ہے کچھ
کون ان دونوں میں جیتے کون ہارے دیکھئے / شوخیاں کہتی ہیں کچھ اُس سے حیا کہتی ہے کچھ
ہیں تو چپ اُس کی مروت سے ہوں محشر میں مگر / شکل مجھ مظلوم کی پیشِ خدا کہتی ہے کچھ
تو نہ مانگے منہ سے لیکن دل کا بچنا ہے محال / شان تیرے حسن کی او خود نما کہتی ہے کچھ
چھا گیا ہے رو برو اُس کے زباں پر رعبِ حسن / دیکھئے کم بخت چپ رہتی ہے یا کہتی ہے کچھ
کر نہ کر تو رحم اُس پہ دے نہ دے اُس کو جواب / سن تو اے ظالم کہ بیکس کی صدا کہتی ہے کچھ

کشمکش میں پڑ گئی دونوں کی خاطر شوق جان
اُس کے لب کچھ کہہ رہے ہیں اور قضا کہتی ہے کچھ

ہم جو آئے کاٹ دی مہندی میں تو نے رات یہ / ناخنوں میں ہم سمجھ سکتے ہیں تیری بات یہ

تم نے پھنکوایا ہی تھا سوتے کو مُردہ کہہ کے آج
راہ چلتے مانگتے ہیں دل غریبوں سے حسین
چین مجھ کو آسمانوں اور زمینوں سے کہاں

میں نہ جاگ اُٹھتا تو چل جاتی تمھاری گھات یہ
رہ گئی دُنیا میں اب تو حُسن کی اوقات یہ
ایک میں۔گھیرے ہیں جس کو سات وہ اور سات یہ

فکرِ دُنیا۔خوفِ عقبیٰ۔سب سے بڑھ کر عاشقی
اک ذرا سا دل ہے شوق اور کثرتِ آفات یہ

جگہ زلفوں میں دے کر کیا لگائے گا ٹھکانے وہ
دلاؤں کیا یقیں اپنی محبت کا کہ ہے ضد پر
کچھ ایسی ہچکیاں لی تھیں کہ سُن کر نزع آ بیٹھا
ہوا یہ لطف حاصل میری تربت کو شہادت سے
بچھا دو ایک کرسی جاں کنی میری قریب آئی
گئی شاید بہار اب ہوش میں ہے تیرا دیوانہ
جوانی آتے ہی آیا دکھانے مجھ کو حُسن اپنا
ترے عاشق کی ہمت آفریں کہنے کے قابل ہے

کبھی آنکھوں سے دیکھا ہو تو دل کی قدر جانے وہ
خدا کو ایک کہہ دوں میں تو ایک اُس کو نہ مانے وہ
بہانہ وہ کیا مینے کہ بھولا سب بہانے وہ
کہ آیا آج میری موت کی منت بڑھانے وہ
تماشا دیکھنے کو آ کے بیٹھے گا سرہانے وہ
کہ بیٹھا جوڑتا تھا آج کچھ ٹکڑے پرانے وہ
الٰہی سیکڑوں دیکھے جوانی کے زمانے وہ
کہ بے دل ہے مگر آتا ہے تجھ سے دل لگانے وہ

سُنانے کیا چلے ہو شوقؔ اُس کو سرگزشت اپنی
سُنے بیٹھا ہے ایسے ایسے کتنوں کے فسانے وہ

کریں مرے جنازے کا کہاں تک انتظار وہ
وہ مجھ کو دیکھیں کس لئے۔وہ مجھ سے ملنے آئیں کیوں
ہوا کرو دل میں ترے [illegible] کیا سمجھ اُنھیں
ستائے ٹوٹے رات کو تو کہیں مری خوشا دیں

قدم بڑھاؤ۔جھانکتے ہیں در سے بار بار وہ
نہ اُن سا خوش جمال میں نہ مجھ سے بے قرار وہ
میں لاکھ بار مر چکا نہ سمجھے ایک بار وہ
بہت ڈرے سمجھ کے میری آہ شعلہ بار وہ

نہیں جو ملتے یوں تو شوق خوب سمجھوں میں اُنھیں
کہیں جو تنگ راستے میں مجھ سے ہوں دوچار وہ

سیکھ لے کاش شوخیاں اُس سے ادا - ادا سے وہ
آئے وہ دن کہ دور ہو اُس سے حیا - حیا سے وہ

چہرہ ہو تو ہو سرخ رو - رنگ سے وہ تو اُس سے رنگ
دانت ہیں تو فروغ پر اُن سے جلا - جلا سے وہ

ہاتھ بھی آپ ہی ہیں لال - پانو بھی آپ ہی ہیں لال
خیر سے آشنا نہیں اُن سے حنا - حنا سے وہ

جان کسی کی کیا بچے - چشم و نگاہِ ناز سے
دست و بغل ہیں رات دن اُن سے قضا - قضا سے وہ

شوقِ بلا نصیب سے پوچھئے کاکلوں کا حال
رنگ وہ ہے کہ مشتبہ اُن سے بلا - بلا سے وہ

چلمن سے جھانکتے ہیں مجھے بار بار وہ
ٹٹی کی آڑ کھیل رہے ہیں شکار وہ

ڈوبا ہو اتنی بار مرا جی فراق میں
اب مر بھی جاؤں تو نہ کریں اعتبار وہ

میں خاک میں ملا تو تیمم کیا ہے ترک
مجھ کو سمجھ رہے ہیں شریکِ غبار وہ

کھویا مری سمجھ کو تحمل نے عشق میں
سمجھوں نہ ایک چاہیں سُنائیں ہزار وہ

کیسی مری تڑپ ہے اسے آزما نہ لیں
مجھ سے جتا کے چاہ نہیں بے قرار وہ

جبر اتنا کیوں مری کششِ عشق نے کیا
با اختیار سے ہوئے بے اختیار وہ

نازک بہت بنے ہیں تو میں چپکے مر مٹوں
شاید اُٹھا سکیں نہ جنازے کا بار وہ

تکلیفِ نزع کتنی مبارک ہوئی مجھے
آتے ہیں دیکھنے کے لئے بار بار وہ

آنسو بھرے ہیں دور ہی آنکھوں سے دیکھنا
بیٹھے ہوئے ہیں شوق سمندر کے پار وہ

جنوں کر چل کے گلشن میں ملاقاتِ گل و لالہ
وہ تیرے واسطے طے کر کے آئے راہ یک سالہ

سیاہ آنکھیں غزالوں کی تو یوں ہونے کو ہیں لیکن — نصیب اُن کو کہاں تیرا سا سُرمہ اور دُنبالہ
مری آغوش کا حلقہ بھی یوں ہی گرد تیرے ہو — نظر آتا ہی جیسے رات کو گرد قمر ہالہ
بدن میں آگ کتنی سوزشِ الفت نے بھر دی ہی — دہن سے جو نفس نکلا وہ نکلا بن کے پرکالہ

ہوا ہوں گم دیارِ عشق میں لے شوق میں یوں ہی
زمیں پر گر کے مٹ جاتی ہی جیسے صورتِ ژالہ

کہتے ہو بے وفا مجھے غم کا سبب ہی یہ — اپنا سا سب کو جانتے ہو تم غضب ہی یہ
چلتا ہی دستِ شوق سے دامن بچا کے وہ — شاید سمجھ گیا ہی بڑا بے ادب ہی یہ
نادم ہوا ہوں میں خبرِ مرگ بھیج کر — بدظن کو شک ہوا ہی کہ حُسنِ طلب ہی یہ
وعدہ ہی کل کے دن کا مگر دن یہاں کہاں — سمجھوٹا سمجھ چکا کہ مرے گھر کی شب ہی یہ

جلنے لگا ہی آتشِ الفت سے جسمِ شوق
سمجھے غلط تمام اطبا کہ تب ہی یہ

ی

دل لے کے گئی ہی کہ جگر لے کے گئی ہی — کچھ تو مرے پہلو سے نظر لے کے گئی ہی
اللہ ہی ظالم کو بچائے کہ شہادت — محشر میں مجھے خون میں تر لے کے گئی ہی
آپے میں شبِ وصل رہا - پھر مجھے غفلت — کیا جانے کہاں وقتِ سحر لے کے گئی ہی
دل زلف نے چھینا ہی تو معدوم نہ کر دے — لٹکائے ہوئے تا بہ کمر لے کے گئی ہی
اللہ کرے آج نہ پلٹائے اُسے یاس — اُمید جسے جانب در لے کے گئی ہی
بادِ سحری اُس کو مرا حال دکھانے — سوکھا ہوا اک برگِ شجر لے کے گئی ہی

دیکھو تو جوانی کا لڑکپن کہ گھر اُس کے
دل لے کے نہ جانا تھا مگر لے کے گئی ہے

نازک ہے دماغ اُس کا تو کس دل سے مری آہ
کانوں میں تمنا کے اثر لے کے گئی ہے

ہو شوق بلا کش کہ کوئی اور ہو لیکن
موت آج کسی کو ترے گھر لے کے گئی ہے

خون دکھلاتا ہے رنگِ لبِ تر سے کوئی
پی کے شاید ابھی نکلا ہے جگر سے کوئی

ہجر کم بخت کا ہر روز قیامت نکلا
نظر آتا نہیں کم چار پہر سے کوئی

آگیا ہجر کے ڈر سے مرا بچپن واپس
رات بھر مجھ کو ڈراتا ہے سحر سے کوئی

کر کے دیوانہ محبت کے اثر سے آخر
لے گیا چھین کے مجھ کو مرے گھر سے کوئی

دیکھے بھالے ترے تیروں کے ہیں پہلو دونوں
کہ ادھر سے کوئی آتا ہے اُدھر سے کوئی

سنگ اسود کی بہت دھوم سُنی ہے ہم نے
کیا چُرا لے گیا پتھر ترے در سے کوئی

ماہ کامل کو بھی اور اُس کو بھی دیکھا لے شوق
چیز دلچسپ نہیں بڑھ کے بشر سے کوئی

روؤں اے بادل تو جل تھل بھر کے چھوڑوں تو سہی
تجھ کو میں پانی سے پتلا کر کے چھوڑوں تو سہی

تو ستائے لاکھ باز آؤں نہ تیری چاہ سے
میں بھی ضدی ہوں عیادت کر کے چھوڑوں تو سہی

خاک ہوں ور اُڑ کے رکوں تاک جھانک اغیار کی
یوں کھلے روزن نہ تیرے در کے چھوڑوں تو سہی

تو نہ ڈر کہہ دوں گا سر کے بل گرا خنجر پہ میں
اپنے سر خون اپنا ثابت کر کے چھوڑوں تو سہی

آج سنبل کل بلا پرسوں کہوں کاکل کو سانپ
لاکھ شوشے گرد تیرے سر کے چھوڑوں تو سہی

دل جنوں کو شہ اگر ناصح کرے خالی دماغ
جتنا خالی ہو پھر اُتنا بھر کے چھوڑوں تو سہی

شوق دھوؤں سب غبار اُس کے دلِ رنجیدہ کا

دونوں مشکیزے ہیں چشم تر کے چھوڑوں تو سہی

ہے کون بلا زلفِ گرہ گیر کسی کی
سو پیچ دکھا سکتی ہے تقدیر کسی کی

ہر روز ترقی پہ جو ہے حُسن کی صورت
اک ایک سے ملتی نہیں تصویر کسی کی

کیا ہو جو ذرا ہاتھ حنا زے کو لگا دو
اتنے میں ہوئی جاتی ہے توقیر کسی کی

بدظن ہوا ظالم کہ یہ ہے بوسہ بہ پیغام
دُہرائی جو میں نے کبھی تقریر کسی کی

اب فرض مرے گھر میں ہیں سب دن کی نمازیں
شب ہونے نہیں دیتی ہے تنویر کسی کی

اکسیر ہے گویا تپ دیوانگیِ عشق
سونے کی ہوئی جاتی ہے زنجیر کسی کی

پہونچی ہے ترے حسن کی شہرت کے برابر
کیا ناموری پا گئی تشہیر کسی کی

پہونچا ہے جنوں تک اثرِ جوشِ گل ایسا
بلبل سی چہکنے لگی زنجیر کسی کی

کچھ دیر ہے شوق اُس کو نہ بنتے نہ بگڑتے
لڑکوں کا گھروندا ہوئی تقدیر کسی کی

کبھی تولہ کبھی ماشہ جو مزاج اُس کا ہے
کل بدل جائے گا یہ رنگ جو آج اُس کا ہے

کوئی امیدِ عیادت میں پڑا ہے بیمار
تم تو بات اُس کی نہ پوچھو یہ علاج اُس کا ہے

ہفت اندام میں ہے حُسن کا دعوے دل پہ
ہفت اقلیم میں گویا یہ خراج اُس کا ہے

موت کچھ عشق کی دُنیا میں نرالی دیکھی
زندہ درگور ہو عاشق یہ رواج اُس کا ہے

ضعف میں شوق کے پڑنے سے تو مرنا اچھا
یوں ہی جیتا ہے وہ کچھ کام نہ کاج اُس کا ہے

جاں ستاں ہیں تری آنکھوں کی ادائیں میری
سب کی ہے ایک قضا۔ دو ہیں قضائیں میری

تو نہ ڈر۔ آہ نہ پہونچے گی خدا تک ہرگز
راستا عرش کا روکے ہیں دعائیں میری

یاس کتنی ہوئی مجھ کو ترے در پہ آکر
اک نہ سُننا ترا اور لاکھ صدائیں میری

ہم بھی کچھ سمجھے جو وہ کھول کے زلفیں بولا
کس کے سر دیکھئے جاتی ہیں بلائیں میری

بزم میں دل مرے دلبر نے ملایا مجھ سے
داہنے تو ہے جگہ غیر کی بائیں میری

بے خطا ہونے پہ میں عذر سے مجبور ہوا
آپ گنوانے لگے اتنی خطائیں میری

سخت جانی کا گلہ مجھ سے وہ یوں کرتے ہیں
شوق ضائع ہوئی جاتی ہیں جفائیں میری

سینک نہیں سکتے آنکھیں بھی عاشق اُن کے گالوں کے
نام بڑا اور درشن تھوڑے اچھی صورت والوں کے

قسمت میری ہاتھ آتی تو گن کے دکھاتا میں تجھ کو
پیچ زیادہ اس کے ہیں یا گھونگھر تیرے بالوں کے

دشت جنوں شاداب ہے گا دھوپ کڑی ہو کتنی ہی
روز چھڑکتے ہیں ہم بھر کر کچھ مشکیزے چھالوں کے

نظروں نے یہ دھوکا کھایا کون ہے گل اور کون ہے گال
گل رکھے جب ہم نے لا کر سامنے اُس کے گالوں کے

لہراتے ہیں دونوں گیسو ناگ سے بچنا اے دل آج
کاٹ کے چلنا وہ رستا جو بیچ میں ہے دو کالوں کے

کون کرے گا دعوے تجھ پہ خوف نہ کر تو محشر کا
ہو نہیں سکتے حشر تک اجزا جمع ترے پامالوں کے

حل کرنا شطرنج کے مشکل نقشوں کا اک کھیل ہے شوق
میری سمجھ میں آئے نہ لیکن نقشے اُس کی چالوں کے

اشک پہ اشک جو آنکھوں سے گرا پڑتا ہے
منہ چھپا لیتا ہوں میں جب کوئی آ پڑتا ہے

ہو گئے اب تو بہت قدر کے قابل نالے
خوب ہنستا ہے وہ جب میرا گلا پڑتا ہے

گال ہی کیا ہیں بدن بھر کی اُمنگیں دیکھو
آج کل حسنِ شباب اُس پہ پھٹا پڑتا ہے

اور شغلوں سے تو اچھا ہے کہیں عشق کا شغل
اُس میں رونے کے سوا کام ہی کیا پڑتا ہے

ہے یہ شاید مرے محبوب کے کوچے کی زمیں
آپ ہی آپ بدن میرا گرا پڑتا ہے

اُس سے ہیں شرط میں سو مرتبہ دل ہار چکا
میری تقدیر کا پانسا ہی بُرا پڑتا ہی

بل کی لے لے کے بگڑتے ہیں جو گیسو اُس کے
رُخِ صفائی کے لئے بیچ میں آ پڑتا ہی

کتنی افلاس زدہ ہی مرے گھر کی حالت
خاک ملتی ہی جدھر ہاتھ مرا پڑتا ہی

کتنا آرام طلب عشق میں ہی شوق کہ روز
ایک دیوار کے سائے میں وہ جا پڑتا ہی

خون میرا کر کے دھبے پیرہن پر لے گئے
آج دامن مفت کے پھولوں سے وہ بھر لے گئے

بچ گئے اُس بُت کا سنگِ در ہمیں یاد آ گیا
جیسے ہی مسجد میں سجدے کی طرف سر لے گئے

اُس کو آنکھوں میں جگہ دی ہی تو بدظن کیوں نہ ہو
ہم کسی کو کیوں بھلا پردوں کے اندر لے گئے

صبر سے تو کر نہیں سکتے ہیں مجھ کو بے نصیب
وہ گئے گھر سے تو کیا میرا مقدر لے گئے

حُسن نے باہم کیا تقسیم میرے عشق کو
ٹکڑے ٹکڑے کر کے دل کو چند دلبر لے گئے

رشک تھا اس کا کہ میں کیوں تیرے چوکھٹ پہ مرا
لوگ آخر میری میت کو اُٹھا کر لے گئے

اُن اداؤں میں پڑا ممکن نہیں جن کا بیان
کیا بتاؤں اب کہ میرا دل وہ کیونکر لے گئے

دل ٹٹولے۔ بھید تیری چاہ کا لیتا پھرا
وسوسے بدظن بنا کر مجھ کو گھر گھر لے گئے

گور میں دو چار گز کپڑے کے شرمندہ ہیں شوق
اور اس دنیا سے ہم کیا خاک تیھر لے گئے

بے خودی میری کہاں رکھتی ہی روپوش مجھے
کہیں ڈھونڈے نہیں پاتا ہی مرا ہوش مجھے

وصفِ زلفوں کا جو رہتا ہی زباں پر ہر دم
لوگ کہتے ہیں زمانے میں بلا نوش مجھے

پھوٹ نکلی ترے سائے سے بدن کی رنگت
کہ نہیں آج نظر آتی ہی گل پوش مجھے

وا جو دیکھا مرا دیدہ تو یہ کہتا پلٹا
نظر آیا کوئی کھولے ہوئے آغوش مجھے

مے پلاتا ہوں تو منہ پھیر کے وہ کہتا ہے
میں سمجھتا ہوں کہ تم کرتے ہو بے ہوش مجھے

ماہ کو دیکھ کے ہالے میں وہ بولا ہنس کر
تم جو پاؤ تو کرو یوں ہی ہم آغوش مجھے

کسی معشوق کی آنکھوں کو میں دیکھ آؤں شوق
مے پیوں اور نہ سمجھے کوئی مے نوش مجھے

منہ پہ اُس گل کے کلی کس لئے تو آتی ہے
تیرے ہونٹھوں سے ابھی دودھ کی بو آتی ہے

قرب ممکن نہیں اُس کا کہ چھوؤں ہاتھ سے میں
نگہِ شوق مگر دور سے چھو آتی ہے

ہوش رہتا ہی نہیں اے شبِ فرقت مجھ کو
موت آتی ہے مرے گھر میں کہ تو آتی ہے

کوئی سوزن لئے نکلا تو جنوں چلایا
بھاگ دامن اسے ترکیب رفو آتی ہے

چھپ گیا حلق کے کانٹوں سے مرے عشق کا راز
آہ اٹک جاتی ہے جب تا بہ گلو آتی ہے

مل کے آیا ہے مگر دل کا لہو اشکوں میں
میرے رومال سے کچھ خون کی بو آتی ہے

ہے خزاں شوق مرے نخل تمنا کی بہار
خشک ہو جاتا ہے جب فصلِ نمو آتی ہے

کیا قیامت ہے کہ چڑھتا ہے نہیں سے کوئی
ایک دل ہے وہ اُسے دے لاکے کہیں سے کوئی

عشق کا نام ہی بد ہے کہ بھری محفل میں
رُخ کو پھیرے ہوئے ملتا ہے ہمیں سے کوئی

گر پڑا ہاتھ سے آئینہ یہ ہم نے دیکھا
پوچھے اب اُن کے تحیر کو اُنھیں سے کوئی

ناز - یا قہر - یہ میں کہہ نہیں سکتا لیکن
ہے وہاں تیغ بہ کف چینِ جبیں سے کوئی

تیری آواز میں ہستی و عدم دونوں ہیں
ہاں سے جیتا ہے تو مرتا ہے نہیں سے کوئی

ان بلاؤں نے کہاں سے مرا گھر دیکھ لیا
کہ فلک سے کوئی آتی ہے زمیں سے کوئی

حُسن کا زورِ ستم ہے کہ اسی کے بل پہ
ہم کو چھینے لئے جاتا ہے ہمیں سے کوئی

کتنے ٹکڑے ہوئے دل کے۔ یہ خبر کیا لیکن
دے رہا ہے مجھے چُن چُن کے زمیں سے کوئی

پردۂ چشم میں پنہاں نہ ہو غمزہ اے شوق
جھانکتا ہے مجھے ہر بار کمیں سے کوئی

وہ خوش کہ ہیں جگر کو نظر میں لئے ہوئے
ہیں خوش کہ ہوں نظر کو جگر میں لئے ہوئے

آنا ہوا عدم سے جو بزمِ وجود میں
آئے ہیں وہ عدم کو کمر میں لئے ہوئے

کہتا ہے وہ حیا سے پسینے میں ڈوب کر
ہے کوئی مجھ کو دیدۂ تر میں لئے ہوئے

بو تم نے دی نسیم کو اور وہ ہے کوچہ گرد
ہم کو ملی تھی راہ گزر میں لئے ہوئے

رویا میں اشکِ سُرخ تو بولا وہ طنز سے
کتنا لہو ہیں آپ جگر میں لئے ہوئے

زلفوں سے دل کو پھینک بھی دیں ورنہ عمر بھر
بیٹھے رہیں گے دردِ وہ سر میں لئے ہوئے

کچھ حُسن سے چلا نہ ہمارا غرورِ عشق
بیٹھے رہے دماغ کو سر میں لئے ہوئے

دل کیوں عدم سے لائے کہ اب پھر رہے ہیں ہم
اک روگ اپنے ساتھ سفر میں لئے ہوئے

کیا ہے دماغ چرخ اسی سے فلک پہ شوق
ایک اشرفی ہے جیبِ سحر میں لئے ہوئے

جتنے ٹکڑے ہیں دلِ ناکام کے
سب نگینے ہیں تمہارے نام کے

کاجل آنکھوں میں لگایا اُس نے آج
بڑھ گئے دو اور پھندے دام کے

ٹانگے ہیں ساقی نے چھینٹوں کے لئے
چند ٹکڑے جامۂ احرام کے

دل کے بہلانے کو چھوڑوں ڈاک میں
اُس کی جانب سے خط اپنے نام کے

ہجر میں زنجیر کی کڑیوں کی طرح
شام آئی بعد ہی ہر شام کے

راکھ کے نیچے دبی ہو جیسے آگ
ہم ہیں یوں نیچے مزارِ خام کے

پڑتی ہے تجھ پر فرشتوں کی نظر
منہ چھپا دو سونے والے بام کے

دل بھی ٹوٹا اور جگہ بھی مٹ گیا
وہ ہی پہلو تھے مرے آرام کے

سن کے میرا نام بولے کون شوق؟
سیکڑوں دنیا میں ہیں اس نام کے

لب کھول نہ دیں۔ مرتے ہیں بیمار انھیں کے
جیتے رہیں سب ہو کے غمخوار انھیں کے

روزن کریں نالے مرے تو کیوں وہ خفا ہوں
کمرے ہوئے جاتے ہیں ہوا دار انھیں کے

موت آئی تو ہم کہتے ہیں کیا حشر نہ ہوگا
پھر جیتے ہی پھر ہوں گے طلبگار انھیں کے

آئینے میں اپنی ہی نگاہوں پہ چڑھے وہ
اچھا ہی انھیں پر ہوئے اب وار انھیں کے

بے جرم ہوئے قتل مگر کھا کے ترس ہم
محشر میں گئے بن کے گنہگار انھیں کے

اس سے تو ہمیں کاش وہ گھر ہی میں بلا لیں
کہلاتے ہیں یوں بھی پس دیوار انھیں کے

کیوں ہوش میں رہنے نہیں دیتے ہیں وہ مجھ کو
سب ناز ہوئے جاتے ہیں بیکار انھیں کے

داغ اس سے مٹے جاتے ہیں مرہم کو چھوڑا لیں
احباب ہوئے جاتے ہیں نادار انھیں کے

زلفوں ہی کو تیرے آج خفا دل سے ہے تو شوق
مجھ کو جو یہ بھاری ہے تو سر بار انھیں کے

لاشیں تیرے مقتولوں کی آج تو سب گڑ جائیں گی
لیکن ظالم حشر کے دن بھی کیا یہ گلے پڑ جائیں گی

عشق و حسن کی دنیا میں ہو دو کی جنگ سے دو کا میل
دل آپس میں مل جائیں گے جب آنکھیں لڑ جائیں گی

دفن کرا اپنے کوچے میں تاکہ رہیں سب تازہ دم
اور جگہ تو لاشیں تیرے کشتوں کی سڑ جائیں گی

بیٹھے سے بیگار بھلی آج اس کے گھر چل دیکھوں میں
اور نہ ہو کچھ حاصل آج پر آنکھیں تو لڑ جائیں گی

شوق چھپائے بیٹھے ہو کیوں اُن سے دل کو بہا دیں

دے ہی دو گے جب وہ آنکھیں لینے پر اڑ جائیں گی

چُپ بھی ہو۔ دل بھی کرشموں سے لیے جاتا ہو ۔۔۔ چوکتا کب ہو۔ وہ کام اپنا کیے جاتا ہو
محتسب خاک میں شاید کوئی مے نوش ملا ۔۔۔ تیری پھینکی ہوئی مے سب وہ پیے جاتا ہو
معجزہ زندگیِ عاشقِ جاں باز کا دیکھ ۔۔۔ بار رہا تجھ پہ مرا پھر بھی جیے جاتا ہو
کبھی گالی کبھی صدمہ تو کبھی داغِ جگر ۔۔۔ روز وہ حُسن کی خیرات دیے جاتا ہو
کس مزے میں ترا وحشی ہو کہ دامن اپنا ۔۔۔ نوچتا جاتا ہو خود اور سیے جاتا ہو
جان لیتی ہو اجل۔ تو دلِ عاشق رکھ لے ۔۔۔ تجھ کو یہ اپنی نشانی وہ دیے جاتا ہو
اُس کے کوچے سے مجھے کیا مرے دل کو رو کو ۔۔۔ میں نہیں جاتا ہوں یہ مجھ کو لیے جاتا ہو
ناز پرور وہ مرے دل کا سمجھئے غم کو ۔۔۔ کہ مرا خون یہ ہر وقت پیے جاتا ہو

مر مٹا شوق جو محفل سے نکالا تو نے
خود وہ کیا جاتا ہو لاش اپنی لیے جاتا ہو

تو اب اُٹھنے پہ ہو یہ کہہ کے کہ نیند آئی ہو ۔۔۔ دشمنِ جانِ تمنّا تری انگڑائی ہو
رنگ کچھ خون کے آنسو ہی بھریں چہرے میں ۔۔۔ کہ مرے رنگ کا اُڑنا بھی تو رُسوائی ہو
موت نزدیک ہو وہ آئیں نہ آئیں کیا غم ۔۔۔ اب مرے پاس بھی سامانِ شکیبائی ہو
واں حنا ہاتھ میں یاں رُخ پہ لہو کے آنسو ۔۔۔ اُن سے کس رنگ میں کم میری خود آرائی ہو
کیوں مجھے وقتِ نماز اُس کی گلی میں آیا ۔۔۔ یہ نہ سمجھے کہیں زاہد کہ جبیں سائی ہو
حُسن نے عشق پہ حملہ کیا دو شکلوں سے ۔۔۔ کچھ خدا داد ہو کچھ اُس کی خود آرائی ہو
اے خدا دے مجھے اب دو کے عوض سو آنکھیں ۔۔۔ حُسن اُس کا بہت اور کم مری بینائی ہو
دھوپ میں چل کے ذرا دیکھ لو سایہ اپنا ۔۔۔ صرف دالان ہی تک دعویِ یکتائی ہو

ہجر میں شوق زمانے کی خبر ہے کس کو
اب خدا جانے دن آیا ہے کہ رات آئی ہے

کیا کہیں زاہد بتوں سے کب کی رسم و راہ ہے — ہم سے اور ان سے بہت روزوں کی یاد اللہ ہے
رشک کہتا ہے کہ اُس کو میں کہیں جانے نہ دوں — جس طرف رُخ ہو یہ کہہ دوں میرے گھر کی راہ ہے
سُن چکا سو بار لیکن پھر بھی میرا دردِ عشق — یوں وہ سُنتا ہے کہ گویا کچھ نہیں آگاہ ہے
دیکھنا ہو کچھ تو زاہد میرے بت خانے کو چل — تیری مسجد میں تو بس اللہ ہی اللہ ہے
شب کو میری جان کا دشمن تھا ہر تیرِ شہاب — بدگماں ہو کر وہ کہتا تھا کہ تیری آہ ہے
چاہتا ہوں اُتنی ہی کوتاہ اپنی عُمر میں — جتنی عُمر اُس کے شبابِ حُسن کی کوتاہ ہے

جو کبھی پہلے تھی ہم میں شوق وہ جاں اب کہاں
عشقِ ظالم تو تپِ دق کی طرح جاں کاہ ہے

کوئی تم سے جُدا اور دردِ جُدائی لے کے بیٹھا ہے — وہ اپنے گھر میں اب اپنی کمائی لے کے بیٹھا ہے
جگر، دل، جان، ایماں، اب کہاں تک نام لے کوئی — وہ ظالم سیکڑوں چیزیں پرائی لے کے بیٹھا ہے
خدا ہی ہے مری توبہ کا جب ساقی کہے مجھ سے — ارے پی بھی کہاں کی پارسائی لے کے بیٹھا ہے
وفا اُتنی کہاں سے لاؤں آخر صرف کرنے کو — وہ ظالم دل میں جتنی بے وفائی لے کے بیٹھا ہے
ترے کاٹے شبِ غم میری برسوں سے نہیں کٹتی — تو پھر تو اے خدا ناحق خدائی لے کے بیٹھا ہے
کہوں کچھ میں تو وہ مُنہ پھیر کر کہتا ہے اوروں سے — خدا جانے یہ کب کی آشنائی لے کے بیٹھا ہے

عمل کچھ چل گیا ہے شوق پر زاہد کا اے رندو
کہ مسجد میں پُرانی اک چٹائی لے کے بیٹھا ہے

بتوں کے سامنے محشر میں میری سی نہیں کہتے — یہ سب کہتے ہیں مُنہ دیکھی خدا لگتی نہیں کہتے

نہ پوچھو عاشقوں سے کچھ انھیں مثلِ حنا پیسو
یہ کمبخت اپنے دل کا بھید جیتے جی نہیں کہتے

یہ ڈر لوگوں پہ غالب ہی کہ حالت میری ظالم سے
سنی کا ذکر کیا آنکھوں کی دیکھی بھی نہیں کہتے

ہماری آہِ گرم ایسی پڑی سرو اسکے کوچے میں
کہ اب تو ضد سے ہم بجلی کو بھی بجلی نہیں کہتے

محبت قیس کو لیلی سے کتنی تھی ذرا سن لو
یہ ساری سرگزشت اس کی ہی ہم اپنی نہیں کہتے

چھلک آیا یہاں تو میرے دل کا خون آنکھوں میں
وہ قائل جوش کے ہیں خون کی سرخی نہیں کہتے

جو سنتے سنتے وہ گھبرا کے اٹھ بھاگیں تو پھر کیا ہو
اسی سے آرزو جتنی ہی ہم اتنی نہیں کہتے

ترے بیمار کو سو بار دن میں دیکھتے ہیں سب
مگر ہر بار جیسی شکل تھی ویسی نہیں کہتے

گزاری عمر ساری اک ذرا سی جان دینے میں
اسے کیا کہتے ہیں اے شوقؔ اگر سستی نہیں کہتے

ظاہر ہی میری شکل سے جو میرا حال ہی
پوچھو نہ کچھ فقیر کی صورت سوال ہی

جس خوبرو نے دیکھ لیا چھین لے گیا
گویا ہمارا دل کسی مفلس کا مال ہی

صرف اس امید پر کہ وہ ہوگا شریکِ دفن
مرنے کی یہ خوشی ہی کہ جینا وبال ہی

غیروں کی بزم ہی یہ چلو دونوں اٹھ چلیں
اپنا نہیں خیال تمھارا خیال ہی

سچا سہی مگر ہمیں ایفائے وعدہ تک
اپنی وفائے عمر میں کچھ احتمال ہی

کہتا ہی رخ کہ رنگِ شباب اُن پر آ چلا
یہ تو مرے جنوں کے لئے نیک فال ہی

کیا تیرگی ہی شوقؔ مرے روزِ ہجر کی
سورج فلک پہ چہرۂ زنگی پہ خال ہی

یوں صدا دیتی ہی خالی نے بھی
مجھ میں آواز بھی ہی اور لے بھی

زلفِ پرپیچ کا سودا اسے دل
کچھ تری گانٹھ گرہ میں ہی بھی

چشمِ جاناں کا کرشمہ دیکھو
خود ہی میکش بھی ہے خود ہی مے بھی

توڑ پھوڑ اتنی جنوں نے کی ہے
کہ مرے گھر میں نہیں اک شے بھی

صرف زُنّار ہی کیا ہے اے شوق
بول دی ہم نے بتوں کی جے بھی

حسن پاکر دشمنِ اہلِ نظر ہی کیوں بنے
تم پری بن کر چھپے رہتے بشر ہی کیوں بنے

دل دیا سینے یہ الزام اپنے سر لے لوں۔ مگر
یہ تو کہئے آپ پہلے معتبر ہی کیوں بنے

زلف سے سامانِ ظلمت کم بچا صانع کے پاس
وصل کی شب ورنہ اتنی مختصر ہی کیوں بنے

دیکھتا تم کو تو یہ کہتا جنوں سے پیشتر
میں اُجاڑوں گا اِسے آخر تو گھر ہی کیوں بنے

مبتلائے غم ہیں اب ہم ہو کے واقف غیر سے
دیدہ و دانستہ اتنے باخبر ہی کیوں بنے

اُس نے باندھی تیغ اب فطرت کی محنت ہے فضول
سر کا حاصل ہے جو کٹ جانا تو سر ہی کیوں بنے

دیکھنا اُس کا نہ ہو اے شوق اگر مدِ نظر
آنکھ میں پُتلی تو پُتلی میں نظر ہی کیوں بنے

تجھ سا ظالم ہے فلک بھی تو اجارا کیا ہے
نیل کا ماٹ ہی بگڑا ہے تو چارا کیا ہے

نہ تو دل پر نہ جگر پر نہ کلیجے پہ قرار
ایک بجلی ہے ستمگر کا نظارا کیا ہے

بے قراری کا کچھ احساس نہیں ہے اُن کو
دل کو کہتے نہیں بے تاب تو پارا کیا ہے

دور ہو تم تو مجھے دیکھ کے سب کہتے ہیں
آخر اس شخص کے جینے کا سہارا کیا ہے

اُس نے ایما کیا جانے کا تو میں بیٹھ گیا
تازہ عاشق تھا نہ سمجھا کہ اشارا کیا ہے

نہ جگر سے ہمیں مطلب ہے نہ دل سے مطلب
ہم میں جو کچھ ہے اُنھیں کا ہے ہمارا کیا ہے

وصل کی شب نے مرے دل کو دیا داغ اے شوق

اور اب کیا میں کہوں صبح کا تارا کیا ہی

جی دردِ دل کے مارے ہونٹوں پہ آ رہا ہی — اپنے ہی تن کا پھوڑا ہم کو ستا رہا ہی

کہتا ہی وہ کہ پی جا چپکے سے گالیوں کو — شربت کے گھونٹ گویا مجھ کو پلا رہا ہی

کچھ بول اٹھی ہی شاید محفل میں شکل میری — سب کو بٹھا رہا ہی مجھ کو اٹھا رہا ہی

پرسوں سے بڑھ گئی ہی اُس دن کی بیقراری — وہ بد دماغ جس دن مجھ سے خفا رہا ہی

کس لطف سے جنوں میں ہی محو شوق تیرا

گھیرے ہیں چند لڑکے اُن کو کھلا رہا ہی

بچپن میں جو اُڑاتے تھے کل پر لئے ہوئے — سر آج اُڑا رہے ہیں وہ خنجر لئے ہوئے

ٹیسو کے پھول پھول سے پچھوا رہا ہی رشک — کہئے تو آپ جوگ ہیں کس پر لئے ہوئے

یہ نازکی تو قابلِ تسلیم ہی صنم — لوگوں کے لاکھ خون ہو سر پر لئے ہوئے

میں چومنے لگا اُسے گیسو کے عشق میں — آیا جو سانپ ایک فسونگر لئے ہوئے

معشوق کی وفا تو نہ ہو گی نصیب شوق

پٹیا کرو سر اپنا مقدر لئے ہوئے

اس ستمگر پہ تھے جن لوگوں کے دل آئے ہوئے — اب وہ بغلیں جھانکتے پھرتے ہیں گھبرائے ہوئے

کیا قیامت ہی کہ اس کی شوخیِ رفتار نے — سب اُگلوائے زمینِ گور کے کھائے ہوئے

کچھ بنا انبار تنکوں کا مرے سر پر نہیں — عُمر گزری ہی جنوں کو چھاؤنی چھائے ہوئے

سیج سے لاکر مری تربت پہ کوئی پھینک جائے — صبح کو پھنکوائیں وہ جو پھول کھلائے ہوئے

اُن سے اس شکوے کا آخر کیا جواب اے بے خودی — تم نہیں ملتے کسی دن آپ میں آئے ہوئے

کیوں بڑھائیں بے تکلف ہو کے امیدیں مری — کاش تم رہتے ہمیشہ مجھ سے شرمائے ہوئے

ہنس کے دل بھی لے لیا اُس نے جگر بھی لے لیا
ہوگئے مقبول تحفے عشق کے لائے ہوئے

گو مجھی سے ہے مگر جھوٹا ہے یہ وعدہ تو خوب
آج وہ ہیں غیر کے سر کی قسم کھائے ہوئے

وہ تو ضد ہی ہیں نہ آئے موت بھی ضد ہے شوق
عمر بھر بیٹھے رہے ہم جی سے اُکتائے ہوئے

ایک چھالا ایک کانٹا چاہیے
اور سامانِ جنوں کیا چاہیے

قد کے دو حصے کمر نے کر دئے
حُسن یعنی یوں دوبالا چاہیے

موت کیا ہے چشم پوشی خلق سے
صرف ان آنکھوں پہ پردا چاہیے

نالہ و گریہ کا کچھ لکھنا ہے حال
اک نیستاں ایک دریا چاہیے

عُمر میری غم میں ہو جائے بسر
کم سے کم اتنا تو ہونا چاہیے

گھر ہمارا تنگ سارا شہر تنگ
اس جنوں کو ایک دنیا چاہیے

جس تمنا کی تمنا کچھ نہ ہو
اُس تمنا کی تمنا چاہیے

تھا ابھی اُس کا اشارہ ناتمام
دل مرا خود بول اُٹھا کیا چاہیے

لاکھ کہنا ایک خاموشی ہے شوق
وہ جو پوچھیں کچھ نہ کہنا چاہیے

درد سے ہم اک ذرا سی اشکباری کر پڑے
اس پہ بھی لاکھوں گھڑے پانی کے بادل پی پڑے

کم سے کم میں چاہتا ہوں یارب اپنی زندگی
تاکہ اُس ظالم سے مجھ کو سابقہ کمتر پڑے

کھاؤں گا لڑکوں کے پتھر چاہو دیوانہ کہو
یہ سمجھ لو تم کہ میری عقل پہ پتھر پڑے

حُسن کہتا ہے کہ جب اتراؤ چوٹی گوندھ کر
تم تو پالو اس بلا کو چاہے جس کے سر پڑے

مجھ سڑی کا کون پرساں ہے کہ ہو نشتر نصیب
دشت کو بھاگوں جو میں کانٹوں سے کام اکثر پڑے

پیچ جب بالوں کے کھولے تب نکالی اُس نے مانگ — اک ذرا سے راستے میں سیکڑوں چکر پڑے

کاش دل ہر عضو کے بدلے خدا دے مجھ کو شوق
تا کہ دل ہی اُس جگہ ہو جس جگہ خنجر پڑے

وصل کی شب ہے کہیں صبح نہ اندھیر کرے — کہہ دو سورج سے نکلنے میں ذرا دیر کرے
تجھ کو چھپکے سے وہ لے لے تو مزہ کیا اے دل — لطف اس میں ہے کہ کچھ دیر اُلٹ پھیر کرے
ساری دُنیا کا غم اے عشق نہ کافی ٹھہرا — تیری نیت کو بس اللہ ہی اب سیر کرے
بد دماغی سے میں لڑنے کو تو لڑ آیا ہوں — ٹھیک ہو جاؤں جو وہ صلح میں کچھ دیر کرے

مجھ سے دبتا نہیں کم بخت کہ مغرور ہے شوق
اے لحد تو ہی جو چاہے تو اُسے زیر کرے

دل اُکتا اور روتے روتے ناک میں دم اب میرا ہے — آپ جو یہ ڈوبا تو ڈوبا، اور کو بھی لے ڈوبا ہے
کیا بھلے دل میرے مجنوں کا ایک ذرا سے صحرا میں — تم سے کم اتنا جنگل ہو جتنی ساری دُنیا ہے
میرے دل کے داغ کی قدر اُس کی نظروں میں خاک نہیں — اُلفت کے بازار میں گویا یہ اک کھوٹا پیسا ہے
کاش کسی دشمن کو پاتا اور لہو پی لیتا میں — یوں تو غم کو ناکافی ہے خون بدن میں جتنا ہے

سُنے شکوہ معشوقوں کا کون اسے ملنے اے شوق
اپنے دل سے تو پوچھو تم آخر وہ کیا کہتا ہے

ہمیشہ نور جبیں میں تو رُخ میں تاب رہے — تمام عمر الٰہی ترا شباب رہے
زمیں تو بچ نہیں سکتی ہے میرے اشکوں سے — اگر رہے تو فلک صورتِ حباب رہے
یہ بات آپ سمجھیں کہ چھپ کے کاٹی رات — وہیں رہا مرا شب جہاں جناب رہے
الٰہی ہو کسی زاہد کے ساتھ حشر اُس کا — جسے حسین سے خلوت میں اجتناب رہے

جو کوئی آئے تو آنکھوں کو بند کر لو تم
میں چاہتا ہوں کہ فتنوں کا سدِّ باب رہے

غرورِ حسن بڑھا حشر میں خموشی سے
جواب کچھ نہ بنا تو وہ لاجواب رہے

وہ چشمِ مست سے دیکھیں اسے تو تا صحت
ہمارے زخم کے انگور میں شراب رہے

شگفتگی بھی ہے چہرے کا حسن غصہ بھی
وہ چاہے پھول رہے چاہے آفتاب رہے

گھٹے گی عمر جو الجھو گے زلف سے اے شوق
کہ طول کم ہو جو رشتے کو پیچ و تاب رہے

ہو وہ اونچا مرے نالوں سے مگر نیچا ہے
رعد دیکھے کہ بڑے بول کا سر نیچا ہے

جو بلا آتی ہے گرتی ہے وہ میرے سر پر
کیا کروں قصرِ فلک سے مرا گھر نیچا ہے

قد جو چھوٹا ہے تو ہو، تم تو لگا دو تلوار
گردن اونچی ہے مگر میرا جگر نیچا ہے

تجھ سے شرمندہ ہیں گل اور شجرِ گل دونوں
رخ سے گل رنگ میں کم قد سے شجر نیچا ہے

پست رتبے میں ہے یوں تیری جبیں سے سورج
جس طرح اوج میں سورج سے قمر نیچا ہے

قد جو اوروں سے ہے نیچا تو نہ شرماؤ تم
ناٹے سے باغ میں نخلِ گلِ تر نیچا ہے

ہیچ ہے شوق زمانے کا فراز اور نشیب
کون دیکھے کدھر اونچا ہے کدھر نیچا ہے

آنسو پی جانے پہ مجھ سے ظالم کی ضد رہتی ہے
دیکھو یارو ڈر کی کرامت اُلٹی گنگا بہتی ہے

اُس ظالم کے آگے آخر کیا منہ لے کر جاؤں میں
منہ سے کہوں کچھ یا نہ کہوں کچھ صورت سب کچھ کہتی ہے

آنکھیں میری بعدِ مرگ کھلی دیکھیں تو بولا وہ
عاشق مر بھی جاتا ہے تو جان آنکھوں میں رہتی ہے

اہلِ محلہ روتے ہیں میں جھڑکے جس دم روتا ہوں
پاس کے گھر سب گر پڑتے ہیں ایسی ندی بہتی ہے

پاس رہیں تو اُن کا غصہ دور رہیں تو ہجر کا غم

شوق ذرا سی جان ہماری کتنے صدمے سہتی ہے

دل مرا منتظرِ وعدۂ شب کتنا ہے
صبح سے پوچھ رہا ہوں کہ دن اب کتنا ہے

وہ بھی خوش غیر بھی خوش نزع میں سن کر مجھ کو
اک مری موت میں سامانِ طرب کتنا ہے

آبلوں کے لئے ہوگا بھی جنوں میں کافی
کیا خبر خون مرے جسم میں سب کتنا ہے

سر ہے خم عجز سے۔ لب بند ہیں۔ آنکھیں نیچی
تیرے حیرت زدہ کو تیرا ادب کتنا ہے

خوش ہوا دل جو ستمگر کہہ کے پکارا مجھ کو
کیا کہوں تم سے کہ دلچسپ یہ لقب کتنا ہے

کیا تلوّن ہے کہ دونوں میں نہ سمجھا کوئی
رحم کتنا ہے ترے دل میں غضب کتنا ہے

عمر گزری ہے جہنم ہی میں جلتے اے شوق
عاشقی میں اثرِ گرمیِ تپ کتنا ہے

کھل گیا موباف تو عاشق کیے دلدار نے
سانپ کی سی کیچلی جھاڑی ہے زلفِ یار نے

رات بھر رکھا مجھے اُس حیلہ جو کا منتظر
دے دیا دھوکا تبسّمہائے بے اِنکار نے

زرد رو کہتا وہی جو میری صورت دیکھتا
آبرو چہرے کی رکھ لی دیدۂ خوں بار نے

گو نہ تھی حیرت مگر اُس رُخ پہ جب آنکھیں کھلیں
پھر جھپکنے دیں نہ پلکیں کثرتِ دیدار نے

ہو گیا اب میں اُسی کا زندگی بھر کے لئے
کر لیا ہموار مجھ کو بختِ ناہموار نے

وہ ستم ہی کے لئے ہو۔ تھا تو کچھ میرا خیال
کیا مجھے ممنون رکھا اُس غریب آزار نے

بے قراری سے ہوا نازک دماغی پہ ستم
کر دیا برہم مزاج اُس کا مرے اصرار نے

وہ ترے پرہیز سے خوگر ہوا پرہیز کا
یوں شفا جگر سے پائی عشق کے بیمار نے

تھیں یہ تدبیریں کہ یوں ملئے۔ یہ وعدہ لیجئے
عمر بھر بیکار رکھا کوششِ بیکار نے

وہ گیا گھر سے کہیں تو کیا میں پا سکتا پتا
نقشِ پا بننے دئے کب شوخیِ رفتار نے

بیخودی کا شکر جس سے شب کو چین آئے گا شوق
خواب کا سامان پایا دیدۂ بیدار نے

کب کہیں اور غنی ہم سے گدا نکلیں گے
گھونسلے گھر کے جو ڈھونڈھو تو ہما نکلیں گے

کیوں بگڑتے ہو جو منہ میں نے گلے کو کھولا
میں تو واقف ہوں کہ الفاظِ دعا نکلیں گے

اتنے ٹکڑے ہوئے دل کے کہ نہ ہوں گے پھر جمع
خاک سے حشر کے دن سب یہ جدا نکلیں گے

لے ثواب اتنا کہ کانٹوں کو ذرا چھوا دے
اسی کوچے سے ترے برہنہ پا نکلیں گے

عمر صرف ایک ملی کام ہی سو عمروں کا
دم نکل جائے گا ارمان تو کیا نکلیں گے

خاک میں مل کے بھی پکڑے گا تجھے خون مرا
میری مٹی سے بہت نخلِ حنا نکلیں گے

سرد آہوں پہ کروں دل کو میں تیار اے شوق
آج سنتا ہوں وہ کھانے کو ہوا نکلیں گے

ان بتوں ہی سے زمانے میں ہی جو کچھ کام ہی
میں تو کہتا ہوں کہ بس آگے خدا کا نام ہی

کیوں رہا وہ بام پہ چھپ کے رخِ وعدے کے روز
اُس کے گھر دن ہی ابھی تک گو مرے گھر شام ہی

دیکھ چل کر اپنے عاشق کو کہ بیچارے کے ساتھ
زندگی وہ کر رہی ہی موت کا جو کام ہی

ہی یہ میرے عشق کا احسان تیرے حسن پر
جتنی بدنامی مری اُتنا ہی تیرا نام ہی

روز لا لا کر رلاتا ہی مرے احباب کو
ہو گیا وہ کینہ جو واقف کہ تربت خام ہی

میں وہاں روکا گیا تو یوں تسلی دل کو دی
مجھ کو اذنِ خاص ہوگا آج اذنِ عام ہی

درد جاتا ہی نہیں اور اشک تھمتے ہی نہیں
عشق کے ہر کام کا آغاز بے انجام ہی

مجھ کو موت آئی تو اس ظالم نے گھر کی راہ لی
کہہ گیا ہے کہ اب نیند آ گئی آرام ہی

شوق کو پوچھا تھا آج اس نے کہ ہی وہ کون شخص

ہنس کے بولا میں کہ وہ میرا ہی اک ہمنام ہے

ہماری جان وہ کیا لیں بدن میں جب ہو بھی
بدن بھی گھل کے مٹا پیرہن میں جب ہو بھی

ستم کا لطف مرا بوجھ اُتار دے لیکن
کرم کا عیب کسی راہزن میں جب ہو بھی

میں برہنہ ہوں تو دیوانگی وہ دامن سلے
کہوں میں کس سے سمجھ اس سخن میں جب ہو بھی

میں زار خوش ہوں کہ دزدِ کفن کے کام آیا
کفن فضول تھا مُردہ کفن میں جب ہو بھی

درازدستیِ زلفِ رسا کے ہم قائل
مگر کہاں دلِ وحشی بدن میں جب ہو بھی

خزاں میں خاک میں بہلاؤں اے جنوں تجھ کو
گری پڑی کوئی پتی چمن میں جب ہو بھی

سفید اشک ہیں گو شرمناک لیکن شوق
لہو کی بوند ہمارے بدن میں جب ہو بھی

اُس کی تصویر جو پہلو میں دھری رہتی ہے
اُس کو شک ہے کہ مرے پاس پری رہتی ہے

دل شگفتہ ہوا ہنس کر جو ذرا بولا تو
کیا ترے مُنہ میں نسیمِ سحری رہتی ہے

آبیاری مری تربت کی یہ کی اشکوں نے
جیٹھ بیساکھ میں بھی گھاس ہری رہتی ہے

قصرِ دل میرا نہ خالی ہے نہ ایوانِ دماغ
تو نہ آ ہوش یہاں سب بے خبری رہتی ہے

مستقل لطفِ توجہ کا حسینوں سے کہاں
حُسن تک ہمتِ بیدادگری رہتی ہے

اور ہی مت ہے کچھ ان عشق کے دیوانوں کی
طاقِ نسیاں پہ یہاں عقل دھری رہتی ہے

کیا کہوں عشق میں افسردہ دلی کا عالم
زندگی کی ہے یہ صورت کہ مری رہتی ہے

کتنی سیلاب زدہ ہو گئیں یہ اشکوں سے
خشک ہونے پہ بھی آنکھوں میں تری رہتی ہے

کبھی محبوب کا قد ہے کبھی آنکھیں دل میں
زندگی شوق کی فتنوں سے بھری رہتی ہے

اے مؤذن چپ بھی رہ تو پھر چکا اسلام سے
انگلیاں کانوں میں دے بیٹھا ہے خدا کے نام سے

غیر ہو میرا عدو، مجھ کو تری الفت سے کام
میں تو دے دوں جان اگر مانگے وہ تیرے نام سے

تیری جھڑکی سے عرق میں تر جو نکلا در سے میں
لوگ یہ سمجھے کہ نکلا ہوں ابھی حمام سے

ہو کے بے دل پائی امیدوں کے جھگڑوں سے نجات
کام کچھ چل ہی گیا آخر دلِ ناکام سے

رشک ہے قاصد سے تو اب باندھ کر اک کنکری
خط کو اس کے بام پر پھینکوں میں اپنے بام سے

موت کیا آئی ترا دیوانہ کاہل ہو گیا
پاؤں پھیلائے ہوئے سوتا ہے کس آرام سے

غیر شاید مجھ سا بے غیرت نہ ہو اور بھاگ جائے
خوش ہوں میں اس بدزباں کی عادتِ دشنام سے

کاروبارِ عشق کیا ہے کچھ جنوں کچھ بے خودی
شوق بے کاری کہیں اچھی ہے ایسے کام سے

عشق کی ہمت کرے وہ جس سے مرتے بن پڑے
کام تو اچھا ہے لیکن جب یہ کرتے بن پڑے

حشر میں کیوں خون پر ڈالوں میں پردہ جھوٹ کا
خود مکر جائے وہ جس سے مکرتے بن پڑے

حالِ دل اس سے کہوں سب تو بن پڑتا نہیں
کچھ برائے نام شاید ڈرتے ڈرتے بن پڑے

حرج کیا تکلیف اگر دل کے دھڑکنے سے نہ ہو
ہاتھ سینے پر ذرا دھر دو جو دھرتے بن پڑے

عشق کی سرگرمیاں ہیں عزت و ذلت کے ساتھ
صورت اب مجھ سے کیا چڑھتے اترتے بن پڑے

ہجر میں اے عمر میں تو چین دے سکتا نہیں
تو گزر جس طرح تجھ سے گزرتے بن پڑے

جا کے کہہ دو شوق ابھی میرے جنازے میں ہے دیر
بس سنور لو آج تم جتنا سنورتے بن پڑے

آئے کہیں سے لڑ کے تو ہم سے نہیں ملے
غصہ اتارنے کو انھیں اک ہمیں ملے

ان شوخ چشمیوں سے تو تسکین ہو چکی
ہم سے ملے نظر تو ذرا دل نشیں ملے

سجدوں میں ہو قصور تو یارب معاف کر
لاکھوں تو بُت ہوں اور مجھے اک جبیں سے ملے

حاجت اجل کی ہجر میں ہوتی ہے بار بار
رکھ لوں میں لا کے گھر میں جو مجھ کو کہیں ملے

رہبر ہو خضر تم تو ہمارا ہے ایک کام
لانا ہمارے گھر میں جو کوئی حسیں ملے

دامن پکڑنے اُس کا چلا ہے لہو ۔ مگر
روکے جو راستے میں کوئی آستیں سے ملے

کھویا ہے دل تو شوقؔ اُسی کی گلی میں جاؤ
دل کش وہی جگہ ہے ملے تو وہیں ملے

صبحِ شبِ وصل اشک ہمارے نظر آئے
کیا دن ہے کہ دن میں ہمیں تارے نظر آئے

رویا ہوں میں اتنا کہ وہ آکر مرے گھر میں
بیٹھے ہوئے دریا کے کنارے نظر آئے

تو غیر سے منکر ہے تو دیوارسے ہوں گے
آنکھوں سے مگر تیرے اشارے نظر آئے

وہ رات کو بولے کہ بہت اُڑتے ہیں جگنو
شاید مری آہوں کے شرارے نظر آئے

فرقت میں ہوا سے جو ہلیں باغ میں شاخیں
سر پہ مرے چلتے ہوئے آرے نظر آئے

اب کیا ہے کہ محشر میں تمھیں ۔ بلکہ خدا کو
ہم خود ہی طرف دار تمھارے نظر آئے

یاد آئی حسینوں کے لڑکپن کی اُچھل کود
جنگل میں جو لے شوقؔ چکارے نظر آئے

بڑھی یہ میری حیرت اب کہ بات میں کلام ہے
جو ایک چُپ میں صبح ہے تو ایک چپ میں شام ہے

پیام موت کو میں پہلے سُن چکا تھا بارہا
یہ اب سُنا ہے عشق میں کہ زندگی حرام ہے

وہی قضا زلف نے بھر میں جس کا نام بد تھا کل
تری ادا کے دور میں وہ آج نیک نام ہے

مروں گا خیر یوں ہی میں نہ ٹھہرو تم تو کیا کروں
ہزار بار کہہ چکا کہ بیٹھو ایک کام ہے

ستارہ میرا دیکھیں وہ تو دیکھیں شہ لوگ اُنھیں
حیا پہ ظلم ہوگا یہ کہ ساتھ اژدحام ہے

ستم ہی لکنت آپ کی کہ وعدہ مشتبہ رہا
یہ مشکل ایک ہاں کہی سو وہ بھی ناتمام ہی

ربودگی کچھ ایسی ہی کہ مجھ کو یاد ہی نہیں
میں کیا کہوں جو پوچھیں وہ کہ کیا تمھارا نام ہی

وہ رسم اُن سے اب کہاں بس اتنی بات رہ گئی
کبھی کبھی پیام ہی کبھی کبھی سلام ہی

تم آکے میرے گھر رہو کہ ہی ضعیف دل مرا
یہ سُن کے ڈر رہا ہوں میں کہ شب سیاہ فام ہی

میرں جوان عشق میں تو غم کا لطف خاص ہی
جو پیر ہم مرے تو کیا کہ وہ رواج عام ہی

جنوں مجھے پھرا رہا ہی شوق اب برہنہ تن
کبھی پہن لیا تھا کچھ یہ اُس کا انتقام ہی

جھوٹے وعدے آپ ہیں اے جان ہنستے بولتے
قول ہنستے بولتے قرآن ہنستے بولتے

نکلی جب شیشے سے مَے تب میں نے یہ مانگی دُعا
کاش نکلے تن سے یوں ہی جان ہنستے بولتے

اس خموشی پر تو بت لے لیتے ہیں چپکے سے جان
کیا ستم ڈھاتے جو بے ایمان ہنستے بولتے

جل بجھی بجلی ادھر۔ ڈوبا اُدھر زہرہ کا نام
تم نے جیتا حُسن کا میدان ہنستے بولتے

گل پریشاں حال ہی بلبل ہی نالاں باغ میں
کچھ سمجھتے تو نہ یہ نادان ہنستے بولتے

دانت بجلی ہو گئے آواز برچھی بن گئی
آج تم نے لی ہماری جان ہنستے بولتے

ہنستے ہنستے کہہ اُٹھا وہ جو نہ کہنا تھا اُسے
کھوے ہیں شوق اُس نے میرے کان ہنستے بولتے

بگاڑ میں بھی ادا سے لُبھائے جاتا ہی
وہ لڑ رہا ہی۔ مگر مُسکرائے جاتا ہی

کبھی ہیں چُننے کو تنکے کبھی ہیں سر کے بال
جنون کام ہمارا چلائے جاتا ہی

سحر ہوئی مگر ایسا ہی منتظر کوئی
کہ پھول سیج پر اب بھی بچھائے جاتا ہی

الٰہی ہوش کہاں ہیں کہ میں کروں فریاد
یہ مانتا نہیں صورت دکھائے جاتا ہی

ستم ہوا جو تیرک بنی شہادت سے
کہ جو ہی وہ مری تربت کو کھائے جاتا ہی

جو بگڑی نزع میں صورت مری تو بولا وہ
یہ مر رہا ہی مگر مُنہ چڑھائے جاتا ہی

چھپاؤں عشق مگر کیا کروں کہ ہر دم شوق
جگر کا آبلہ ڈنکا بجائے جاتا ہی

وہ ظالم ہی۔ درگزرے ہم اُس کی اُلفت کرنے سے
جان بچی اور لاکھوں پائے توبہ ہی اب مرنے سے

دل کو تھاموں ہاتھ سے لیکن دل ہی پر کیا جوش کا
آنکھوں کو میں روکوں کیونکر عشق کا پانی بھرنے سے

جبر کی نیت کرکے آیا فاتحے کے حیلے سے وہ
تھا منظور دبانا میرا ہاتھ لحد پہ دھرنے سے

سوزش میں یہ لذت ہی جب موسم آیا سرما کا
دھوپ میں اکثر بیٹھ کے روکا سینے ہنہ کو اٹھنے سے

وہ تم کو دھمکاتا ہی تو تم بھی ٹیڑھے ہو جاؤ
ہمت جو رکی ٹرھ جائیگی شوق تمہارے ڈرنے سے

وحشت قدم بڑھا کے جو چال اپنی چل گئی
ساری زمین پاؤں تلے سے نکل گئی

آندھی میں بھی یہ زور رہا سوزِ عشق کا
بجھتے ہی میری شمع لحد خود ہی جل گئی

فرقت میں اضطراب نے بدلی ہی گھر کی شکل
کچھ تو زمین دھنس گئی کچھ چھت اُچھل گئی

محشر میں وہ گئے تو اُلٹ پھیر ہوگیا
ایسی تھی چال جس سے قیامت بدل گئی

زائل ہو ورد تو میں کراہوں فریب سے
سمجھے نہ حیلہ جو کہ طبیعت سنبھل گئی

بد ہی شگون خیر نہیں عشق زلف میں
اک ناگن آج کاٹ کے رستا نکل گئی

اچھا رہا جنوں میں سر اپنا میں پھوڑ کر
اے شوق خودسری کی بلا سر سے ٹل گئی

جی دیتے ہی دماغ کی وحشت نکل گئی
صدقہ جو دے دیا تو بلا سر سے ٹل گئی

بدظن ہوا کہ اُس سے ہیں ٹیڑھا ہوا ہوں کچھ
گردن مری جو نزع کی حالت میں ڈھل گئی

میں یوں مٹا کہ پہلے تو گھٹاتا رہا فراق
کچھ جسم بچ رہا تو لحد پھر نگل گئی

کم بخت لاش کھائے پڑی اس کی ٹھوکریں
خوش قسمتی سے جان سلامت نکل گئی

ڈر سے گلو خلاصیِ مجرم ہوئی ہے جلد
ہاتھ اُس کا کانپ اُٹھا تو چھری خوب چل گئی

بھڑکی جو آگ عشق کی تو کھل پڑا جنوں
آخر مرے دماغ کی ہانڈی اُبل گئی

پلکوں پہ اشک دیکھ کے بولا وہ طنز سے
کھیتی تمھارے عشق کی اے شوق پھل گئی

لب چپ ہیں تو کیا دل گلہ پرداز نہیں ہے
سب کچھ ہے خموشی میں اک آواز نہیں ہے

کتنا ہی وہ جھڑکیں میں کہے جاتا ہوں اپنی
غیرت مری اب کچھ خلل انداز نہیں ہے

پہونچوں گا ضرور آج میں اُس شوخ کے گھر میں
دیوار تو نیچی ہے جو در باز نہیں ہے

اس سمت مرضِ عشق کا انجام کو پہونچا
اُس سمت توجہ کا بھی آغاز نہیں ہے

کیا سادہ دلی ہے کہ تری چین جبیں کو
میں ناز سمجھتا ہوں مگر ناز نہیں ہے

مرنا تھا کہ صحت مرضِ عشق سے پائی
اب کچھ بھی طبیعت مری ناساز نہیں ہے

کیوں سچ یہ کہا اُس نے کہ الفت نہیں مجھ سے
یہ عیب ہے ظالم میں کہ دمباز نہیں ہے

روتے ہوئے جلنے سے اجل عشق میں اچھی
مُردے میں یہ خوبی ہے کہ غماز نہیں ہے

ذلت مجھے منظور مگر آؤں ترے گھر
کیا ہرج محبت کا جو اعزاز نہیں ہے

کیوں بیٹھے ہیں ہم وعدۂ محبوب پہ خوش خوش
کیا خوئے تلوّن بھی در انداز نہیں ہے

اے شوق کہے دیتی ہے کچھ شکل خموشی
چپ کیوں ہو اگر دل میں کوئی راز نہیں ہے

کچھ تو آخر کو محبت کا اثر ہوتا ہی
خود ہی تو ذبح کیا خود ہی کھڑا روتا ہی

آ گیا ہاتھ ٹھکانا مرے دل کا مجھ کو
تیرے گھر آ کے یہ ملتا ہی جہاں کھوتا ہی

بیخودی سے ترے وارفتہ کی حالت ہی عجیب
نہ کبھی جاگتا ہی وہ نہ کبھی سوتا ہی

اور کام آنکھ سے لیتا نہیں عاشق تیرا
رات دن صورتِ ناسور فقط روتا ہی

پی کے مے شوق کے رُخ پر عرق آیا شاید
کلیاں کر کے جو مسجد میں وہ مُنہ دھوتا ہی

کچھ دل کی سُناؤں کچھ جگر کی
بیٹھو تو کہوں اِدھر اُدھر کی

کیوں زلف چھوئیں سڑی نہیں ہم
لے کون بلا پرائے سر کی

یہ حُسن شباب چشم بد دور
کیا دھوپ کڑی ہی دوپہر کی

دامن کو ذرا بچائے رہنا
دنیا نہیں گرد ہی سفر کی

وحشت سے کبھی ہوا نہ آباد
مٹی ہی خراب میرے گھر کی

کم ہیں نہ کہیں زمانے والے
اچھی نہیں جستجو کمر کی

تیغ اُس کی کھنچی تو کیا عجب شوق
دُنیا اُدھر آج ہو اِدھر کی

وصل کی شب رہ گئے مشتاق ہم اک بات کے
اُڑ گئی ایسی کہ گویا پر لگے تھے رات کے

کوچہ گردی شام تک ہی گھر میں دنیا صبح تک
ہو گئے ہیں عشق میں پابند ہم اوقات کے

کچھ تو میری سرد آہوں کا اثر اُس پر ہوا
آج سُنتا ہوں کہ پڑتے پڑ گئے بانات کے

وادیِ وحشت سے کچھ دامن کے ٹکڑے بھیج دو
منتظر ہوں گے مرے اہلِ وطن سوغات کے

آج تا محبوب پہونچا بن کے قاصد خبر کا

ہم تو قائل ہو گئے اے شوق تیری گھات کے

ہم نہ مانیں کہ کھلی سرخیِ خواب آنکھوں سے
پھوٹ نکلا ہے ترا رنگ شباب آنکھوں سے

اس سے بڑھ کر وہ کریں بے دہنی کیا ثابت
کچھ کہو منہ سے تو دیتے ہیں جواب آنکھوں سے

بے بصر ہجر میں رو رو کے ہوئے ہم یوں ہی
دیکھ سکتے نہیں جس طرح حباب آنکھوں سے

رمضاں میں کسی معشوق کی آنکھیں دیکھیں
صوم باقی ہے کہ پی بیٹھے شراب آنکھوں سے

دو گھڑی کے لئے وہ آئے تو دو گھر لوٹے
لے گئے چھین کے دل سینے سے خواب آنکھوں سے

رشک یہ خضر سے مجھ کو ہے کہ زندہ رہ کر
خوب دیکھیں گے حسینوں کا شباب آنکھوں سے

ہم سے پوچھو تپِ فرقت میں بدن کے شعلے
ہم نے دیکھا ہے جہنم کا عذاب آنکھوں سے

عشق میں حال تو نہیں خاک بھی وحشت لیکن
میرے چہرے پہ کچھ آجاتی ہے آب آنکھوں سے

شوق سن ہی کے سڑی ہو گیا لیکن کیا ہو
دیکھ لے تجھ کو جو وہ تھا نہ خراب آنکھوں سے

دیکھ اس میں تاثیر بھری ہے جس سے بے پروا تو ہے
کانٹے پر کی اوس نہیں ہے مژہ پہ آنسو ہے

مجھ سے اور کسی سے باہم ٹھنتی ہے تو حیرت کیا
میں اتنا ہی بے غیرت ہوں جتنا کوئی بدخو ہے

گیسو کو تم خوب چھپاؤ میں اک سانپ اب پالوں گا
ہر وقت اس کو دیکھوں گا اور سمجھوں گا گیسو ہے

تو گھر سے اک بار نکالے تو میں آؤں لاکھوں بار
جانے سے بے قابو ہوں میں آنے پر تو قابو ہے

مطلب یہ ہے جان سے کھیلے سو بار کریں بسمل کا کرم
دل پر تیرا غصہ یہ بھی دلچسپی کا پہلو ہے

حلق میں پانی ٹپکانے وقت آکر بیٹھا میرے پاس
موت کی ہچکی آئی مجھ کو تو بولا یہ اچھو ہے

تو کہتا ہے شوق کہ اس کی آنکھیں اپنی پھیری ہیں
تیرا کہنا مان بھی لیتا لیکن وہ تو خوش رو ہے

ادا قاتل بنے تو کام بے شمشیر ہو جائے
اگر گستاخ ہو شاید یہ دامن گیر ہو جائے

ترے کوچے میں امیدِ اثر کیا آہ سے مجھ کو
یہاں میں زہر بھی کھاؤں تو بے تاثیر ہو جائے

جو بھیجے تم سے بے پروا کو خط کوئی جوانی میں
جوابِ خط کے آنے تک وہ شاید پیر ہو جائے

دیا ہے گشت اُس نے دھوم سے میرے جنازے کو
غرض یہ ہے کہ سارے شہر میں تشہیر ہو جائے

کہو کیوں کچھ کہ بگڑے وہ فقط آنکھوں سے دیکھو تم
نگاہ ایسی لڑے جو آپ ہی تقریر ہو جائے

جنوں میں کوچہ گردی میری سن کر ناصح بولا
مرے گھر آئے تو پابندِ زنجیر ہو جائے

بتا زاہد وہاں کیا ہوگا حکمِ شرع جس گھر میں
یہ صورت ہو کہ جو آئے وہی تصویر ہو جائے

رخ اُس کے گھر کی جانب کر کے میں تو آہ کرتا ہوں
اسے میں کیا کروں گر یہ ہوائی تیر ہو جائے

دکھاؤں شوق ہر ہر لفظ سے میں جذب کی قوت
جو مجھ پہ مہرباں روحِ جنابِ میر ہو جائے

جتنے عاشق تیرے رخساروں کے پائے جائیں گے
حشر کو آتش پرستوں میں اٹھائے جائیں گے

تم جو سنتے ہو صدائیں یہ لڑکپن ہی تو ہے
ہم تو دیوانے ہیں یوں ہی غل مچائے جائیں گے

دل میں ہے مانگوں میں اب اُن کے بڑھاپے کی دُعا
ورنہ وہ مجھ کو جوانی بھر ستائے جائیں گے

روز اپنے گھر مریں گے اور بھیجیں گے خبر
کوئی آئے یا نہ آئے - ہم بلائے جائیں گے

تم سے ہوں گی عشق میں جتنی ہمیں مایوسیاں
ہم بھی اُتنی ہی تمنائیں بڑھائے جائیں گے

رخ کی جانب ہی نہ دیکھیں گے کہ تاڑیں لوگ عشق
اُس کی محفل میں ہم اپنا سر جھکائے جائیں گے

کون اُس کی بزم میں ڈھونڈھے جگہ اچھی بری
ہم جہاں بیٹھیں گے شوق آخر اٹھائے جائیں گے

کیوں جبر سے چاہوں میں ملاقات کسی کی
یہ سوچ کے ہیں سنے کشش دل میں کسی کی

چاہی جو اجل مینے تو وہ طنز سے بولا
اچھی نہیں یہ خو تری راحت طلبی کی

ایسا ہی جوانی سے ترقی پہ ترا حسن
ملتی نہیں کھینچی ہوئی تصویر ابھی کی

نکلا وہ ادھر سے تو سمیٹے ہوئے دامن
امید بر آئی نہ مری بے ادبی کی

اغیار کو دے دیتے ہو آنے کی اجازت
کچھ خاک تمھیں قدر نہیں اپنی گلی کی

کچھ منہ سے خلاف اس کے نکل جائے تو کیا ہو
اللہ کرے کوئی نہ پوچھے مرے جی کی

وہ میری تمنا کو اڑا دیتا ہے اے شوق
روؤں بھی تو ہو جاتی ہے اک بات ہنسی کی

جو چاہو تو بہت آسان ظلموں کی تلافی ہے
سمجھ لو دل سے میں عاشق ہوں تم پہ بس یہ کافی ہے

مرض سن کر وہ آیا اور مجھ کو مار ہی ڈالا
میں اس کے سامنے کیوں کہہ اٹھا اللہ شافی ہے

کروں کس منہ کے ساتھ اس سے میں شکوہ جفاؤں کا
مرا جرم محبت کب سزاوار معافی ہے

ہلے سارا محلہ ایسے نالوں کی ضرورت کیا
وہ نازک ہے اسے تو اک ذرا سی آہ کافی ہے

کیا غم کے مرض نے شوق ایسا ناتواں سا تو
کہ مجھ کو دیکھ پانا اک بڑی ہی موشگافی ہے

آج تو چاہ سے حشر اس نے بپا رکھا ہے
پھر بھی کہتا ہے کہ کچھ کل پہ اٹھا رکھا ہے

قبلہ اس رخ ہے میں سجدے میں ترے گھر کی طرف
دیکھ لے سامنے یہ قبلہ نما رکھا ہے

مر گیا میں تو مری روح ہے محبوب کے گرد
شغل اتنا سا ابھی میں نے لگا رکھا ہے

عشق کے واسطے ہوتی ہیں ادائیں دل کش
اور اے حسن تری شکل میں کیا رکھا ہے

جا کے دیکھا تو وہاں ہے فقط اللہ کا نام
شیخ سمجھا تھا کہ کعبے میں خدا رکھا ہے

درد دل مجھ سے نہ پوچھے وہ تو خود ہی کھل جائے
سینے پہلے ہی سے منہ غم کا بنا رکھا ہے

کوستے ہو تو مجھے زہر بھی دے دو ورنہ
کیا مری جیب میں سامانِ قضا رکھا ہے

اے جنوں خوب غنی تو نے کیا ہے مجھ کو
سینے دنیا کو ہمیشہ تہِ پا رکھا ہے

دل کے پھنسنے کا ڈر اے شوق مٹا جوڑے سے
جال سر پر تو ہے لیکن وہ بندھا رکھا ہے

سب حسینوں میں وہ یوں میرے حساب اچھا ہے
جس طرح عمر کے حصوں میں شباب اچھا ہے

آنکھ لالچ کی بُری ہے اسے کیا کھولوں میں
شکل اگر بد ہو تو رُخ زیرِ نقاب اچھا ہے

تیرے دوزخ کو سنا سینے مگر اے واعظ
آتشِ ہجر سے دوزخ کا عذاب اچھا ہے

تابِ عارض کی نہیں تاب تو زلفیں دیکھو
دھوپ سے سایۂ دامانِ سحاب اچھا ہے

زحمتِ عشق میں جینے سے بھلا ہے مرنا
جاگنے میں جو اذیت ہو تو خواب اچھا ہے

ہٹ کے اوروں سے ہوئی خاص توجہ مجھ پر
مشترک رحم سے اندازِ عتاب اچھا ہے

شوق کافی ہے یہ لطف اُن کا کہ آتے جاتے
پوچھ لیتے ہیں کہ او خانہ خراب اچھا ہے

مرے ہیں جان چھوڑ اپنے کو ان کے کمینوں سے
نہ ہم سا ہو نہ صفائی ہو ان حسینوں سے

ہوا اُسے مرے نالوں کا شک اذانوں پر
یہاں تو سانس نہیں لی گئی مہینوں سے

تہِ زمیں جو زرِ داغ لے گئے عشاق
اُڑا کے لائے ہیں گل زر اُنھیں دفینوں سے

کہیں تو ذکر دہن ہے کہیں ہے فکر کمر
خدا بچائے زمانے کے عیب بینوں سے

ہوا ہے حشر کا خوف اس قدر کہ داغوں کو
مٹانے بیٹھے ہیں وہ عاشقوں کے سینوں سے

تکلوریوں پہ یہ اترائے ہیں کہ دانت اپنے
ملا رہے ہیں وہ یاقوت کے نگینوں سے

بہت ہیں اشک ڈبو دیتا اگر اُس سے مانگوں اب
چلے گا کام نہ دامن نہ آستینوں سے

پکڑ کے ہاتھ بٹھا لو انھیں جہاں چاہو
مزہ ہے عشق جتانے کا نازنینوں سے

نہ ہوگا اُن کا سا بے احتیاط قاتل شوق
ٹپک رہا ہے لہو دونوں آستینوں سے

کہاں تک آپ کو دل دے کے درد ہم لیں گے
جو زندگی ہے تو بے موت مر کے دم لیں گے

عبث ہے اُس سے جو وعدے کی پختگی چاہیں
ہمارے سر ہی کی ہوگی اگر قسم لیں گے

جلا رہی ہے ہمیں ہجر میں تہی دستی
کہیں ملے گا جو پیسا تو جا کے سم لیں گے

ہزار پیچ تو ہوتے ہیں عشق بازی کے
جمیں گے ہم کسی کوچے میں جب بھی جم لیں گے

ابھی سے گئے تو ان آنکھوں سے دیکھنا معلوم
وہاں چلیں گے جب آنسو ہمارے تھم لیں گے

ہم انتظار میں آنکھوں کو مفت رو بیٹھے
جو اب وہ آئے تو کس چیز پہ قدم لیں گے

مرنے کی چیز ہے لیکن ملی ہے کم ہم کو
سخی ملا کوئی دلبر تو اور غم لیں گے

ابھی سے کاٹ کے رکھ لوں میں اپنی انگلی کو
ہوا ہے شوق اُنھیں لکھنے کا تو قلم لیں گے

نباہ اور تو کیا ہوگا اُس سے لیکن شوق
ہم اپنی عمر کا وعدہ تو کم سے کم لیں گے

پکڑیں کس کو وحشی تیرا خوب طرارے بھرتا ہے
ہم سے کیا وہ وحشت اپنے سائے سے بھی کرتا ہے

تیور تیرے جب بدلے تب عاشق تیرا کانپ اُٹھا
تجھ سے کیا ڈرتا ہے اپنی نازک خو سے ڈرتا ہے

مانگ نہیں سکتا میں تجھ سے یوں تو اجازت اُٹھنے کی
غصے کا تو حال بتا دے پھر کس وقت اُترتا ہے

آنسو تو دامن سے پونچھوں ہچکی کیونکر روکوں میں
لاکھ چھپاؤں عشق کو لیکن پانی پھر بھی مرتا ہے

ہجر کے روز آپ آیا کیجئے تو گھٹ جایا کرتا غم
جس دن آپ یہاں آتے ہیں وہ دن جلد گزرتا ہے

مشک نہیں ملتا ہے تیرے زخمی کو تو کیا پروا
مٹی تیرے گھر کی لا کر وہ زخموں میں بھرتا ہے

ان سے زیادہ ہر روز آ کر عاشق تم پر مرتے ہیں
جتنے لڑکے رات اور دن میں خالق پیدا کرتا ہے

فصلِ گل کے دھیان میں کتنا محو ہے تیرا دیوانہ
پھاڑ کے دامن قینچی سے کپڑے کے پھول کترتا ہے

شوق کا جینا مرنا کیا ہے کھیل ہے تیری چالوں کا
تو آئے تو جیتا ہے اور تو جائے تو مرتا ہے

وعدے کے دن بھی بیٹھے ہیں ہم کچھ اُداس سے
ہر دم شکست کھاتی ہے اُمید یاس سے

تم دور تھے تو آپ میں رہنا تھا ناگوار
میں خود ہی ہٹ کے دور گیا اپنے پاس سے

اللہ رے جنون کہ ہوش اور دماغ میں
اتنا ہے فاصلہ کہ ہے باہر قیاس سے

صرف اتنے ضبط کی ہے تمنا کہ جا کے میں
تنگ اُس کو عمر بھر نہ کروں التماس سے

سیکھوں جنون اب کہ کچھ احساسِ غم نہ ہو
تنگ آ گیا ہوں شوق میں اپنے حواس سے

تمھاری ناگہ دیکھ کر اُدھر ہی راہ گیر ہے
نہ رُک سکے گا دل کہ یہ لکیر کا فقیر ہے

جفا شعار دونوں ہیں ادھر تم اور اُدھر فلک
مگر یہ فرق ہے کہ تم جوان ہو وہ پیر ہے

یہ دیکھو معجزہ کہ دو ہیں ایک شے کی صورتیں
وہاں تو آنکھ میں نظر یہاں جگر میں تیر ہے

جو دل ملانے کو کہا تو کی گرہ اس طرح
کہ مسکرا کے بول اُٹھا یہ منفصل ضمیر ہے

اِدھر اُدھر سے بڑھ رہی ہیں اس کی دونوں کاکلیں
بچاؤں دل کو کس طرح بلا کی دار و گیر ہے

میں دور ہوں تو یہ کرے گا اُن سے عرض حال سب
نہ بگڑیں میرے نالے سے کہ یہ مرا سفیر ہے

قلمروِ سخن کی ہر زمین پہ ہوں حکمراں
یہ میرا زور شوق فیضِ حضرتِ اسیر ہے

ادائے حُسن سے بھر دیے وہ بال بنتے
لٹک کے سانپ بنے اور پٹک کے جال بنے

بہارِ لالہ و گل کو جنون ترے سے اب
وہی تو رنگ ہی جس سے تمھارے گال بنے

ذلیل کرتا ہی جو تم کو چاند کہتا ہی
وہ یہ بتائے کہ تم بھی کبھی ہلال بنے

عیاں ہی پان سے یہ رنگ حسن کا اعجاز
زمرد آئے ترے مُنھ میں اور لال بنے

جنوں میں گل ترے چھلے کے ہاتھ پر کھالوں
میں چاہتا ہوں کہ پھولوں کی ایک ڈال بنے

غریب عشق کو دھبا لگے تو داغ ہو وہ
حسین مُنہ کو جو کالک لگے تو خال بنے

ہمارے ہجر کا عالم ہی اور ہی اے شوق
جو لاکھ سال ملاؤ تو ایک سال بنے

کب آئے قریب جب سحر ہی
بایاں قدم آپ کا کدھر ہی

کرتا ہی نہ تھا وفا کا وعدہ
چونکا وہ تو کیا ہوا بشر ہی

آیا مجھ کو سمجھ کے مُردہ
نالے سے سکوت با اثر ہی

دُنیا وہ عشق کی ہی جس میں
مرنا جینے سے پیشتر ہی

ملتا ہی جو بے دلی سے ظالم
شاید مرے دل کی کچھ خبر ہی

کیا گرم مزاج ہی جوانی
لو چلتی ہی ٹھیک دوپہر ہی

مر لو بے کچھ کہے سنے شوق
اتنے ہی میں قصہ مختصر ہی

کیسے اچھے ہیں یہ بُت جن کو بُرا کہتا ہی
اللہ اللہ کر اے شیخ یہ کیا کہتا ہی

دیکھ کتنا ترے مجنوں کا ادب ہی اُس کو
قیس کہتا ہی سلام اور یہ دعا کہتا ہی

اُس کی صورت نے مرے خون پہ پھیرا پانی
جس کو سُنتا ہوں وہی رنگِ حنا کہتا ہی

لڑ کے ملنے میں ملا ہی وہ مزہ عاشق کو
کہ ترے غصۂ بے جا کو بجا کہتا ہی

کتنا غماز ہے یہ چھپ کے جو تو سیر کو جائے
شہر بھر سے ترا نقش کف پا کہتا ہے

مجھ کو یہ ضد کہ حیا کو بھی تغافل سمجھوں
اُس کو یہ ہٹ کہ تغافل کو حیا کہتا ہے

دیکھو جب شوقؔ کو تب برہنہ سر برہنہ پا
پوچھو جب کچھ تو سڑی بے سر و پا کہتا ہے

بیداری میں جاتا ہوں تو تالی مجھ کو دیتا ہے
خواب میں وہ بر آتا ہے تو گالی مجھ کو دیتا ہے

بے خود سا ہو جاتا ہوں میں تیرے رُخ کو کر کے یاد
لا کر گل جب باغ کا کوئی مالی مجھ کو دیتا ہے

ڈر ہے کہیں راتوں سے دل کے کاکل میں پھنس جائے کا
خواب میں کوئی اک شے کالی کالی مجھ کو دیتا ہے

میری خانہ بربادی پر غیر کو آیا خوب ترس
تیرے گھر رہ کر اپنا گھر خالی مجھ کو دیتا ہے

مجھ سے بد قسمت کو کیا ہو جنت کی اُمید اے شوقؔ
معشوقہ کون اچھی صورت والی مجھ کو دیتا ہے

سر سے پاؤں تک نظر کیونکر کمر سے بچ کے جائے
راہ ہے باریک آخر یہ کدھر سے بچ کے جائے

جسم نازک میں چبھے گا خار کا سایہ ضرور
جائے وہ گلشن کو تو گل کے شجر سے بچ کے جائے

آگ اس کی کرتی ہے پیکاں کو پانی کر کے ہضم
پار شاید ہی کوئی ٹکڑا جگر سے بچ کے جائے

کاکل و رُخ سے نگاہِ شوق کو چارہ نہیں
کوئی دنیا میں کدھر شام و سحر سے بچ کے جائے

اُس پری کے سائے سے ہوتا ہے اس کو بھی جنوں
دھوپ کیا ممکن کہ بے داغ اُس کے گھر سے بچ کے جائے

عالمِ وحشت میں سرگرداں ہوں میں چاروں طرف
درد کس دنیا کو آخر میرے سر سے بچ کے جائے

شوقؔ مے خانے کی نیت کر چکا اے شیخ آج
ہے جدھر مسجد یہ کہہ دُنیا اُدھر سے بچ کے جائے

تم آنکھیں بند کر لو تو بڑا ہی کام ہو جائے
کیا ہے تم نے وعدہ شام کا بس شام ہو جائے

میں اس ڈر سے نہیں سنتا ہوں باتیں عقل والوں کی
کہیں ایسا نہ ہو میرا جنوں بدنام ہو جائے

چلا ہی حشر کو کیوں لیکے یہ چھپی ہوئی صورت
قیامت ہو اگر تو موردِ الزام ہو جائے

ہوا ہوں جس پہ میں عاشق مجھے ترسا کے مارے وہ
مرے آغاز کا یارب بخیر انجام ہو جائے

جنوں میں اس لئے کھاتا ہوں پتھر زیرِ بام اُس کے
کہ زینہ ایک دن انبار سے تا بام ہو جائے

مجھے تو ہوتی ہی راحت حسینوں کی عیادت سے
میں بے آرام ہو جاؤں اگر آرام ہو جائے

کہاں ملنے کے قابل ہوں اسی کو میں بہت سمجھوں
رسا گر اُس کے کانوں تک مرا پیغام ہو جائے

میں عاشق حسنِ باعفت کا ہوں کیا رنگ گل دیکھوں
وہ قدرِ خاص کے قابل نہ ہو جو عام ہو جائے

بہت سر پھر گیا ہی شوق کبرِ عشق سے تیرا
خدا چاہے تو معشوقوں میں تو ناکام ہو جائے

بدن غریب ترستا ہی پیرہن کے لئے
یہ مفلسی ہی کہ کوڑی نہیں کفن کے لئے

خطائے عرضِ تمنا پہ خود میں نادم ہوں
ازل میں کاش نہ لیتا میں لب دہن کے لئے

نہ کھولو بال نہیں تو پڑوگے جھگڑے میں
ہزار ہاتھ بڑھیں گے ابھی رسن کے لئے

ہمیں تو دل سے ہی کچھ بے دلی سہی لیکن خیر
لگائے رکھتے ہیں محبوب دل شکن کے لئے

ہوئے عزیز وہ ٹکڑے دل اور جگر سے سوا
جو اُس کے ہاتھ سے ہم نے فقیر بن کے لئے

ادا سے قہر یہ دیتا ہوں دل کو یوں تسکین
شکن جبیں پہ وہ ڈالے ہے بانکپن کے لئے

بس اس سے بڑھ کے نہ تحفہ ملے گا غربت میں
میں چل کے آپ ہی تحفہ بنوں وطن کے لئے

نہ ہوگی ہوش کو قدرِ بہارِ گل اے عشق
جنوں دماغ میں پیدا کروں چمن کے لئے

جو گفتگو سے مجھے بکتی ہوئی کہیں مل جائے
تو میں خرید کروں ایک کم سخن کے لئے

حریص کون ہی انساں سے بڑھ کے دنیا میں
کہ جان دیتا ہی یہ چار گز کفن کے لئے

مرے سخن میں کہاں شوق سیر درد کا رنگ
دماغ چاہیئے اُس بادۂ کہن کے لئے

تحفے میں لے کے اُس کے لئے خون دل گئی
مہندی لہو لگا کے شہیدوں میں مل گئی

اے ضبط تو کہاں تھا کہ تڑپا میں اس قدر
گھر میں یہ زلزلہ تھا کہ دیوار کھل گئی

نازک دماغ اتنے ہیں سوتے سے چونک اُٹھے
بالوں کی لٹ ہوا سے بھی سر پہ جب ہل گئی

کیا پیڑ دشت کے ہیں کہ دامن کی ہر کلی
کانٹوں میں خود اٹک کے پھٹی غنچہ سی سل گئی

ایسی ہی مفلسی کہ نہیں شوق خاک تک
آئی ہوا بھی تو مرے گھر سے خجل گئی

دل ہی پہ کیا جو چاہے سے۔ ایسا اُس نے گھیرا ہے
اٹکا نہیا سودا سے۔ عشق میں حال اب سیرا ہے

کون بہت آتا ہوں میں۔ تم ناحق غصہ کرتے ہو
چار گھڑی دن آیا جس میں دسواں ہی تو پھیرا ہے

کیسا مجھ کو کھویا اس نے۔ فرقت کا منہ کالا ہو
ڈھونڈتے آپ نہیں ملتا میں ایسا گھر میں اندھیرا ہے

ایک ذرا سی عقل کو کھو کر پایا تجھ سے خوش رو کو
سو ہشیاروں سے اچھا ہے جو دیوانہ تیرا ہے

باغ میں شب کو کھینچ رہے ہو آتش افشاں آہن شوق
چڑیاں بھن جائیں گی جن کا ان پیڑوں پہ بسیرا ہے

جنوں لباس نہ میرے بدن کے کام آئے
خدا جو دے بھی مجھے تو کفن کے کام آئے

بنے جو جام ٹھکانے لگے مری مٹی
کہ چار دن کسی توبہ شکن کے کام آئے

ہلے نہ سامنے اُس کے کہ کچھ کہیں اُس سے
کبھی نہ ہونٹھ ہمارے دہن کے کام آئے

کڑی ہو دھوپ تو یہ بھی نہیں مقدر میں
کہ سایہ اپنے بدن کا بدن کے کام آئے

لہو کا رنگ ہی جس سے لال ہو شمشیر
حنا کا رنگ وہی جو دلہن کے کام آئے

لگا کے لائے ہیں گھر تک حسین لڑکوں کو / یہ ولولے مرے دیوانہ پن کے کام آئے

نہ ہوتے دشت میں پھاہے نصیب داغوں کو
خط آئے شوق جو اہل وطن کے کام آئے

وہ لے کے دل کو یہ سوچے - کہیں جگر بھی ہے / نظر ٹٹول رہی ہے کہ کچھ اُدھر بھی ہے
ہنسو نہ کھول کے زلفیں بلا نصیبوں پر / بلا نصیب جہاں میں تمہارا سر بھی ہے
وہ بگڑے سن کے مگر سن تو لی ہماری آہ / یہ بے اثر ہی نہیں بلکہ با اثر بھی ہے
جنون کو وہ بناوٹ سمجھ رہا ہے ابھی / یہ سن لیا ہے کسی سے کہ میرے گھر بھی ہے
فراق میں یہ نیا تجربہ ہوا مجھ کو / کہ ایک رات زمانے میں بے سحر بھی ہے
یہ کہہ کے حشر سے بھاگا میں اپنا جی لے کر / الٰہی خیر یہاں تو وہ فتنہ گر بھی ہے

مجھے تو آپ میں اس وقت تم نہیں ملتے
کہاں ہو شوق کچھ اپنی تمہیں خبر بھی ہے

جو کوئی ملے دل سے ہم کو وہی پیارا ہے / ہر رنگ میں پانی ہیں یہ رنگ ہمارا ہے
محفل میں نگاہ اُس کی سورج کی کرن ٹھہری / جو تھا وہ یہی سمجھا مجھ سے یہ اشارا ہے
کیا وصل کے بس میں ہے رفتار زمانے کی / شب بھی وہ گزارے گا دن جس نے گزارا ہے
کیا خون پہ پھیرا ہے چند آنسوؤں سے پانی / یہ اُس نے کہا رو کر کس نے اسے مارا ہے
محشر میں گلے کیسے - دیکھا تو کہا دل نے / پھر عشق جتانے کا موقع یہ دوبارا ہے
جھگڑے سے ہوئے چھٹی تو جائے جہنم میں / باقی ابھی دنیا میں مرنے کا سہارا ہے
بے کار سب آئے ہیں - سچ یہ ہے کہ اس گھر میں / یا کام ہمارا ہے یا کام تمہارا ہے
بے خود ہوں کچھ ایسا میں خود ہی ابھی چلایا / پھر پوچھ اُٹھا سب سے - کیا اُس نے پکارا ہے

جو پیر نظر آیا اے شوق کہا میں نے
کچھ دیر میں ڈوبے گا یہ صبح کا تارا ہے

کہوں کیا کہ دل مضطرب کس قدر ہے — ادھر سے اُدھر ہے - اُدھر سے ادھر ہے
ہوئیں عشق میں اور باتیں تو حاصل — فقط اک ذرا سے جنوں کی کسر ہے
اجازت مری لاش اُٹھانے کی دے دی — تمھاری طبیعت ہی میں درگزر ہے
ہے اُس کے قدم اور مرے سر میں جھگڑا — کبھی وہ ہے سر پر کبھی اُس پہ سر ہے
کروں کیا میں اُس کی محبت کا دعویٰ — ابھی تک مجھے کچھ کچھ اپنی خبر ہے
نہ سہتا میں تو ظلم کرتے وہ کیونکر — سب الزام آفت مرے صبر پر ہے

سحر میرے گھر شوق آئے کہاں سے
کہ ہے نور جتنا وہ سب اُس کے گھر ہے

نہ بولو - لبوں کا نظارا بہت ہے — ہمیں تو نمک کا سہارا بہت ہے
جو نازک ہو اتنے تو زیور نہ پہنو — جبیں پر ذرا سا ستارا بہت ہے
خدا جانے کیا گزرے اب عاشقوں پر — جوانی نے اُن کو اُبھارا بہت ہے
نہ لوگوں پہ وہ بھید الفت کا کھولیں — چھپے چوری اُن کا اشارا بہت ہے
نہ ہوں بے تکلف مگر آنے پائیں — ہمیں دیکھنا ہی تمھارا بہت ہے

قناعت ہے اے شوق دنیا میں کافی
ہمیں جھونپڑا ہی ہمارا بہت ہے

چھری کے وار پہ مُنھ سے دُعا نکلتی ہے — کسی کا ہاتھ کسی کی زبان چلتی ہے
میں اب جنوں کی خوش فعلیاں بڑھاؤں اور — انھیں سے اُن کی طبیعت بہت بہلتی ہے

ہوا نہ بگڑے کہاں تک دیارِ الفت کی
تری زبان تو ہر وقت زہر اُگلتی ہے

یہی سبب ہے جو دیتے ہیں جان سب اُس کو
قضا میں تیری ادا کی ادا نکلتی ہے

یہ اضطراب پھر اُس پر یہ ضعف کی حالت
میں خود اُچھلتا ہوں جس وقت نبض اُچھلتی ہے

ہوا ہو چاہے زمانہ ہو۔ چاہے رنگت ہو
زیادہ سب سے تمھاری نظر بدلتی ہے

بتاؤں کیا شب فرقت میں سانس کی حالت
تمام رات چھری سی جگر پہ چلتی ہے

بہار گل کی دکھاتے ہیں دست مشاطہ
وہ وقت غسل جو تیرے بدن کو ملتی ہے

بڑھی ہے میری تپ عشق کی جلن اتنی
کہ مارے رشک کے اے شوق آگ جلتی ہے

سکون چاہیئے دل کو۔ وہ صبر کر کے سہی
جو زندگی میں ہے مشکل تو خیر مر کے سہی

مجھے غرض ہے تصدق سے۔ بن پڑے جس طرح
جو گرد سر کے ہے مشکل تو گرد گھر کے سہی

یہ عذر میں نہیں سنتا کہ قد ہے چھوٹا سا
اُڑاؤ تیغ سے گردن ذرا اُبھر کے سہی

مجھے وہ بھول گئے ہوں تو کیا عجب تھا صدمہ
نہ دیں جواب جو فوراً تو یاد کر کے سہی

پھرا نہ تجھ سے میں یا تیرے عتاب پہ صد شکر
رہا تو سامنے منھ۔ خیر کچھ اُتر کے سہی

کڑی ہے دھوپ نہ آئیں وہ۔ پھر میں مر لوں گا
نہ دوپہر کو سہی۔ بعد دوپہر کے سہی

وفا کی راہ پہ آئے گا وہ ضرور اے شوق
جو اب نہیں تو جوانی کے دن گزر کے سہی

ہوا ملزم خوشی کا گرچہ صورت غم کی تھی میری
کھلے جب دانت رونے میں تو سمجھا وہ ہنسی میری

نصیبا حسن کو کچھ عشق سے اچھا ملا۔ ورنہ
اگر شہرت کو پوچھو تو وہی اُن کی وہی میری

میں کہنا چاہتا ہوں جس دن اُن ظلم کو اپنی موت کا باعث
خدا چاہے تو اُس دن تک نہ پہنچے زندگی میری

محبت راز سربستہ ہی اس کو کچھ نہ پوچھو تم
نہیں ظاہر ہو مجھ پر بھی تمنائے دلی میری

ملائیں جب سے میں نے اپنی آنکھیں تیری آنکھوں سے
ہوئی مشہور دنیا میں قضا سے دوستی میری

چلیں جو بس اُس کی جھڑکی اور میری آہ میں چوٹیں
کبھی سے میں نے سُنی اُس کی کبھی اُس نے سُنی میری

بھلا ہوش اُس سے ملنے کا کہاں - یہ بھی غنیمت ہے
مجھی سے مجھ کو ملنے دے جدا از خود رفتگی میری

جنوں کی آگ نے مجھ کو کسی کے بس کا کب رکھا
اُبل نکلی ہی میرے ظرف سر سے خودسری میری

کبھی لے شوق میں بندہ اُسی دولت سرا کا تھا
نہیں ہوتی جہاں برسوں قبول اب بندگی میری

مجھے اس جا فنا کے ضعف سے کیا لطف آتا ہی
کہ دم بھر میں ترے ہر ظلم کو دل بھول جاتا ہی

میں جب آتا ہوں کہتا ہوں نئے معشوق کا دھوکا
شباب اتنا تمھارے حسن کو ہر دم بڑھاتا ہی

بنایا ہی مری ذلت نے خاک زیر پا مجھ کو
اُسی سے دیکھ کے رہ جاتا ہوں جو مجھ کو دباتا ہی

کوئی ساتھی ہو ہی پیڑوں سے یہ تنہا جے جنوں ابھی
وہاں تو اُن کا سایہ میرے سائے کو مٹاتا ہی

جسے سب عشق کہتے ہیں وہ ہی سحر زباں بندی
لبوں تک آ نہیں سکتا ہی جو کچھ دل میں آتا ہی

تمھارے حسن و ناز افزوں سے کم ہوتا نہیں کچھ بھی
سو بر سے کو اُسے ہر روز آئینہ چڑھاتا ہی

ہوئی سہل اس کی مشکل بزم میں میری نقاہت سے
اُٹھاتا ہی مجھے یوں جیسے کوئی پھول اُٹھاتا ہی

جما سکتا ہی میرا رنگ بھی وہ اُس کی محفل میں
ہزاروں پیڑ جو اللہ باغوں میں جماتا ہی

ہی دم لینا بھی اب مشکل کہ وہ شرما کے کہتے ہیں
یہاں تو شوق ہر دم ایک تانتا باندھ جاتا ہی

میں مجنوں کو - مجنوں مجھے جانتا ہی
دلی کو دلی خوب پہچانتا ہی

بتا مانے وہ لیکن محبت ہی مجھ کو
نہ جانے وہ لیکن خدا جانتا ہی

ہوئی اتنی اُلفت کسی کو کسی سے
کہ دیکھا نہیں اور پہچانتا ہے

میں کس دل سے اُلفت جتانے کو جاؤں
وہ بے رحم کب دل کو دل جانتا ہے

بڑا ہی سڑی ہو گیا شوق اب تو
بہت خاک گلیوں کی وہ چھانتا ہے

نکلا جو وہ تو خوف سے مخلوق ہٹ گئی
در پر تھی جتنی بھیڑ وہ کائی سی پھٹ گئی

دیکھو مرے جنون کی وسعت کہ ہو کے تنگ
سب سے یہ کہہ رہا ہوں کہ دنیا سمٹ گئی

محفل میں مجھ کو لطف نظارے کا کم ملا
صورت تری ہزار کی آنکھوں میں بٹ گئی

فرقت میں یہ گلہ ہے مجھے اپنی سانس سے
منہ سے نکل کے منہ میں یہ پھر کیوں پلٹ گئی

اکثر مقابلہ ہوا دونوں کا عشق میں
آخر کو یاس سے مری اُمید گھٹ گئی

پائی سزائے ناشنوائی تمام رات
نالوں سے میرے نیند کسی کی اُچٹ گئی

بو اُس کے پیرہن کی نہ لائی کبھی ہوا
ہاں رسّیاں وہ دھول کی آکے بٹ گئی

فرقت کا حال مختصر الفاظ میں یہ ہے
اتنی بڑی تھی رات کہ سب عمر کٹ گئی

نکلی نہ اُس کے ڈر سے تمنا کی بات شوق
دل سے دہن تک آ کے لبوں سے لپٹ گئی

اُس کوچے میں گڑنے کو مری لاش پڑی ہے
کہتا ہے کہ کیا اُس کی یہاں نال گڑی ہے

فرقت میں تم اس سے مری حالت کو سمجھ جاؤ
مرنے سے مصیبت مرے جینے کی کڑی ہے

یاد اُس نے کیا قتل کو اور طنز سے بولا
یاد آتے ہی آیا ہے تری عمر بڑی ہے

کچھ میری نظر آپ کی آنکھوں سے نہیں کم
یہ بھی تو بلا ہے کہ بلاؤں سے لڑی ہے

کون اُس کی جفاؤں سے بچائے مرے دل کو
دل جس کی بغل میں ہے اُسے اپنی پڑی ہے

فرہاد ہوں میں بھی کہ یہ دن کاٹ رہا ہوں
فرقت میں پہاڑ آج کی ایک ایک گھڑی ہی

دل ہو کہ جگر ہو کہ کوئی آبلہ اے شوق
اک چیز مری سانس کے رستے میں اڑی ہی

طمع کس کو ہی سائل بن کے اُس کے در پہ جانے سے
غرض یہ ہی کہ دے آؤں دعائیں اس بہانے سے

تمہارے نور نے دھوکا دیا دن کا پرندوں کو
نکل آئے وہ شب کو اپنے اپنے آشیانے سے

وفا جو عاشقوں میں تھی کبھی اب بھی ہی ویسی ہی
جفا تیرے زمانے میں بڑھی پچھلے زمانے سے

ازل ہی میں پڑی تھی فکر اُن کو خود پسندی کی
وہ اچھی شکل چُن لائے خدا کے کارخانے سے

یہ حالت رشک کی ہی پوچھتا ہوں اُس سے گھر تیرا
جسے پاتا ہوں ناواقف میں تیرے آستانے سے

ہی وقتِ نزع آنکھیں تیری ہی سمت اُٹھ نہیں سکتیں
ذرا تو پائنتی کی جانب آ اُٹھ کر سرھانے سے

ہوا ہوں غم سے زار اتنا کہ خود ہلنا نہیں ممکن
میں مثلِ نعش اُٹھ سکتا ہوں اوروں کے اُٹھانے سے

جو غصے سے دباؤ تم تو میرا دل دبے شاید
بڑا سرکش ہی یہ دبتا نہیں پیر دبانے سے

نہ ترکِ عشق کی ہمت نہ ضبطِ درد کی طاقت
مرا دل تو نہ نکلا کچھ بھی اے شوق آزمانے سے

سب کچھ ہم کہہ گزرے لیکن قسمت سے کیا چارا ہی
خشک جواب اُس شوخ نے دے کر سوکھے گھاٹ اتارا ہی

پیش کیا دل تو بولا یہ کون ہی ایسی تحفہ چیز
تھوڑا اس میں خون بھرا ہی تھوڑا اس میں پارا ہی

ظالم تم بھی۔ ظالم میں بھی۔ خوب برابر کا ہی جوڑ
تم نے مارا دل پہ ہاتھ اور مینے دل کو مارا ہی

مرنا کام ہمارا لیکن جان نہ اٹکے آنکھوں میں
آ کے کھڑے ہو جاؤ سرھانے آنا کام تمہارا ہی

دل کی سوزش میں نے دکھائی تو بولا وہ شوخ اے شوق
کیوں دھوکا دیتا ہی مجھ کو دل یہ نہیں انگارا ہی

یہاں نہ آؤ تو دیکھو تم اپنے گھر ہی سے
میں گزروں اپنا جنازہ لئے اُدھر ہی سے

غضب میں پڑ گئی جان اُن کی کر کے دعا آج
مچایا شام کا غل پینے تو دوپہر ہی سے

نہیں ہی عرض کی حاجت کہ اشک بن بن کر
ٹپک رہی ہی تمنا مری نظر ہی سے

مرے فراق کی دنیا ہی کس قدر تاریک
چراغ گھر میں جلاتا ہوں میں سحر ہی سے

سوا جنون کے اس میں کچھ اور رہی ہی کیا
یہی جو سر ہی تو گزرا میں ایسے سر ہی سے

نہ پہونچوں شب کو جو گھر میں تو بن کے چوکیدار
سناؤں نالۂ دل اُس کو رہگزر ہی سے

میں مر کے روح کو اوپر سے بھیج سکتا ہوں
ضرور کیا کہ ترے گھر میں آؤں در ہی سے

بلا لیا مجھے آج اُس نے تو یہ سمجھا میں
بشر ہی اور خطا ہوتی ہی بشر ہی سے

ازل سے عشق مقدر میں لکھ گیا اے شوق
مرا ہوا ہوں میں جینے کے پیشتر ہی سے

لباسِ تنگ سے اُبھرا ہوا بدن دیکھے
ذرا کوئی مرے بانکے کا بانکپن دیکھے

بڑے مزے کے ہیں پتھر حسین لڑکوں کے
کسی کو شک ہو تو مجھ سا سڑی وہ بن دیکھے

کسی کی تیغِ ادا چل گئی یہ سمجھے ہم
کئی گھروں میں جو سلتے ہوئے کفن دیکھے

وطن سے بڑھ کے محبت ہوئی وہاں کی ہمیں
جہاں پڑے ہوئے دو چار بے وطن دیکھے

جو شمع گل ہو تو رہ جائے عاشقوں کا وقار
بھرا ہوا نہ پتنگوں سے وہ لگن دیکھے

جو صرف قیس سڑی ہی تو جذب کیا ٹھہرا
مزہ تو جب ہی کہ لیلےٰ کو بھی سڑن دیکھے

مرا جنوں مجھے دیتا ہی یہ دعا اے شوق
وہ دن نہ ہو کہ یہ آنکھوں سے پیرہن دیکھے

پلکوں کو ادھر اور اُدھر بند کیا ہی
سینے تری صورت کو نظر بند کیا ہی

در پردہ ہی منظور مری آہ سے بچنا
باناٰت کے پردے سے جو دربند کیا ہی

نم شب کو رہے بام پہ شاید کہ فلک نے
آنکھوں کو ابھی وقتِ سحر بند کیا ہی

صیاد کا یہ ظلم تو دیکھو کہ قفس میں
ظالم نے مجھے کھول کے پر بند کیا ہی

وہ کچھ نہیں سُنتا ہی تو کچھ اُس سے کہے کون
اچھا کیا مُنہ ہم نے اگر بند کیا ہی

زلفوں میں مرا دل ہی چھپایا ہی اُسی کو
آنچل سے مجھے دیکھ کے سر بند کیا ہی

ٹپکے گا نہ اے شوق کبھی اشک کا پانی
سینے اسے مانند گہر بند کیا ہی

مُنہ پر تو الفت کی باتیں دل میں ظلم کی نیت ہی
سر سہلائے بھیجا کھائے یہ ظالم کی عادت ہی

آؤ چلو سُن آئیں قصہ تم پر اپنے مرنے کا
ہم تم دونوں ناواقف اور شہر میں اس کی شہرت ہی

روکوں اپنے گھر میں تجھ کو اتنا مجھ میں زور کہاں
سر کو تیرے قدموں پر رکھ دوں بس اتنی طاقت ہی

رُخ سے شاید نور بچا کم ورنہ یہ کیا مشکل تھا
صاف ایسا ہی دل بھی ہوتا جیسی تیری صورت ہی

عاشق بنتے مدت گزری پھر بھی عشق میں کچا ہوں
جھڑکی کھا کر ہٹ جاتا ہوں اب تک اتنی غیرت ہی

کہنا سُننا کس کا میں تو یوں ہی اُس سے مل جاؤں
بات کو دل سے مُنہ تک لاؤں اتنی کس کو فرصت ہی

شاید ہو معشوق کے رُخ پہ غصّے کا اتنا ہی رنگ
شوق ادا بندی ہیں جتنا گہرا رنگِ حجابت ہی

ہوا مجبور کم زوری سے طفل اشک چلتے ہی
گرا ہی سر کے بل یہ آنکھ سے باہر نکلتے ہی

رُخِ محبوب پر کھلنے کی حسرت ہی رہی ان کو
مری پلکوں کی ساری عمر گزری ہاتھ ملتے ہی

ہٹا کر اپنی چوکھٹ سے بنے کیوں بے مروّت تم
نہ ٹلتے آج اگر ہم تو کسی دن مر کے ٹلتے ہی

چھپاؤں عشق یعنی مُنہ چھپا کر اس کے گھر جاؤں
کہ عاشق جان لیتا ہی وہ رنگت کے بدلتے ہی

گیا وہ ہم کو غش میں دیکھ کر یہ منہ دکھائے کیوں
سنبھالا لے کے ہم کچھ دیر میں آخر سنبھلتے ہی
گزاری وصل کی شب اے فلک تو ہو گا خونی تو
نکل جائے گی میری جان سیج سج کے نکلتے ہی

ہوا سے کی ہے سازش شوق میری تیرہ بختی نے
چراغ گور ہو جاتا ہے گُل ہر بار جلتے ہی

ہمیشہ وعدۂ دلبر غلط ہی جانا جائے
وفا وہ شے نہیں جس کا وجود مانا جائے
ملا ہے مجھ کو صدف کا نصیب دنیا میں
بنے وہ دل کی گرہ جو شکم میں دانا جائے
میں اُس کے در پہ جگہ پا کے ہو گیا مغرور
یہ عیب جائے جو قبضے سے یہ ٹھکانا جائے
کرے گی قطع کشش اُس کی میرے ملنے کو
کہ ٹوٹ جائے وہ رشتہ جو کس کے تانا جائے

اکیلے وادیٔ غربت میں اب نہ بہکو شوق
اُسی طرف کو چلو جس طرف زمانا جائے

دیکھ کر گل کو ہم اُن کے رُخ کا دھوکا کھا گئے
باغ میں گویا ہمارے سامنے وہ آ گئے
دل شکستہ ہم رہے دُنیا میں کانٹے کی طرح
گو جگہ پائی مگر کھٹکے وہیں جس جا گئے
حال دل پوچھا تھا تو دیتے تشفی کچھ ہمیں
خیر اب جانے بھی دو۔ تم دے چکے ہم پا گئے
حُسن کے افشاں بام پر بیٹھے جو شب کے وقت وہ
سب ستارے جھیپ کر پچھم طرف کترا گئے
اُن کے آنے اور جانے میں تفاوت کچھ نہ تھا
کیا کہوں اب میں کہ میرے گھر وہ آئے یا گئے
ہم کو بے دیوانگی دیوانہ بننا ہی پڑا
چند لڑکے خوب صورت سامنے جب آ گئے

مر گئے ہم اور وہ بدظن کھڑے ہیں لاش پر
کہتے ہیں کیوں شوق۔ جور اچھی سی تم تو پا گئے

کن آنکھوں سے دیکھوں اے شوق آنکھیں تیر غزالوں کی
آنکھیں دیکھی ہیں اپنے بھی کالی آنکھوں والوں کی

کچھ فتنے اور کچھ ہنگامے ہیں درکار قیامت کو — کچھ شوخی دو چشم آنکھوں کی کچھ شوخی و چالوں کی
ناگن کا لہرانا ہی کیا۔ رسّی کی سی اس کی شکل — شوقی سے ہم تو ڈرے تھے لٹ جا کے اُس کے بالوں کی
دو چیزوں کا حسن آیا ہے معشوقوں کی زلفوں میں — حلقے پائے زنجیروں کے۔ رنگت پائی کالوں کی

دھوکا کھا کر گل سمجھے ہم شوق اُس کے گل کے تکیے کو
ایسی کچھ آئی تھی اُس میں رنگت اُس کے گالوں کی

تھکا میں دیکھ کے وعدے پہ راہ آنے کی — پڑی پڑی مری عادت یقین لانے کی
عدو رہیں وہ مگر یہ کہیں کہ الفت ہے — مری حیات کو حاجت ہے اس بہلانے کی
نظر بدلتے ہی موتی بھی لعل بھی موجود — تمھارے ہاتھ ہے کنجی مرے خزانے کی
دکھاؤں جا کے ابھی سحر سامری سب کو — ملے جو خاک مجھے تیرے آستانے کی
یہ روسیاہ کیا عشق نے کہ شرمایا — ہوئی لحد میں ضرورت جو منہ دکھانے کی
بنا مریض بھی مردہ بھی میں۔ مگر بے کار — ڈھب بن پڑی کوئی تدبیر اُس کو لانے کی
نہ زندگی میں مکاں اور نہ مر کے گور نصیب — یہ بود و باش ہے اے عشق اس ٹھکانے کی
ہمارا طائرِ دل جا پھنسا ہے جوڑے میں — فریب یہ تھا کہ صورت تھی آشیانے کی

کہاں جنوں میں تکلف لباس کا اے شوق
یہاں ہے ایک سی حالت نئے پرانے کی

جب اشارے سے مجھے آ کے گھٹا کرتی ہے — تب طبیعت مری توبہ سے ہٹا کرتی ہے
تم شب روز کو مقراض کے دو پھل سمجھو — عمر ہر روز اسی قینچی سے کٹا کرتی ہے
یوں ہی چھٹا صبح شبِ وصل کلیجا میرا — جیسے پو صبح کی ہر روز پھٹا کرتی ہے
کبھی خنجر کبھی گالی تو کبھی داغِ جگر — اک نئی شے ترے گھر روز بٹا کرتی ہے

اے زباں خون کیا میرے جگر کا اُس نے — اور تو نام اُسی ظالم کا رٹا کرتی ہے
نہ ہوا لاتی ہے بو اُس کی نہ پیغام اُس کا — رسیاں دھول کی آ آکے بٹا کرتی ہے
کیوں دُعا عمر کے بڑھنے کی غلط مانگوں میں — جب بڑھا کرتی ہے یہ تب تو گھٹا کرتی ہے

پھوٹ نکلا ہے جنوں اب تجھے بن کے اے شوق
خود بخود کھال مرے سر کی پھٹا کرتی ہے

اُس نے بچپن کو تو دیکھو کہ وہ کیا سمجھا ہے — درد کے ضبط کو بے درد شفا سمجھا ہے
جس دم اب تو سکھاتی ہے نزاکت اُس کی — سانس کو وہ مرے نالے کی صدا سمجھا ہے
مجھ کو مظلوم نہ سمجھا تو نہ سمجھا لیکن — یہ تو پوچھو - وہ خدا کو بھی خدا سمجھا ہے
سادہ لوحی ہے کہ بد ظن نہیں عاشق تجھ سے — چشم پوشی کو وہ انداز حیا سمجھا ہے
قدر دل خود ترے عاشق کو ہوئی ہے - یعنی — دل کو آئینۂ معشوق نما سمجھا ہے
آہ کو دل سے تعلق ہے یہ کیا جانے وہ — ابھی ناداں ہے دُنیا کی ہوا سمجھا ہے

شوق کتنا ترا دلجو ہے کہ ہنس مکھ بن کر
تیری ہر کاوش بے جا کو بجا سمجھا ہے

سمجھو نہ یہ کہ چھپ کے گلی سے گزر گئے — وہ سر زمین بول اُٹھی تم جدھر گئے
آنسو ہمارے آگ لگائیں گے خاک میں — دانے نہیں ہیں یہ کہ گرے اور بکھر گئے
وعدے پہ جم کے میرے تقاضے سُنو ہی کیوں — سیدھی سی بات ہے کہ کہا اور مکر گئے
بھاگے وہ دیکھ کر تو ہے ملزم مرا جنون — بگڑی ہوئی تھی شکل کچھ ایسی کہ ڈر گئے
پہونچے جو حلق تک تو یہ چھپا کسی کا رعب — نالے پلٹ کے حلق کے نیچے اُتر گئے
نیند اب مجھے کہاں کہ پڑا ہے چلن سے کام — چہرہ دکھا کے آگ وہ آنکھوں میں بھر گئے

تھا تو گلے کا قصد مگر اُس نے حشر میں
ایسی ملائی آنکھ کہ ہم ضبط کر گئے

لیں ہم اب اُن کے گھر کی اجازت کسی طرح
نالے ہمارے گھر کے تو سب لے اڑ گئے

سوجھی یہ خوب گھر میں بلانے کی چال شوق
بھیجی خبر یہ اُن کو کہ ہم آج مر گئے

اس پر وہ کیوں خفا ہیں کہ ہم اُن کے گھر گئے
کھوئے وہیں سے تھے لینے کو اپنی خبر گئے

وعدہ جو رات کا تھا تو میرے نصیب سے
آئی نہ رات اور کئی دن گذر گئے

کیا کہئے سرگذشت فراز و نشیب عشق
کل ہم تری نظر پہ چڑھے آج اُتر گئے

اتنے نہ تھے حواس کہ پاتے ہم اُن کا در
دیوار کو ٹٹول کے پلٹے جدھر گئے

اُن کو تھکا دیا مرے جنازے کی دیر نے
کوٹھے پہ لاکھ بار چڑھے اور اُتر گئے

سمجھے وہ میری آہ - یہ بچپن تو دیکھنا
جھونکا ہوا کا سن سے جو نکلا تو ڈر گئے

کیوں سینے کہہ دیا کہ مری زندگی ہو تم
مثل نفس وہ شوق ادھر آئے اُدھر گئے

زندگی کا کیا بھروسا یہ اجل کے ہاتھ ہے
آج جو کرنا ہو کر لے کل کی کل کے ہاتھ ہے

مجھ سے کیا مطلب ہے بہکے عشقبازی سے دماغ
میرے قابو میں نہیں - اب وہ خلل کے ہاتھ ہے

تا ابد اُس کو بھی چھٹنے دے گی کب میری تڑپ
جو سرا زنجیر ہستی کا ازل کے ہاتھ ہے

عشق کے جھگڑوں سے واں چھوٹوں گر جوانی میں مروں
صورت آرام مرگ بے محل کے ہاتھ ہے

رنگ رخسار و ذقن تک حسن کی رونق ہے شوق
آبروئے صحن چمن کی پھول پھل کے ہاتھ ہے

ہم آئے آج اُسے صورت آشنا کر کے
فقط نگاہ سے دل کا پیام ادا کر کے

ہیں جا کے دیر میں بیٹھا تو دل لگا ایسا
کہ آیا لاکھ نمازیں وہیں قضا کر کے

سزائیں سب نہ کرو ختم - کچھ لگی رکھو
بنوں گا پھر بھی خطا وار اِن خطا کر کے

سنو ہی کیوں یہ شکایت کہ ہے توجہ کم
جفا کرو اگر اندازۂ وفا کر کے

ہوا ہوں مطمئن ایسا میں دے کے دل اُس کو
کوئی ہو جیسے سبکدوش قرض ادا کر کے

اس اعتماد وفا پر میں خود ہی من جاؤں
خفا وہ جانتے کب ہیں مجھے خفا کر کے

گھٹایا حُسن سے کیوں اپنے عشق کا رتبہ
خلافِ جذب اُسے لایا ہوں التجا کر کے

کھلے ہوئے ہیں سب اوراق گل کہ ہر گل نے
سبق لیا ترے رُخ سے کتاب وا کر کے

مجھے جھڑک کے بہت ہنس رہے ہیں اُس کے لب
بڑا ہی ناز ہے حقِ نمک ادا کر کے

مری دعا کو اگر زور دے تری آمیں
ترے خدا سے میں کچھ چاہوں التجا کر کے

دکھائی آہ سے اے شوق اُس کو بجلی سی
اُٹھایا لطف لپٹنے کا یوں دغا کر کے

مرنا مرا سُنا بھی تو آئے گا کیا ابھی
لطفِ نوید میں ہے وہ کچھ محو سا ابھی

وارفتگی میں عرضِ تمنا کا ذکر کیا
پہونچا نہیں خیال بھی تا مدعا ابھی

تم نے نگاہ لطف سے رکھ لی ادب کی شرم
ورنہ لبوں تک آہی چکا تھا گلا ابھی

میری مثال دے نہ اُسے کوئی تا شباب
میں چاہتا نہیں اثر التجا ابھی

وہ آشنائے دیدۂ بے باک ہو تو لے
کافی ہے اے ہوس نگہِ نارسا ابھی

روکا ہے مجھ کو اُس کے لڑکپن نے آہ سے
نازک ہیں کان سُن نہ سکیں گے صدا ابھی

گذری ہے عاشقی میں فقط ایک ہی تو عمر
کچھ اُس سے کیا کہوں کہ ہے نا آشنا ابھی

کچھ لطف حشر ہو جو یہ حسنِ شباب جائے
میری نہیں سُنے کا تمھارا خدا ابھی

سینے فنا ہے شوق کی یوں ہی خبر اُسے
وہ کھو گیا ہے جو ترے کوچے میں تھا ابھی

اتنا بے چین ہوا یاد ہم آغوشی سے
کہ ہوں آرام طلب عشق فراموشی سے

ہوش لیتا نہیں نام اب مرے پاس آنے کا
ایسی زک پائی ہے اُس نے مری بیہوشی سے

تم نے کانوں کو بھی رُخ کو بھی چھپا رکھا ہے
پیچ پر پیچ پڑا زلف کی سرگوشی سے

زاہد آ تجھ کو دکھلاؤں میں آنکھیں اُس کی
شرع مانع نہیں اس شکل کی مے نوشی سے

شوق کہتا نہ خدا کے لیے صوفی مجھ کو
سینے عیب اپنے چھپائے ہیں نمد پوشی سے

جنوں سے جا بجا شق ہے یہ حالت ہے جگر کی
جدھر سے چاہے درد آئے کھلی ہیں کھڑکیاں گھر کی

نگاہِ شوق ادھر سے تھی نگاہِ قہر اُدھر سے تھی
چلیں خوب آج چوٹیں مجھ بلا اور اُس بین ابر کی

محبت کے مرض سے روز لاغر ہوتا جاتا ہوں
خدا جانے نظر مجھ کو لگی ہے کس ستمگر کی

ہوا کچھ قرب اُس کا آج میری روح کو حاصل
بڑھا دو اس طرف یا قبر میری اُس طرف سر کی

احبا کھا کے دھوکا فاتحہ پڑھنے لگے مجھ پہ
مشابہ اس قدر ہے گور سے صورت مرے گھر کی

یہ جو آنکھوں سے ٹپکا ہے نہ سمجھو خونِ دل اس کو
بہت بھڑکی تو باہر پھوٹ نکلی آگ اندر کی

خدا جانے مرا بس اُس پہ ہو یا اُس کا بس مجھ پر
ٹھنی ہے جنگ ان روز دل مقدر سے مقدر کی

وہ ٹھکرایا کرے بلنے تو دی قبر اپنے کوچے میں
ٹھکانے لگ گئی آخر محبت زندگی بھر کی

جنوں دیکھو کہ سب سے پوچھتا پھرتا ہوں سر تھامے
کہیں اس شہر میں کوئی عمارت بھی ہے پتھر کی

خدا چاہے تو جو کہوا اور بنتیں رکھو دو قدم آگے
مٹا کر میری تربت خوب سطح کی برابر کی

ہزاروں آبلوں پر پھوٹ ہو لے شوق اُن آنا

فقط اک آبلے سے کس قدر وقعت ہی گوہر کی

سوچ چھوڑا ہی برے اور بھلے کا ہم نے
کر لیا طالعِ ناساز سے ایکا ہم نے

کہہ دیا دل سے کہ ہی ناشنوا وہ ظالم
دے لیا خود ہی جواب اپنے گلے کا ہم نے

جھاڑیاں اپنی ہیں خار اپنے ببولیں اپنی
لے لیا دشتِ جنوں خیز کا ٹھیکا ہم نے

دل تجھے دے کے پڑے ہجر میں غم کھاتے ہیں
چکھ لیا خوب مزہ اپنے کئے کا ہم نے

صورتیں بزمِ حسیناں کی نہ پوچھو اے شوق
لطف دیکھا وہاں پریوں کے پرے کا ہم نے

تمھارے بال بھی اچھے تمھاری مانگ بھی اچھی
یہ شہرِ حُسن ہی اس کا سواد اچھا گلی اچھی

چڑھایا اُس نے دانتوں کی چمک سے ہار ہیرے کا
مری تربت کو رونق حسن نے دی ایسی ہنسی اچھی

لُبھاتی ہی دلوں کو جو ادا ہی اُس کی چوٹی کی
بندھی ہی تو بندھی اچھی کھلی ہی تو کھلی اچھی

قد اچھا اور اس میں دونوں گال اچھے دہن اچھا
شجر اچھا ہی اس کے پھول اچھے ہیں کلی اچھی

بیاضِ رُخ میں اُس کے ابرؤوں کا حسن کیا کہئے
یہ بیت اُستادِ قدرت نے کہی اچھی لکھی اچھی

تمھاری شکل اچھی اور تمھارا آئینہ اچھا
تمھیں مدِ نظر دُنیا میں جو شے ہو وہی اچھی

ابھی بچے ہیں شوق اُن کو نہ کتنا عشق بازوں کا
ابھی تو جا بجا بچتے پھرتے ہیں وہ صورت بُری اچھی

پڑا ہی کام اب عرضِ تمنا کو خموشی سے
ہوا اُمید کا در بند اُس کی چشم پوشی سے

کسی کے گھر سے ذلت اور کسی کے در سے رسوائی
ملیں مجھ کو کئی چیزیں ذرا سی خود فروشی سے

دیارِ عشق میں کون اور ہی پرسانِ حال اپنا
فقط اک تپ سلا کرتی ہی اکثر گرم جوشی سے

اجل نے راہ روکی زندگی کے لاکھ عیبوں کی
لحد نے اور اُن پر خاک ڈالی پردہ پوشی سے

دماغ خشک سے کیا ہو تحمل جام کوثر کا
یہاں مشتاق ہو تو شوق عشق بادہ نوشی سے

طاقتِ صبر اس ستم پر کیوں نہو شاکی تری
ضبط کی حد سے بڑھی رہتی ہے بیباکی تری

شہرتِ مریخ کیا یوں ہی ہوئی ہے بے سبب
اُس کی صورت میں ہے کچھ کچھ شکل سفاکی تری

دل بچے کیونکر ادائے دلبری کے ہاتھ سے
فہم کو مغلوب کر دیتی ہے چالاکی تری

جن بنایا آدمی سے تجھ کو سوزِ عشق نے
شکل ناری ہو گئی اے پیکرِ خاکی تری

یا تو باز آ عشق سے یا منھ چھپا اے شوق تو
ہم سے اب دیکھی نہیں جاتی یہ غمناکی تری

لوٹا جو لہو پر تو کہا ہنس کے کسی نے
یہ گل تو کھلایا مرے دامن کی کلی نے

جو بنتے ہیں ناصح وہ مجھے یہ تو بتا دیں
تم کو مری آنکھوں سے بھی دیکھا ہے کسی نے

قرآن میں یوسف کی جگہ اُس کا لیا نام
کتنا ادبِ حُسن کیا بے ادبی نے

محشر میں نگاہ اُس کی کچھ ایسی تھی کہ آخر
کی داد سے توبہ ہوسِ دادرسی نے

جو گل پہ ستم کرتی ہیں سورج کی شعاعیں
وہ رُخ پہ کیا آج مری بدنظری نے

رومال سفید اُس کا گلابی نظر آیا
پونچھا جو پسینا رُخِ رنگیں سے کسی نے

پیڑوں کی طرح اُگتے ہیں اِس خاک سے فتنے
پیدا کئے سو حشر ترے گھر کی گلی نے

شُبہہ یہ ہوا دیکھ کے بازار میں نافہ
پھینکا ہے یہ دِل کا کلِ مشکیں سے اُسی نے

اب کچھ نہیں تم سے گلہ جورِ تغافل
دل جوئی بہت کی کرمِ دل شکنی نے

اس شہر کے لڑکوں میں لڑکپن ہی نہیں ہے
دیوانے کو دیوانہ بنایا نہ کسی نے

مُنہ دیکھ کے دانتوں پہ کہی شوق نے پھبتی

یاقوت کی ڈبیا میں ہیں ہیرے کے نگینے

مری قسمت میں تھا اوروں کا منت کش نہ ہونا ہی
ہمیشہ اپنا غم کھایا میں پروردہ ہوں اپنا ہی

ہوا خون بدن سب خشک تو اس پہ تعجب کیا
تپ فرقت کو بھی جتنی ضرورت اس سے کم تھا ہی

پڑا ہوں ناتواں بہلاؤں کیا خاک اے جنوں تجھ کو
یہ گھر اجڑے نہ کوہستان ہی اس میں نہ صحرا ہی

ہوئی تعظیم میں کچھ دیر اس پر روٹھ جانا کیا
نہ اٹھ سکتا اگر میں تو جنازہ میرا اٹھتا ہی

شباب اب لے گا میرا انتقام آئینہ دیکھو تو
خدا چاہے تو ہو بے رحم تم پر دل تمھارا ہی

بلانے پر تم آئے اس پہ کیوں ممنون کرتے ہو
اگر احسان رکھنا تھا تو آتے بے تمنا ہی

نہ آئے ہو نہ آؤ گے مگر میری تشفی کو
نہ ہو عذر بجا کوئی تو کر دو عذر بیجا ہی

مقرر کر الٰہی کوئی دن اب ناامیدی کا
بڑی امید روز حشر کی تھی یہ تو گزرا ہی

قدم وہ یوں نہ لینے دے تو مکر اے شوق کیا مشکل
مرے مقصد کو کافی ہی ذرا سی لغزش پا ہی

مارے غصے سے غضب کی تاب رخساروں میں ہی
کل تو تھی پھولوں میں جتنی آج انگاروں میں ہی

تپ کی سوزش سے مرے چہرے کی سرخی دیکھنا
کچھ تمھیں خوش رو نہیں ہم بھی طرحداروں میں ہی

روح تیرے گھر کو چھوڑے یہ کبھی ممکن نہیں
جسم میرا خاک ہو کر اس کی دیواروں میں ہی

اتنی زردی ساری دنیا کی خزاں میں بھی نہ ہو
جتنی اے ظالم تری الفت کے بیماروں میں ہی

یا گھٹے کچھ عشق میرا یا بڑھے دنیا میں حسن
یہ تو ناکافی ہی جتنا ان دل آزاروں میں ہی

آئینے میں ڈالتا ہی رخ پہ میری سی نگاہ
تو بھی میرے ساتھ الفت کے گنہگاروں میں ہی

قدرت اتنے ناز پیدا کر سکے گی یا نہیں
ان کا جتنا صرف تیرے ناز برداروں میں ہی

مسئلہ کثرت میں وحدت کا ہوا حل تم سے خوب
ایک ہی جھوٹھ اور تمھارے لاکھ اقراروں میں ہی

قید میں کتنی بڑھی میرے جنوں کی کاہلی
اس سے کم ہے جتنی دنیا بھر کے بیکاروں میں ہے

چاند ہی کہہ دے جو دیکھا ہو کہیں تجھ سا حسیں
اس نے بھی دیکھی ہے دنیا یہ بھی ستاروں میں ہے

کفر نے اسلام کو شاید کہیں مارا کہ شوق
ماتمی پوشاک سے کعبہ عزاداروں میں ہے

یوں تجھی سے ہو کے خوش تو بد دعا ہی کیوں نہ دے
سلطنت بھی لُٹ نہ لوں میں وہ خدا ہی کیوں نہ دے

اے خدا نازک دماغی اُس کی اٹھ سکتی نہیں
پھیر کر یہ سر مجھے تو دوسرا ہی کیوں نہ دے

حسن کو آتا ہو ترس مجھ پر وہ اُس بے رحم کو
دے کے اپنے نام کا دھوکا بلا ہی کیوں نہ دے

دل بڑا اور درد تھوڑا یہ گلہ ہے اے خدا
تو بڑا داتا ہے تو بے انتہا ہی کیوں نہ دے

سب سے کہتا ہے کہ غش آیا دوا اچھی اس کو دو
بیٹھ کر تو اپنے دامن کی ہوا ہی کیوں نہ دے

عشق مجھ سے یوں تو اے ناصح نہ چھوٹے گا کبھی
حسن کو تو ساری دنیا سے اُڑا ہی کیوں نہ دے

شوق ہے آہوں کے سننے کا خدا کو ورنہ شوق
وہ حسینوں کو دل درد آشنا ہی کیوں نہ دے

میں شگفتہ ہوں گا چمن میں گل کے شگفتہ ہونے سے
مثلِ شبنم کام ہے مجھ کو اپنا رونا رونے سے

برہم ہو گی بزمِ عیش اُٹھوا کے اُسے پھنکوا دو بھی
ہچکی کی آواز آتی ہے دیکھو تو کس کونے سے

حشر سے بے پروا ہو میرے خون کو مردہ جان کے تم
زندہ سمجھو چھپ نہ سکے گا یہ دامن کے دھونے سے

بچپن کی نادانی ہے تو شاید ہوں عشاق کے دل
ٹوٹے پھوٹے رکھے تھے پاس اُس کے چند کھلونے سے

شوق جنوں کی آگ کو سب لگ گئے ہیں اکسیر کہیں
میری گردن میں ہے مشابہ طوق کا لوہا سونے سے

ملے دو یار باہم اب تو یہ چھوٹیں گے مشکل سے
جو دل کو عشق ہے غم سے تو غم کو عشق ہے دل سے

سوا داتنا ہی اقلیمِ عدم کا بڑھتا جاتا ہے
سیاہی جتنی زائل ہو رہی ہے چشمِ بسمل سے

اجل کے بعد اگر جیتا تو راز اُس کا چھپاتا میں
چھڑاتا دھو کے دھبے خون کے دامانِ قاتل سے

یہ بچپن دیکھنا پھولوں کو گلشن میں نہ پہچانا
وہ بھر لایا ہے دامن اپنا پرہائے عنادل سے

رہا زنداں میں دیوانہ کسی کا اتنی مدت تک
جدا ہو ہو گئیں گھس گھس کے سب کڑیاں سلاسل سے

کہیں میدان میں رویا ہے شاید تیرا دیوانہ
کہ بڑھ کر ندیاں باہر ہوئیں آغوشِ ساحل سے

نتیجہ دیکھ لو اے عشقبازو عشق بازی کا
لگن نکلا ہے پروانوں کی لاشیں لے کے محفل سے

ہے اتنی بے خودی دن کو نہ پایا سینے گھر اُس کا
چمک جس کی نظر آتی ہے شب کو ایک منزل سے

رقیب اپنے ہو پا لیٹ کرنے کی شہرت دو
بلا سکتے ہو تم اے شوق اُس کو ان وسائل سے

دل کی سردی سے ٹپکتا نہیں تھم جاتا ہے
برف کی طرح سے اشک آنکھ میں جم جاتا ہے

پھر دل لے کے وہ جاتا ہے ہوائے مسموم
آکے جب حلق کے نیچے مرا دم جاتا ہے

لذتِ دردِ سر اُس دن مجھے مل جاتی ہے
کھا کے جس دن وہ مرے سر کی قسم جاتا ہے

موت آتی نہیں تو غش کا سہارا لے کر
زندگی ہی میں کوئی سوئے عدم جاتا ہے

اُس کے گھر جانے سے اب یاس ہے شاید دل کو
بدلے آگے کے جو پیچھے کو قدم جاتا ہے

میری حالت پہ ٹپکتے ہیں قلم کے آنسو
مدعا دل کا جو تا نوکِ قلم جاتا ہے

حسنِ بے پردہ مگر پردہ نشیں ہے اے شوق
اب تو مدفن کو جنازہ کوئی کم جاتا ہے

سرو کو دے سزا اے پامالی
قد ترا مد ظلہ العالی

جان دے کر میں عشق سے چھوٹا
دے کے صدقہ بڑی بلا ٹالی

اُس کی جھوٹی قسم کا شکوہ کیا — یہ بھی کھانے کی چیز تھی کھالی
قد کے اعضا میں ہی شباب کا رنگ — لال پھولوں سے بھر گئی ڈالی

شوق بدلی میں لطف آ جاتا
کہیں ملتی جو میکدے والی

دیکھے صورت اگر آئے کوئی سو بار بھی — تم کو تو گھر چاہیئے بے در بھی بے دیوار بھی
نزع میں کس دم وہ آیا جب سکوت لب کے ساتھ — پھر گئی دیکھی نگاہِ شوق کی رفتار بھی
تیری فرقت میں ترا عاشق بڑا زاہد ہوا — ہے وہ تیرے نام کا ذاکر بھی شب بیدار بھی
ہجر کے دن کچھ مرا گھر ہی نہیں ماتم کدہ — ماتمی پوشاک میں ہے سایۂ دیوار بھی
کیا لڑکپن ہے کہ دوڑا جان کر گیندے کا پھول — زرد تھا ویسا ہی بالکل چہرۂ بیمار بھی
عشق میں دو کام نکلے اشک پیہم سے یہاں — آبروئے رخ بھی تھی اور صورت اظہار بھی

شوق یوں تا دیر پائی لذتِ گفت و شنید
ورنہ دے سکتے تھے ہم دل اُس کو بے اصرار بھی

روز آ آ کے وہ لڑ جاتا ہے — کھیل بن بن کے بگڑ جاتا ہے
یہ ہے پہچان ہوا سے گل کی — بخیۂ زخم اُدھڑ جاتا ہے
عاشقی میں ہے بس اتنی لذت — دل میں ناسور سا پڑ جاتا ہے
کیا چھپے درد کہ نقشِ رخ کا — دن میں سو بار بگڑ جاتا ہے
یہ ہے ادنیٰ سا اثر فرقت کا — روح سے جسم بچھڑ جاتا ہے
میں جنوں لے کے جہاں جاتا ہوں — شہر کا شہر اجڑ جاتا ہے

اُس سے کیا پینگ بڑھاؤں اے شوق

وہ تو ہنسنے سے اُکھڑ جاتا ہے

خونریزی بد ہے، یہی اک غم نہیں میرے لئے
اپنی ہی نازکی ماعی کم نہیں میرے لئے

دل کے زخموں کو نہ بھرنے دے گی زہریلی نظر
لایا مرہم بھی تو یہ مرہم نہیں میرے لئے

اک فنا ہر وقت جس کو ہے مری ہستی کی تاک
اک بقا جو صورتِ شبنم نہیں میرے لئے

یا ور کھاے بے مروت بخل اپنا میرے ساتھ
شربت اوروں کے لئے ہے۔ سم نہیں میرے لئے

میں شہادت سے ہوا ہوں زندۂ جاوید شوق
کچھ کسی کو حاجتِ ماتم نہیں میرے لئے

لائے ہم اُس کو گھر تک لٹتے ہوئے اُسی سے
پورا کرایا وعدہ کس بے مروتی سے

روزن کئے ہیں اُس نے دیوار میں یہ کہہ کر
شاید ترا جنازہ نکلے مری گلی سے

جو شخص نزع میں ہے کہتا ہوں اُس سے جا کر
اپنی اجل بدل لو تم میری زندگی سے

کینے ہی سے ہو لیکن دل میں جگہ تو دی ہے
ظالم کی دشمنی بھی کیا کم ہے دوستی سے

میری نظر سے اُس نے یہ کہہ کے رُخ چھپایا
چھوٹیں نہ تیری آنکھیں اس تیز روشنی سے

باقی ہے فاصلہ کم اب منزلِ عدم تک
کچھ راہ ہو چکی ہے طے میری بیخودی سے

آپس کی دل لگی میں ہوتا ہے شوق یوں بھی
کیا ہے اگر رُلایا اُس نے تمہیں ہنسی سے

سیکھو وفا جو دلبر بننے کا حوصلہ ہے
انسان کی کسوٹی اُس کا معاملہ ہے

پہچان کیا بتاؤں۔ وہ پوچھتے ہیں مجھ سے
دونوں میں کون دل ہے اور کون آبلہ ہے

دل میرا منگ آئی تو عشق کیوں نہ آتا
آخر شباب ہی کا اک یہ بھی ولولہ ہے

صورت تو دیکھتے ہو پھر پوچھتے ہو ناحق
تم آپ جانتے ہو جس بات کا گلہ ہو

یہ سب ہیں تیرے قیدی جن سے ہی تو مخاطب
زنجیر سے زیادہ باتوں کا سلسلہ ہی

پوچھے جو کوئی دل کی تو کون اب بتائے
وہ بے زبان ٹھہرا جس کا معاملہ ہی

غفلت کی رہبری سے پہونچے قریب منزل
سکتے سے شوق اجل تک کون ایسا فاصلہ ہی

کہاں سے رنگ گلوں کے لئے یہ لائی ہی
بہار کیا ترے گالوں سے مل کے آئی ہی

ہوا جو دفن تو سینے دکھا کے دل یہ کہا
یہ چیز میری نہیں لے زمیں پر آئی ہی

تمہارے رخ کی چمک ہی جنوں کے داغوں میں
ہمارے پاس بھی سامانِ خود نمائی ہی

جنازے کو ہی نزاکت کا پاس کاندھا دو
ذری سی لاش ہی چھوٹی سی چارپائی ہی

بڑھا سکا نہ ہمارے جنوں کی دنیا کو
سنا گئے کہ خدا کی بڑی خدائی ہی

غرورِ حسن اُسے تھا ہی شباب بھی آیا
وہ چند آج سے سامانِ بے وفائی ہی

کہاں میں اور کہاں تم سے عشق کا دعویٰ
کچھ اور اس کو نہ سمجھو یہ خود ستائی ہی

یہ شوق دیدہ دمِ نزع ہی کہ میری روح
تمام جسم سے آنکھوں میں کھنچ کے آئی ہی

ضرور ہجر میں جینا برا ہی لیکن شوق
میں پوچھتا ہوں کہ مرنے میں کیا برائی ہی

شباب آتے ہی دھوکا آئنے سے اُس نے کھایا ہی
وہ سمجھا مجھ سے ملنے کو کوئی معشوق آیا ہی

میں بھاگا سانپ سے ڈر کر تو ہنس کر یہ کہا اس نے
ادھر آؤ ستمگری یہ تو مرے گیسو کا سایا ہی

رہیں نظریں مرے دیوانہ پن ہی کے تماشے میں
ہزار دل بد نگاہوں سے تمہیں سینے بچایا ہی

جو نفرت مجھ سے ہی تو اپنی پلکیں کیوں جھپکنے دو
میں یہ سمجھا مجھے تم نے اشارے سے بلایا ہی

شکایت آبلوں کی در کنار احسان مانوں میں
کہ تپنے گرمیِ الفت سے میرا دل بڑھایا ہی

نہ آئے دیکھنے گر درد کی لذت سے آفت ہو
چھپانے کے لیے بیٹھے بُرا سا منہ بنایا ہے

وہ یوں کاہے کو کچھ سنتا یہ اچھی شوق کو سوجھی
سفارش کے لئے فریاد کو ہونٹوں پہ لایا ہے

کاجل پہ بہت مائل وہ گیسوؤں والا ہے
ہیں ایک نہ مانوں گا کچھ دال میں کالا ہے

تا صاف یہ بدظن دل آئینے سے تھا لیکن
اُس نے تری صورت کو اس بیچ میں ڈالا ہے

بیکار نہ تھے نالے، گھٹتا تھا دم اے وحشت
پہنچی تھی فلک کی چھت کچھ اُس کو اُچھالا ہے

سورج کو بھی ڈھالا تھا پہلے اسی سانچے میں
قدرت نے ترا چہرہ جس سانچے میں ڈھالا ہے

اے شوق ابھی آیا۔ یہ کہہ کے ہوا غائب
دل رکھ کے محبت سے اُس نے مجھے ٹالا ہے

نہ پوچھو مزا عشق کا کل میں کیا ہے
نہ لینا نہ دینا بلا ہی بلا ہے

جو حسن اُس میں ہے بے وفائی سے بڑھ کر
تو پھر حرج کیا ہے اگر بے وفا ہے

مرا دم نکلتے ہی وہ آکے پہونچا
یہ خوبی ہے اُس میں کہ زود آشنا ہے

جو چھیڑوں بھی پوچھا کبھی دردِ دل کو
خدا جانے تو کس مرض کی دوا ہے

ملوں شاید اب بے وفا بن کے تجھ سے
میں سب کر چکا صرف جتنی وفا ہے

مجھے یہ بتا دو کہ میں کیا بتاؤں
اگر پوچھے اُٹھو تم کہ کیا مدعا ہے

ہے محوِ دلبر کہ شوق اک گلی میں
اکیلا کھڑا ہے مگر لٹ رہا ہے

اُسے تو ہو نگاہ ہم سخن خیر میں بے ادب ہی
بات نہ ہو جو کوئی ادا شکوہ بے سبب ہی

شرم کا حرج کچھ نہیں عدو سے اک کنارے سے
کھل کے جواب نہ کہہ سکو خندۂ زیرِ لب ہی

نکلوں گا اب تو گھر سے ہی بعد غروب آفتاب
صورتِ غم کا پردہ دار دن جو نہیں تو شب سہی

شوق نظارہ منحصر لطف و عتاب پر نہیں
روئے شگفتہ گر نہ ہو - چہرۂ پر غضب سہی

دیکھنے کو ہوں بیقرار - جاؤں گا اُس کے گھر ضرور
دیکھوں گا کل طلب کی راہ آج تجھے طلب سہی

دور رہا ستم کا ملک - آگیا حشر سامنے
عذر ستم ہی میں ہے خیر - تب نہ کیا تو اب سہی

خوش ہوں جو مجھ کو لاکھ بار کہہ کے شری پکار دو تم
شوق تو نام ہو چکا - اور بھی اک لقب سہی

مرے قتل پر یہ ندامت تمھاری
تمھیں پر ہے گویا شہادت تمھاری

خدا کے خزانے میں تھی جتنی خوبی
وہ سب لے کے بیٹھی ہے قسمت تمھاری

یہ ہے جذبِ الفت کہ میری رگوں میں
لہو بن کے دوڑی ہے رنگت تمھاری

بٹیں خلق پر جب زمانے کی چیزیں
پڑی میرے حصّے میں الفت تمھاری

تحیّر کی اے شوق کچھ انتہا بھی
ہزار آئنے ایک صورت تمھاری

نہ پائی اُس نے اس پر بھی صفائی حسنِ جاناں کی
چھپی گو چار چھینٹوں سے چمک مہرِ درخشاں کی

کہوں فریاد یا ربّ میں جو آنکھیں بند کر لے وہ
کہ جادو ڈالتی ہیں مجھ پہ نظریں چشمِ فتاں کی

کیا ہے بے نشاں اعزاز کے پردے میں ظالم نے
تبرک کہہ کے مٹی بانٹ دی گنجِ شہیداں کی

نہ تنہا ہم ہی لڑکے ہیں - جنوں کے دن کٹیں کیونکر
نہ ہوتی فصلِ گل ہم کو کاش پابندی بستاں کی

بہت کم اُس سے میری عمر ہے سب جتنی سمجھے ہیں
حسابِ مرگ میں ہے زندگی شبہائے ہجراں کی

نہیں ہے مشک تو خاصیتِ مشک اس میں کیا کم ہے
میں چھڑکوں زخم پر مٹی جو پاؤں کوچۂ جاناں کی

رہائی قید سے اے شوق کیسی - طفر تو سن لو

وہ کہتا ہے کہ کنجی کھو گئی ہے قفل زنداں کی

کہاں اب چھوٹتی ہے سر زمیں اُس سے بیاباں کی
کہ پگڑی قیس سے اٹکی ہے تیرے خانہ ویراں کی

وہ یا گھر میں نہیں ہے یا گیا حسنِ شباب اُس کا
مروت سے بھری ہیں آج آنکھیں اُس کے درباں کی

خدا کے واسطے روک لے ہوا اپنے بگولوں کو
مرے دستِ جنوں کا حق ہے سب ریگِ بیاباں کی

نہیں کپڑے میسر ہیں تو میں خود صورتِ اخگر
کروں پیدا بدن سے پوشش اپنے جسمِ عریاں کی

لہو ٹپکا ہوا تجھ کو ملے گا جا بہ جا در تک
بڑی پہچان ہے لے نامہ بر یہ کوچۂ جاناں کی

پسند آئے مجھے زخم اپنے جب ٹانکے لگے ان میں
ادا آئی نظر تیرے تبسمہائے پنہاں کی

بلا لی دیدہ و دانستہ اے شوق اپنے سر کس نے
ہے سودا سر ٹپنے کا یہ محبت زلفِ پیچاں کی

گئے حواس مرے اُس کے پاس جاتے ہی
بھرا تھا ایسا کہ گر جا وہ دیکھ پاتے ہیں

جنوں سے مری صورت بھی اک تماشا تھی
کہ منھ کو کھول دیا گور میں لٹاتے ہیں

جو یاس ہو بھی تو ہوتا ہے عشق کب مایوس
اُمید بندھتی ہے تیرے قریب آتے ہی

اُٹھا کے در سے بنے بدمزاج کیوں سب کا
تم آجکل میں جنازہ مرا اُٹھاتے ہی

الٰہی آکے وہ آنکھیں نہ کھولنے پائے
کہ کر نہ لے مجھے راضی نظر ملاتے ہی

فروغِ حسن بھی کچھ کم نہیں ہے بجلی سے
غضب کی آگ لگی دل میں دل لگاتے ہی

چلو جو شوق تو دل دے کے رونمائی کو
یہ چیز سب سے وہ لیتا ہے منھ دکھاتے ہی

کونے میں بٹھایا آپ سے دور اور دل سے ہم کو کم سمجھے
خبر اب کیا ذکر ان باتوں کا کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے

جب رونے میں تاثیر نہ ہو تو رونے سے ہنسنا اچھا
کیا روئیں اُس کے آگے ہیں جو اشکوں کو شبنم سمجھے

وہ ماتم چاہیے جس کا ہو۔ ہم بھی تو عشق میں مُردہ ہیں
پہنے کپڑے جو سیاہ اُس نے ہم اپنا ہی ماتم سمجھے

تم کوسنے کیوں کرتے ہو تلف ہیں مرنے کو خود بیٹھا ہوں
اُس میں ہمی کا جینا ہی کیا جو شخص خدا کو تم سمجھے

اے شوق اس غم کی لذت پر صدقے کر دوں میں سو خوشیاں
عاشق کیا ننگ عشق ہے وہ جو عشق کے غم کو غم سمجھے

تری نظر کوئی جادو ہوئی نظر نہ ہوئی
وہ دل کو لے گئی۔ لیکن مجھے خبر نہ ہوئی

تمہارے گھر میں جو کٹنے نہ پائے دن میرے
تو کیا گلی میں مری زندگی بسر نہ ہوئی

مری لحد کی زمیں بھی ہے حسن پر عاشق
تری گلی میں ہوئی اور اِدھر اُدھر نہ ہوئی

یہ اُس کا قصد تھا شاید کہ آئے شام کے وقت
نہیں تو کیوں مرے گھر شام تا سحر نہ ہوئی

ادب نے ہمتِ نظارہ پست کی افسوس
جدھر رُخ اُن کا تھا میری نظر اُدھر نہ ہوئی

تپِ فراق نے ایسا کیا ہے خشک مجھے
کہ اشک بہتے رہے اور آنکھ تر نہ ہوئی

مرا بھی شوق تو زندہ ہے داستاں اُس کی
جو مختصر بھی ہوئی وہ تو مختصر نہ ہوئی

دیکھے نہ دیکھے شکل وہ سلسلۂ خبر تو ہے
گریۂ با اثر نہ ہو۔ نالۂ بے اثر تو ہے

ڈر رہے مانع سخن مشکل ہے خود ہی دردِ عشق
ہوں لبِ شکوہ سنج چپ سامنے چشمِ تر تو ہے

تنگ ہوں اپنے گھر سے میں کاش تمہارے گھر رہوں
کچھ نہ ہو اور فائدہ شب کی یہاں سحر تو ہے

فخر کی بات ہے کہ ہوں قابلِ التفات میں
چشمِ عتاب ہی سہی میری طرف نظر تو ہے

سر کو پٹک کے اُس کے گھر پھوڑ نہ دے اگر پھرا دماغ
خوش ہو کہ حاصل اے جنوں لذتِ دردِ سر تو ہے

کس کا جواب اے خدا تیرے سپرد ہے غریب
اور قصور ہو نہ ہو سیر ایسا میسر تو ہے

چشمِ امید اب تو ہے وعدۂ سیر نزع سے
ملنے کا وقت کم سہی مرگ سے پیشتر تو ہے

بند کیا جو گھر کا در تنگ ہے مجھ پہ کیا جہاں
جینے کو گر جگہ نہیں مرنے کو پیش در تو ہے

رحم کے بدلے یہ ستم عاشقِ دل شکستہ پر
شوق کا نام اگر ہے بدہونے بھی دو بشر تو ہے

بس اب گلۂ جور کا محشر میں جُدا ہے
میری طرف اُس کی نگہِ ہوش رُبا ہے

اللہ رے تغیر کہ میں اپنوں میں بھی ہوں غیر
جو شکل تھی کل آج کی شکل اُس سے جُدا ہے

اتنا تو اعزا مرے روئے نہیں مجھ کو
جتنا کوئی آ کر مری میّت پہ ہنسا ہے

آتی نہیں فرقت میں نظر شام کی صورت
کیا عمر کا صرف ایک ہی دن مجھ کو ملا ہے

وہ حشر میں مکریں گے مگر یہ تو بتائیں
مہندی سے مرے خون میں سُرخی جو سوا ہے

دل کو نہیں جو چیز ہے دلچسپ اُسے دیکھو
دل صرف اک آئینۂ تصویر نما ہے

اس بیخودیِ نزع میں کیا بات ہے اے شوق
لب ہلتے ہیں لیکن نہ سخن ہے نہ صدا ہے

وصل کہاں کہ رنگِ ہجر دیدۂ فتنہ گر میں ہے
پیشِ نظر ہے وہ جگہ شام جہاں سحر میں ہے

مجھ پہ ستم کے واسطے حُسن تو دے چکا تجھے
اس سے زیادہ اور کیا تیرے خدا کے گھر میں ہے

آیا شفا سے باز میں ہاتھ جلا نہ رکھ کے تو
عشق کی آگ ہے وہیں درد جہاں جگر میں ہے

نام نہ لوں میں اور اُنھیں پھینک کے یوں دکھاؤں دل
دیکھئے کیا یہ لال لال آپ کی رہگزر میں ہے

شکوے سے گزروں میں مگر ہو جو ترے ستم سے کم
حلم کی شان جس قدر حشر کے دادگر میں ہے

چھوڑ دے جفا کا عیب کیوں خوب سمجھ چکا ہے وہ
بے اثری کی جو صفت نالۂ بے اثر میں ہے

چھپتا ہے دل نفس کے سوز سے صبر کی داد دے نہ تو
حلق کے آبلوں سے رک بات کی رہگزر میں ہے

عصمتِ حُسن پاک رکھ بھیج نہ دے کے خط اُسے
چشمِ نظارہ باز اگر چہرۂ نامہ بر میں ہے

رحم سے جبر حسن پر مدِ نظر نہیں ہی شوق
ورنہ کمند کشش عشق کی ہر نظر میں ہی

نہ رہے جو یاد اُنھیں کچھ تو کون کہا کرے
وہ گرہ میں بات نہ باندھیں گے کوئی کیا کرے

اگر آرہا ہی ستم کی مشق سے لطف اُسے
تو ہمیشہ وہ مری زندگی کی دعا کرے

وہ ہیں نازک اور جنازہ آ کے اُٹھائیں گے
پلٹ آئے میرے بدن میں روح خدا کرے

نہیں پوچھتا وہ - غرورِ عشق ہی اس پہ بھی
مجھے دیکھو پھر جو خیال کچھ وہ مرا کرے

مجھے شوق اُس سے کچھ اور کام نہیں - مگر
فقط اتنی بات کہ وعدہ کر کے وفا کرے

دیکھ کے سُرخی کیوں رونے کا دھوکا سب نے کھایا ہی
جاگ کے آنکھیں ملتا میری میت پر وہ آیا ہی

عاشق ہو کر ملکِ عدم کے جانے کی ٹھہراؤں اب
ایک بدن میں رہتے رہتے جی میرا گھبرایا ہی

نزع میں دی تسکین تو ناحق رکھتے ہو احسان اتنا
جو کچھ تم سے پایا ہی حق اپنا میں نے پایا ہی

یہ تو میرے خون کے دھبے نکلے تیرے دامن میں
تو تو سب سے کہتا تھا گل چُن چُن کر بھر لایا ہی

سمجھو میری بیتابی کو دیکھ کے سُرخی اشکوں میں
اتنا اُچھلا خون جگر کا جو آنکھوں میں آیا ہی

اس اُلفت کو دیکھو - اُس کو دیکھ کے نادم محشر میں
میرے دل اور میرے ہاتھ نے خود مجھ کو جھٹلایا ہی

ایک نگاہِ ناز بہت ہی - کیوں تم جلدی کرتے ہو
ہم نے تو اس سے بھی سستا شوق سے دل ٹھہرایا ہی

وہ زلف دیکھ کے جینا محال ہوتا ہی
کہ سانپ سونگھ گیا یہ خیال ہوتا ہی

ترے کرم کا میں قائل کہ تیری چوکھٹ پر
مجھے جواب عطا بے سوال ہوتا ہی

حیات و موت میں شک ڈالتی ہی جب حیرت
تو مجھ کو فیصلہ اپنا محال ہوتا ہی

تمہارے حُسن نے دکھلا دیا خدائی کو
کہ آدمی میں بھی اتنا جمال ہوتا ہے

میں بادہ کش رمضاں میں ہوں گا دن شوق
حرام تیرے فاقے حلال ہوتا ہے

محشر میں کچھ کہوں وہ نہ دیکھے اگر مجھے
جادو سے کر رہی ہے چُپ اُس کی نظر مجھے

آنے کو اُس نے شرط یہ کی بن کے باحیا
ہو رُخ ترا جدھر نہ بٹھانا اُدھر مجھے

غصہ فضول ہے مرے دعوائے عشق پر
کس نے کہا کہ سمجھے کوئی معتبر مجھے

وعدوں سے روک روک لیا میری جان کو
دی تم نے زندگی کی سزا عمر بھر مجھے

کام آیا شوق ہجر کی ظلمت میں آفتاب
مشعل جلا کے اُس نے دکھائی سحر مجھے

کیا میں دیکھوں کہ رُخ پہ آنچل ہے
آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

روز وہ ٹالتا ہے وعدے کو
آج کا نام ہی وہاں کل ہے

دفترِ زیست اور بامعنے
اک مرا نام اُس میں مہمل ہے

کٹ گئی عمر لکھتے لکھتے خط
اور ابھی حالِ عشق مجمل ہے

بول اُٹھا دشت جب بہار آئی
شوق اُس کی زبان کونپل ہے

مرتوں دل تیرے وعدے سے جو طاقت پا نہ جائے
جان سے لے یاس اگر اُمید آ کے آ نہ جائے

میں جنوں کے زور سے چکرا رہا ہوں لے نہیں
گھر کو تو مضبوط پکڑے رہ یہ چکر کھا نہ جائے

خوف کا عذر اک ذرا میں دور کر سکتے ہو تم
اپنے منہ کو پھیر لینا خون اگر دیکھا نہ جائے

رشک کہتا ہے ہمیشہ رات یا با دل ہے
تاکہ میرے ساتھ اُس کے گھر اسایا نہ جائے

میں دکھاؤں اُس کو سو شکلوں سے سو چھینیاں
یا الٰہی وہ جو آئے تو مجھے صبر آ نہ جائے

اُس کے دل سے پوچھ جس کے شوق پر غالب ہو رعب
دیکھنا چاہے مگر چہرہ ترا دیکھا نہ جائے

اُس سے اور آنکھیں لڑا شوق کھیل اس کو نہ جان
نام اپنا میں بدل ڈالوں جو تو زک پا نہ جائے

ہو خوشامد سے وہ خوش یہ بات بھی مشکل ہوئی
حُسن کی تعریف جُرمِ عشق میں داخل ہوئی

دل کی راحت دل کے کام آنے نہ پائی عشق میں
یاس نے چھینی وہ جو اُمید سے حاصل ہوئی

موت سے کہہ دو کہ ٹھہرے۔ اُس کو دیکھوں گا ابھی
میری حیرت سے اگر کچھ بیخودی فاضل ہوئی

نام بد ہے عشق کا میں دیکھتا کیونکر شباب
چھپ رہا وہ۔ اُس کی صورت جب کسی قابل ہوئی

بدگمانی سے بچایا میں نے عشقِ پاک کو
بات چیت اُس سے ہوئی بھی تو سرِ محفل ہوئی

ہو سکے ناکامِ طلب کتنی ہے بے فکری سے اب
زندگی منت گزارِ سعیِ لاحاصل ہوئی

ہنس کے تب اے شوق وہ میرے سرہانے سے اُٹھا
آ کے ہچکی جب مری آواز میں شامل ہوئی

وہ کیا زباں دے کے کرے خوش کلام سے
ٹٹی نہ دے جو پھول کے دینے کے نام سے

تنکے چنوں گا اور کسی دن میں اے جنوں
فرصت ابھی نہیں ہے گریباں کے کام سے

آتا نہیں وہ اندر مجھے در کو دیکھتے
ہوتی ہے شام صبح سے اور صبح شام سے

اتنے حسیں ہیں جمع کہ گالوں کے عکس نے
برسائے پھول میرے جنازے پہ بام سے

ڈر کر دبی زباں سے کیوں بات کی کہ وہ
بدظن ہوا مرے سخنِ ناتمام سے

خاموش اُٹھا کسی کی گلی سے میں شوق کے جان
گزرا ادب کے ساتھ ادب کے مقام سے

پہنچا طلب سمجھ کے میں اے شوق اُس کے پاس

جنبش ہوئی جو سر کو جواب سلام سے

ضد سے ہی عذر ستم تو مانتا ہی کون ہے
دل ہو نا دم یا نہیں یہ جانتا ہی کون ہے

سینے یوں ہی کہہ دیا بگڑی ہوئی صورت کا حال
ورنہ اپنی شکل کو پہچانتا ہی کون ہے

بل کی لینے کا میں شاکی ہوں تو چپ کر دو مجھے
ہنس کے کہہ دو ابروؤں کو تانتا ہی کون ہے

جس کو دیکھو مر رہا ہے وہ تمھارے حسن پہ
زندگی کو زندگی اب جانتا ہی کون ہے

میرے مرنے سے مجاور فاقہ کش بیٹھے ہیں شوق
اب کسی تربت پہ منت مانتا ہی کون ہے

دشت میں مسکن جو بالو پر بنا میرے لئے
سایہ اپنے جسم کا بستر بنا میرے لئے

ظرف جس میں جمع کرتی رہتی تھی قدرت جنوں
خوبی تقدیر سے وہ کاسہ سر بنا میرے لئے

میرے شوقِ دید کو صرف ایک در کافی نہیں
گھر کی ہر دیوار میں تو در بنا میرے لئے

اتنا افسردہ ہے دل میرا تو میں سمجھا سبب
خون مردہ تھا وہ دل جم کر بنا میرے لئے

دیدۂ محبوب کیا پر خشم ہے شوق آج ہی
وہ تو فرمانِ قضا اکثر بنا میرے لئے

نگاہ اُس کے تنِ شفاف پر بیکار جاتی ہے
یہ اعضا پر نہیں جمتی ہے صاف اُس پار جاتی ہے

ہماری سانس کی رفتار کو پوچھو نہ فرقت میں
اگر سو بار آتی ہے تو دو سو بار جاتی ہے

حسینوں سے پڑا کرتی ہے اتنی کشمکش جس سے
بشر کی زندگی گھبرا کے ہمت ہار جاتی ہے

اثر یہ عاشقوں پر تیرے رعبِ حسن کا دیکھا
کہ قوت رہتی ہے اور ہمتِ گفتار جاتی ہے

یہی ہے گریۂ فرقت تو صبر اے شوق اب گھر سے
جدھر جاتی ہے سیلِ اشک اُدھر دیوار جاتی ہے

ہزاروں جھڑکیوں کا خوف ہے کھانے سے پہلے ہی
پشیماں ہوں میں جانے پر وہاں جانے سے پہلے ہی

سمجھ کر حسن کو حسن اس پہ دیوانہ ہوا ہوں میں
سمجھتا کاش اس دن کو سمجھ آنے سے پہلے ہی

چلا محشر کو میں تو اُس نے روکا کس کرشمے سے
کن آنکھیوں سے مجھے دیکھا پہونچ جانے سے پہلے ہی

ملے کیا پھیرے جو منھ کو میرا نام سننے پر
اُسے تو شرم آجاتی ہے شرمانے سے پہلے ہی

اجل کا ڈر کسے ہے کل کی آتی آج ہی آئے
کسی پر مر چکے ہیں ہم تو مر جانے سے پہلے ہی

جو آیا عشق سے تنگ اُس کو تو یہ مصلحت سوجھی
کہ بن جاؤں میں جھوٹا اُس کے جھٹلانے سے پہلے ہی

پھر آنے کا یقیں اے شوق کر لوں اُس کے جانے پر
تشفی دل کو یوں دے لوں میں گھبرانے سے پہلے ہی

چشم دلجو جو کہیں اُس نے ادھر کی ہوتی
طاقتِ ضبط فقط ایک نظر کی ہوتی

ظلم کیا کیا کئے بت ہونے پہ اے بت تو نے
غضب آتا جو خدائی ترے گھر کی ہوتی

ہم قیامت کی نمائش میں اُسے لے جاتے
کسی پتلے میں جو مٹی ترے در کی ہوتی

فاتحے کو جو تم آتے تو قدم لینے کو
قبر آگے کو جگہ چھوڑ کے سر کی ہوتی

لائے تم ہوش میں وعدے سے نہیں تو مجھ کو
نہ خبر شام کی ہوتی نہ سحر کی ہوتی

آہ تم نے نہ سنی اور جو سن لیتے تم
کسی کمبخت کو امید اثر کی ہوتی

اس جوانی سے مصیبت میں پڑے تم اے شوق
زندگی کاش لڑکپن میں بسر کی ہوتی

ستم سہوں یہ ملا عشق کا صلہ تم سے
تمھاری خو جو یہی ہے تو کیا گلہ تم سے

دل آکے مانگ چکے اب کہ سینے جی دے کر
کیا ہے قطع مروت کا سلسلہ تم سے

صدا لے درد کچھ آتی ہے۔ پڑ گیا شاید
کسی غریب کے دل کا معاملہ تم سے

جو چپ ہو تم تو ہے یہ بات میرے مطلب کی	بڑھے گا اور تمنا کا حوصلہ تم سے
چلے ہو حشر کو لیکن ذرا سمجھ کے چلو	برا ہے آج کسی کا مقابلہ تم سے
رُکا جو کام جنوں کا تو اب ہے اے کانٹو	کشودِ کار کا خواہاں ہے آبلہ تم سے

خدا کے عدل سے بچ جاؤ تم قیامت میں
کریں جو شوق اکیلے میں فیصلہ تم سے

یادِ دلبر جان ستاں وردِ جان اچھی چیز ہے	دے خدا تو عشق میں نسیان اچھی چیز ہے
دل کو لے لے سو کھلونے ہوں نہ دلچسپ اس قدر	مان لے کہنا یہ او ناداں اچھی چیز ہے
حسن کافرکیش کو دیکھ اور پھر زاہد یہ کہہ	سامنے اس کے بھی کیا ایمان اچھی چیز ہے
سرد مہری چھوڑ - لے آکر مرے دل میں جگہ	موسمِ سرما میں آتشداں اچھی چیز ہے

شوق کیا اچھا ہے مطلب حافظِ شیراز کا
حسن کی نیرنگیوں میں آن اچھی چیز ہے

مرا بس کچھ نہیں ہے رحم چاہے تو اگر مجھ سے	خدا کے پاس میرا خون پہونچا پیشتر مجھ سے
ہوا مجھ ناتواں پر اتنا غالب شوقِ نظارہ	کہ رو کے رک نہیں سکتی ہے اب اپنی نظر مجھ سے
کہاں ہے مجھ کو محویت میں ہوش اپنے پرائے کا	بتاؤں اس کا گھر پوچھے جو کوئی میرا گھر مجھ سے
گیا دوزخ میں تیرا عاشقِ گریاں تو بولا وہ	قیامت تک ہو گی خشک تیری چشمِ تر مجھ سے
فقط دل کو نہ پوچھو عمر غائب - زندگی غائب	بہت کچھ لے گئی ہے اس کی دزدیدہ نظر مجھ سے
نہ خود میں ہی تو ہوں وہ ازخودگی میں پہلے بے شک تھا	کہ آ آ کر کوئی کرتا ہے باتیں رات بھر مجھ سے

خود اس کے دل کو تھاموں ادھر رکھ نکال اس کو دکھلاؤں
کوئی اے شوق میرا حالِ دل پوچھے اگر مجھ سے

تیری سی بھی آفت کوئی اے سوزشِ تب ہے　　اک آگ ہے سو اتنی جلن آگ میں کب ہے

مانا کہ تم اُمیدِ وفا کے نہیں قائل　　پھر کیا مرے جینے کا کوئی اور سبب ہے

خوش ہوں ترے کینے سے کہ شرکت سے ہوں محفوظ　　جتنا ترے دل میں ہے وہ میرے لئے سب ہے

حاجت نہیں کچھ اور پسِ مرگ۔ مگر ایک　　یعنی مجھے درکار تری جنبشِ لب ہے

زندہ رہوں کیوں میں کہ زباں اُن سے ہو گستاخ　　مرنے میں خموشی ہے۔ خموشی میں ادب ہے

ہو ہجر تو پھر گور میں اور گھر میں ہے کیا فرق　　جو گور کی ظلمت ہے وہی ہجر کی شب ہے

اظہارِ وفا ہے تو کس امید پہ اے شوق
تو داد طلب اُس سے کہ بیداد طلب ہے

تیر کو کیوں دوں کہ جس رخ جائے وہ دل لے کے جائے　　وہ نظر کو جو پھرے اور سوئے قاتل لے کے جائے

خیر اگر وعدہ ہے مشکل زہر تو آسان ہے　　کچھ تو ہمت کرکے دے دو کچھ تو سائل لے کے جائے

دل کا رکھ لینا تو اچھا وہ تو کر دیتا ہے خون　　کس کا دل فاضل ہے جو اُس کے مقابل لے کے جائے

فیصلہ کر دے یہ کوئی تیر کے آنے سے قبل　　یار ہے وہ میرے دل میں یا مرا دل لے کے جائے

رنج، صدمے، درد سب دے کر وہ بولا طنز سے　　جائے جو محفل سے وہ ساتھ ایک محفل لے کے جائے

آیا کیوں دل ہی کو لینے جان بھی اک چیز ہے　　اپنے دعوے میں اسے بھی کرکے شامل لے کے جائے

یوں میں لایا اُس کے گھر سے ورنہ تک اپنے آپ کو　　جیسے بھاری بوجھ کوئی ایک منزل لے کے جائے

اُس کے گھر سے اب پلٹوں اور اگر پلٹوں بھی میں　　راہ سے پلٹا کے مجھ کو پھر وہیں دل لے کے جائے

لے کے جان آسان کر دیتا ہے وہ دم بھر میں شوق
کوئی اُس کے سامنے کیسی ہی مشکل لے کے جائے

تمہیں کہو کہ نہ کیوں دل فدا کرے کوئی　　یہ حسن لے کے تم آؤ تو کیا کرے کوئی

یہ کہتے پھرتے ہیں وہ عاشقوں سے گھبرا کر
مجھے حسین نہ سمجھے خدا کرے کوئی

جو روز دل کے ہوں ٹکڑے تو دل پہ ڈالو خاک
کہاں تک اُس کی گلی سے چنا کرے کوئی

کبھی وہ مجھ کو مری عمر بھر میں پہچانے
بس اس قدر اُسے زود آشنا کرے کوئی

میں چاہتا ہوں تحمل میں امتحاں اپنا
وہ یوں کہ غصۂ صبر آزما کرے کوئی

جو زندگی کا نتیجہ ہے تم سے ناکامی
تو کس اُمید پہ آخر جیا کرے کوئی

یہ چاہتے ہیں شہادت کے چاہنے والے
کہ اُس کے سامنے ذکرِ جفا کرے کوئی

تم اضطرابِ محبت کا جوش کیا جانو
یہ کیا ضرور کہ پاسِ حیا کرے کوئی

وفا نہ کرنے پہ اُس سے گلہ فضول اے شوق
نہ ہو خمیر میں اک شے تو کیا کرے کوئی

غافل نہ ہو اے دل کہ نظر آ کے نکل جائے
ایسا نہ ہو پہلو مرا برما کے نکل جائے

وہ سامنے بیٹھے ہیں قیامت کی ہے یہ چوٹ
سورج کو نکلنا ہے تو کترا کے نکل جائے

روز آبلے تلووں کے رواں رکھتے ہیں پانی
دریا نہ کہیں بیچ میں صحرا کے نکل جائے

دل میں جو لہو کو ہے بہت جوشِ جنوں سے
راہیں تو ہیں۔ آنکھوں کی طرف جا کے نکل جائے

گر جان نکل جائے تو اس سے کہیں بہتر
پھر ہاتھ سے معشوق جو ہاتھ آ کے نکل جائے

میں نزع میں ہوں آئے وہ اس دم تو مرا دم
ہچکی کا تماشا اُسے دکھلا کے نکل جائے

یوں ٹوٹے کے جنوں مجھ کو مرے ہوش گئے شوق
جس طرح دھواں آگ کو بھڑکا کے نکل جائے

اے اجل احسنت جدھر ہو رخ اُدھر ہی کیوں نہ جائے
خلد کے جانے سے جاں اُس گھر کی ہی کیوں نہ جائے

قتل سے نادم وہ کیوں ہو۔ یہ تو ہوا اقبالِ جرم
میں تو کہتا ہوں مکر جا وہ مکر ہی کیوں نہ جائے

چھڑکیاں اُن کی سہوں ہیں۔ یہ تو ممکن ہے۔ مگر
مسکرا ہی کیوں نہ دیں غصہ اُتر ہی کیوں نہ جائے

عذر کیسا اب تو آنکی ہے مری آنکھوں میں جان
اک ذرا سا کام ہے وہ آ کے کر ہی کیوں نہ جائے

انتظارِ شام وعدہ پر ترس کھائے فلک
آج کا دن وقت سے پہلے گزر ہی کیوں نہ جائے

ہو نہ میری موت کی تلخی سے اُس کا عیش تلخ
اپنے گھر وہ موت سے کچھ پیشتر ہی کیوں نہ جائے

ایک بے درد آشنا ہو درد کی آواز سے
ہم کو نالے سے غرض ہے بے اثر ہی کیوں نہ جائے

شب کو یوں ظاہر کیا اُس نے فروغِ حسن کو
مجھ پر آیا کیوں پتنگا شمع پر ہی کیوں نہ جائے

باخبر جانے سے وہ لیتا ہے عاشق کی خبر
شوق از خود رفتہ ہو کر بے خبر ہی کیوں نہ جائے

لب ہلے اُس کے تو میں ڈر گیا نادانی سے
دادِ گریہ مجھے دی خندۂ پنہانی سے

میں ہوں حسن پہ عاشق تو یہ غصہ کیسا
آپ تو لڑنے لگے فطرتِ انسانی سے

عذر بیداد سے پکڑے گئے مجرم بن کر
اب پشیماں ہیں وہ اظہارِ پشیمانی سے

بدظنی سے ہے نظر بند یہاں کون آئے
اُس کو فرصت نہیں اپنی ہی نگہبانی سے

فرحتِ روح، سوا ہو روح مری اُس کے گھر
لطف کیا گور کو لوگوں کی گل افشانی سے

لطفِ رضواں کو درِ خلد سے اتنا نہ ملا
جتنا درباں کو ملا ہے تری دربانی سے

بے تکلف جو وہ آیا تو ہے ناداں لے شوق
کھا گیا موت کا دھوکا مری حیرانی سے

اِدھر ہٹتے ہو تم۔ نظروں کو تھوڑا کام باقی ہے
ابھی تو زندگی مجھ میں برائے نام باقی ہے

رگوں سے کھینچ کر لایا ہوں تا لب جان کو لیکن
لبوں سے بھی نکالوں میں اب اتنا کام باقی ہے

مجھے دیکھا تو قسّامِ ازل بولا کہ بس چل دو
نہ اب تسکین باقی ہے۔ نہ اب آرام باقی ہے

کڑی ہے دھوپ اے بے رحم چلنے سے بچا اب تو
مجھے کافی ہے جتنا سایہ زیر بام باقی ہے

ہوا ہوں سوزِ الفت سے کہاں میں پختہ مغز اے دل
ابھی مجھ میں لہو مثلِ کبابِ خام باقی ہے

مرا میں عشق کرتے ہی اب آگے دیکھیے کیا ہو
یہ تھی آغاز کی حالت ابھی انجام باقی ہے

سخن کے میکدے میں شوق میں نے جا کے یہ دیکھا
کہ مے غالب نے پی لی صرف دُردِ جام باقی ہے

دنیا میں آسانی کیسی جینے کی دشواری ہے
عیش اور غم دونوں کو تولا غم کا پلہ بھاری ہے

عشق کو پوچھا عاشق سے تو بولا اُس کو سمجھو عشق
مرنا جس میں صحت ہے اور جینا اک بیماری ہے

میں نے کھیلا عشق کا کھیل اور جیت رہی معشوق کے ہاتھ
جان لگا کر کھیلا تھا اور بازی میری ہاری ہے

چھوٹے وطن سے وحشتِ جنوں میں تنکے چننے پھرتے ہیں
نام ہمارا ڈوبا - لیکن کام ہمارا جاری ہے

ہجر کی تب سے جلتے جلتے زار ہوا میں ایسا شوق
جان میں کوئی بوجھ نہیں ہے لیکن مجھ پر بھاری ہے

محبوب کے در پہ موت اے کاش ہمیں آتی
مر جاتے تو مر جاتے - اک بات تو رہ جاتی

سب ہار گئے اُس کے اعجازِ تکلم سے
جتنے شعرا آئے بن بن کے کراماتی

کیا رنگِ طرب لائی اے بادِ بہاری تو
گل ہنستے ہیں باغوں میں بو پھرتی ہے اتراتی

للہ انھیں اے زاہد میخانے میں پہونچا دے
مسجد میں بہک آئے دو چار خراباتی

کیوں تجھ کو قمر کہیے - نور اُس میں ہے سورج سے
حُسن اُس کا پرایا ہے اور حُسن ترا ذاتی

آ ابھی تو شوخی سے دم بھر نہ ٹھہرتا وہ
بجلی کی روش اک شے آگے سے نکل جاتی

دم گھٹتا ہے گرمی سے اے شوق جنوں سے کہہ
وہ گھر کو جو ڈھا دیتا تو خوب ہوا آتی

خوشبو بدن کی پھیلی چل دے اب اس چمن سے ۔۔۔ بھونرے یہاں بہت ہیں لپٹیں گے سب بدن سے
ایسی درِ چمن سے پھولوں کی بو نہ نکلے ۔۔۔ جیسی نکل رہی ہیں باتیں ترے دہن سے
جا پہنچوں کہ میرے گھر میں کثرت ہے یا یہاں ہے ۔۔۔ جنگل کے پیڑ گننے آیا ہوں ہیں وطن سے
پوچھی تو دل کی حالت لیکن بدل کے تیور ۔۔۔ رکھا دل اُس نے لیکن اندازِ دل شکن سے
پائی سزا یہ تن کر آئینہ دیکھنے کی ۔۔۔ میری سی چوٹ تم نے کھائی ہے بانکپن سے
شاید تمھارے رُخ سے ٹھنڈی تھی شمع شب کو ۔۔۔ زندہ جو سب پتنگے نکلے ہیں انجمن سے

کیونکر بڑھاؤں اے شوق الفت کی بیقراری
موجیں ملیں تو مانگوں دریائے موجزن سے

وہ جواب خط لکھے اُمید یہ کب ہے مجھے ۔۔۔ صبح کو اُٹھتے ہی خط لکھنے سے مطلب ہے مجھے
لاش میری اُٹھ نہیں سکتی کہ تو ہے رو برو ۔۔۔ بات یہ ہے انتظارِ جنبشِ لب ہے مجھے
وہ غلط وعدہ سہی اُمید تو ہے اے اجل ۔۔۔ آج جینے کی تمنا صرف تا شب ہے مجھے
ورد بھی میخانۂ الفت میں ہے سامانِ عیش ۔۔۔ زخم خوں آلودہ اک جامِ لبالب ہے مجھے
وہ ہے پردے میں مگر اُس پر شباب آیا ضرور ۔۔۔ ورنہ کیوں پہلے نہ تھی یہ چاہ جواب ہے مجھے
کے لذت عشق کی خالق سے کہتا ہوں کہ تو ۔۔۔ جتنی پیدا کر سکے مطلوب وہ سب ہے مجھے

یا تو فریادی ہوں میں اے شوق یا زاہد ہوا
لوگ کہتے ہیں کہ شب بھر وردِ یارب ہے مجھے

رشک رُخ سے آب خجلت کی روانی دیکھئے ۔۔۔ خانۂ آئینہ میں پانی ہی پانی دیکھئے
آپ ہی کھل جائے گا عاشق کی بیتابی کا راز ۔۔۔ لے کے آئینہ ذرا اپنی جوانی دیکھئے
سلسلہ تارِ نفس کا دم میں توڑا اُس نے آج ۔۔۔ اپنے وارفتہ کا زورِ ناتوانی دیکھئے

گردنِ مذبوح اُس کے سامنے کچھ بھی نہیں
میری چشمِ خوں فشاں کی خوں فشانی دیکھئے

عشق میں کس اوج بربادی پہ گھر پہونچا مرا
ہر جگہ اس میں بلاے آسمانی دیکھئے

ہو کے شق کھولا دہانِ خندہ ہر دیوار نے
خانہ بربادی میں جوشِ شادمانی دیکھئے

دیکھنا ہو زور اگر بحرِ سخن کا تم کو شوق
ذوقؔ و ناسخؔ کے مضامیں کی روانی دیکھئے

آنا ترا آفت دلِ مضطر کے لئے ہے
یعنی یہ کرم جورِ مکرر کے لئے ہے

بے عہدِ وفا فرض کیا کیوں کہ تمھیں ہو
مانا کہ مرا دل کسی دلبر کے لئے ہے

مجھ زار کو اک نقشِ کفِ پا میں جگہ دو
اتنی سی بھی کافی مرے بستر کے لئے ہے

وہ اور کہیں ہوگا مرے پاس کہاں دل
اور ہے بھی تو کیا تم سے ستمگر کے لئے ہے

ہو قصدِ دماغ آج جنوں تجھ کو مبارک
ہاتھوں میں ہیں ٹکڑے کئی پتھر کے لئے ہے

اے برہمن اتنی سرِ شوریدہ کی سُن لے
جو چیز ہے پتھر کی اسی سر کے لئے ہے

اے شوقؔ ٹھکانے لگے مجھ رند کی مٹی
ساقی جو یہ کہہ دے کہ یہ ساغر کے لئے ہے

اذاں حرم میں ہوئی ہے خدا خدا کر کے
چلو وہ چیز پئیں اب نماز ادا کر کے

ہوئی ہے اس سے محبت میں تازگی پیدا
مناؤں گا تمھیں سو بار میں خفا کر کے

گرفت اُس نے بڑھا دی سمجھ کے کم جرأت
خطا ہوئی کہ میں نادم ہوا خطا کر کے

بگڑ کے عرضِ تمنا سے لی چھری اُس نے
وہ اب تو حلق کو چھوڑے گا بے صدا کر کے

نہ مے نہ عشق تو بس یہ سزا ہے اے زاہد
پکڑ کے کان اُٹھو بیٹھو اتّقا کر کے

حرم سے اب تو میں اس بتکدے میں آ بیٹھا
اُٹھوں گا لاکھ نمازیں یہیں قضا کر کے

جوابِ شکوۂ بے جا سے لطف اُٹھا شوق
خجل کیا اُسے کیوں شکوۂ بجا کر کے

یہ ہو کہ مجھ سے نہ ملنے کی کچھ سزا مل جائے
کہیں اندھیرے اُجالے وہ اے خدا مل جائے

اجل کے گھاٹ اُتروا کے اُس کو دم لوں میں
تری ادا سے لڑا دوں اگر قضا مل جائے

دل اُس کی راہ میں کھویا ہے تو میں کہتا ہوں
خدا کرے وہ اُسی کو کہیں پڑا مل جائے

دل ایک تھا سو دیا ایک کو۔ مگر کیا ہو
اگر کہیں کوئی معشوق دوسرا مل جائے

رُخ اُس کا دیکھنے جاؤ تو ہوشیار اے شوق
اِدھر اُدھر تمھیں شاید کوئی بلا مل جائے

روتا ہوں میں جا جا کر تو کیا کیا وہ دھمکاتا ہے
کہتا ہے تو مکر سے مجھ کو چھینٹے دینے آتا ہے

جادوگر ہیں تیری آنکھیں جو رہتی ہیں سیانوں میں
ایک ادھر لہراتا ہے اور ایک اُدھر لہراتا ہے

اب کے آئے تو مٹی اشکوں سے بہا دوں کوچے کی
پھر دیکھوں میں تو جانے کا رستا کیونکر پاتا ہے

دل میرا ہوتا ہے تیری سیر سے کیسا آوارہ
ایک طرف تو جاتا ہے تو چار طرف یہ جاتا ہے

میری ذلت کیسی اے شوق اُس کی ذلت ہے یہ تو
مجھ کو کیا ٹھکراتا ہے وہ خود ہی ٹھوکر کھاتا ہے

تیغ سے ہو گئی خوشی دل کی
زخم سے کھل پڑی ہنسی دل کی

رحم کرتے نہ کرتے تم لیکن
سُن تو لیتے بُری بھلی دل کی

ہم نے کانوں میں انگلیاں دے لیں
میرے دل ہی میں ہے ابھی دل کی

دل لگانے سے دل گیا تو خیر
ہو گئی کچھ تو دل لگی دل کی

شوق دے دی نگاہ حسرت نے

کسی دل کو خبر کسی دل کی

دل ہی دینا ہے تو دے کر اور سے ہنس بول لے
کوئی اپنا دے کے کیوں تم سے لڑائی مول لے

کھل کے مل لو تم تو کھل جائے مرے دل کی گرہ
وہ نہیں ہے جیسے ناخن سے کوئی کھول لے

رحم اگر لینے نہیں دیتا انھیں عاشق کی جان
زہر اور پانی اسے دے دو یہ خود ہی گھول لے

عاشقوں میں کون سچا ہے جسے بھاری ہے جان
خوب ہو آنکھوں کے پلّوں میں اگر تو تول لے

شوق معشوقوں سے قیمت دل کی کہتے ہیں وفا
بہت مہنگا ہے ان مولوں کوئی کیوں مول لے

یہ افلاس اور سبز خطوں سے حسن پرستی سوجھی ہے
گھر میں بھونی بھانگ نہیں اور باہر مستی سوجھی ہے

ہجر میں ایسا بیخود تھا میں گویا دنیا ہی میں نہ تھا
تم نے آکر آنکھیں کھولیں تب یہ ہستی سوجھی ہے

جیتے جی تو نخوت سے سر عرش بریں پہ رہتا تھا
مر کے لحد میں پہنچا ہوں تب مجھ کو پستی سوجھی ہے

تیرے گھر میں آیا میں تو آئی میری جان میں جان
مدت کے بعد آج مجھے خود اپنی ہستی سوجھی ہے

جاتے ہیں جیبوں میں لیکر مے کی بوتل اور گلاس
شوق کو دیکھو مسجد میں بھی ان کو مستی سوجھی ہے

بوندا باندی جوش غم میں اشکوں سے دن رات رہی
دنیا بھر میں جاڑا گرمی ۔ میرے گھر برسات رہی

وصل کی شب کیونکر گزری اس کا حال نہ پوچھو کچھ
یہ پوچھو کیا گزری دل پر تھوڑی سی جب رات رہی

بیماری میں تو نہ وہ آیا مر کے بلاؤں لاش پہ اب
اور میں سب گزرا باقی صرف یہی اک گھات رہی

عشق کا کھیل ایسا تھا جس کو کھیل کے میں پچھتایا ہوں
کھیلا تو میں بعد کو ۔ بازی پہلے ہی سے مات رہی

شوق جنوں میں حال نہ پوچھو میرے کھانے پینے کا
ڈھیلے کھاؤں غصہ پی لوں ۔ ان پر اب اوقات رہی

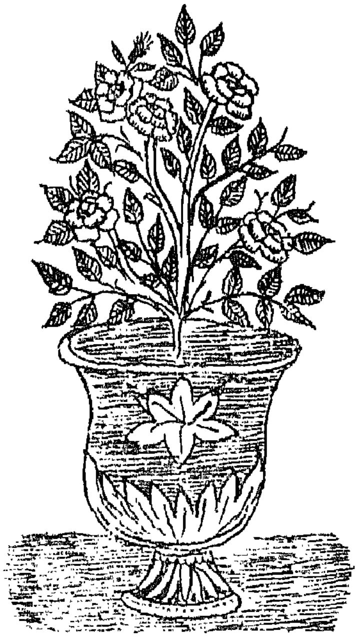
نہ کبر اس حسن پر کر یہ جہاں کا کارخانہ ہے
اگر دور آج اس کا ہے تو کل اس کا زمانہ ہے

بنا دل استہ بیخود بے مروت سے خفا ہو کر
یہ غفلت میری گویا چشم پوشی کا بہانہ ہے

دلیل آخر بجا دعوے کے رد کرنے کی کیا سوچے
یہ عذر برق کافی ہے کہ میرا آشیانہ ہے

سرشک آنکھوں سے جاری اور ہونٹوں پہ ہیں تشنے
میسر مجھ کو بے منت جہاں میں آب و دانہ ہے

میں دن میں چند بار اے شوق مرتا ہوں حسینوں پر
وبال زندگی میرا مزاج عاشقانہ ہے



متفرقات

اکلِ حلال

نکلے ابراہیم ادہمؒ طالبِ اکلِ حلال
چھان ڈالا سب عراق آیا نہ ہاتھ اُنکو کہیں

پھرتے پھرتے ہو گئے وہ جب وہاں سے نا امید
تب گئے طرطوس کو دلکش تھی جس کی سرزمیں

دس درم طے پا گئی تنخواہ اُن کی ماہوار
باغبانوں میں وہ نوکر ہو گئے آخر وہیں

باغ کے مالک نے مانگا ایک دن شیریں انار
توڑ لائے وہ ترش تو جھڑکیاں غضب اُن کو دیں

پھر اُنہیں بھیجا کہ لاؤ اب کے شیریں ڈھونڈھ کر
لائے تو پھر بھی ترش پا کر ہوا وہ خشمگیں

اُن سے بولا کیا نہیں ہے فہم شیریں و ترش
کتنے ناواقف ہو گو مدت سے رہتے ہو یہیں

تب دیا اُس کو یہ ابراہیم ادہمؒ نے جواب
میں تو میووں کو رکھاتا ہوں فقط کھاتا نہیں

عفو

بہت حلیم حکومت کے ساتھ تھا مامون
معاف کرتا تھا وہ جب کرے خطا کوئی

وفائے عہد سے پہلو تہی کبھی نہ کرے
ہزار بار جو ہو اُس سے بے وفا کوئی

دلوں کا ہاتھ میں لینا تھا بائیں ہاتھ کا کھیل
خفا وہ رہنے نہ دیتے ہو اگر خفا کوئی

ہمیشہ قول تھا عفوِ قصور پر اُس کا
کہ اس سے بڑھ کے نہیں میرا مدعا کوئی

کھلے جو ملک کے لوگوں پہ میری لذتِ عفو
ملے نہ مجھ سے خطاوار کے سوا کوئی

ٹپکے گا وہی ظرف سے جو ظرف میں ہوگا

عیسےٰؑ سے کیا ایک سوال آ کے کسی نے
حضرتؑ نے دیا ہنس کے جواب اُس کے سخن کا

تھا ان کا جواب اُس کی تمناؤں کے برعکس
جاہل تھا وہ کمبخت اُسے آگیا غصّہ

کیا کیا وہ خدا جانے لگا مُنہ سے اُگلنے
سُب کچھ کہا جو کچھ تھا جہالت کا تقاضا

عیسیٰ کے تحمل کی کوئی حد ہی نہیں تھی
سُن سُن کے سب اس کا ن سے اس کان اُڑایا

سمجھاتے رہے اس کو بہت نرم زبان سے
سمجھا نہ وہ دیوانہ کہ غصہ تھا جنوں زا

یہ جوش تھا غصے کا کہ کف آیا لبوں پر
برسات میں جس طرح سے ہو جوش پہ دریا

لوگوں نے کہا۔ آپ اسے مُنہ نہ لگائیں
بد خو ہے یہ۔ حلم اس قدر اس سے نہیں بھیا

عیسےٰؑ نے کہا اُن سے کہ جیسا ہے یہ بد خو
ایسا ہی بنوں میں۔ یہ نہیں مجھ کو گوارا

کیا اُس میں ہے کیا مجھ میں ہے۔ یہ جان گئے تم
ٹپکے گا وہی ظرف سے جو ظرف میں ہوگا

ہے غنیمت صبح کا بھولا جو آئے شام کو

ہم کو سامانِ تشفی مل گیا تقدیر سے
خود ہوں کاہل اور کوسیں بخت نافرجام کو

حق پرستی چھوڑ دی رسمِ اخوت چھوڑ دی
طاقِ نسیاں پر دھرے بیٹھے ہیں ہم اسلام کو

ہوگئے ہیں کتنے بے پروا زمانے سے کہ ہم
سمجھے ہیں لڑکوں کی پھرکی گردشِ ایام کو

یوں ہمیں کھینچے لئے جاتی ہے ذلت جس طرح
مچھلیوں کو پھانس کر صیاد کھینچے دام کو

کر دیا ہے مردہ دل اتنا ہجومِ یاس نے
کچھ نہیں احساس ناکامیٔ دلِ ناکام کو

ہو نہیں سکتا جہاں میں اوج بے اسبابِ اوج
اُتنا زینہ چاہیئے۔ ہو جتنی رفعت بام کو

اب بھی سیدھی راہ مل جائے جو آؤ ہوش میں
ہے غنیمت صبح کا بھولا جو آئے شام کو

احسان

کھٹکے میں تھا خسرو پرویز ایک امیر سرکش سے
نوک کی سے کھٹکا تھا وہ اس کے دل میں کانٹا سا

حاکم تھا ایک صوبے کا اور شر تھا اُس کی عادت میں — باغی ہو کر گل نہ کھلائے کوئی یہ اندیشہ تھا
جمع کئے خسرو نے ارکیں اور اُن سب سے رائیں لیں — یعنی کیا تدبیر ہو جس سے سر نہ اُٹھائے یہ فتنا
عرض یہ کی سب نے اب اُس سے غافل رہنا ٹھیک نہیں — وہ ہے منافق۔ رنگِ رُخ سے اُس کا رنگِ دل ہے جدا
مُنہ سے تراوش کرتی ہے ہر وقت کدورت باطن کی — میلا ہے دل اُس کا جیسا گندے پانی کا چشما
خسرو کا دل ظرفِ عالی جس میں تھا شاہی کا خون — باتیں سب کی اُس نے سُن لیں لیکن کچھ دن خاموش رہا
اپنے دل سے لی جو صلاح اُس نے تو بولا اُس کا دل — دھوکا دینا بدقولی اور قید کی صورت نازیبا
آئے کسی کے دل میں کدورت تو زائل ہو سکتی ہے — صیقل سے ہو صاف اگر ہو زنگ آلودہ آئینا
دھوئے آبِ فیض سے دھبے بدخو کی بدخواہی کے — اور بڑھا یا دگنا تگنا پہلے سے اعزاز اُس کا
اب نہ رہی کچھ بھی وہ ہوا جو اُس سرکش کے سر میں تھی — بوجھ پڑا احسان کا سر پر تو وہ ہو جھک کر نیچا
پوچھا لوگوں نے یہ کیا؟ تو خسرو نے یہ کہا اُن سے — تم نے چاہی جسم کی قید اور میں نے دل کو قید کیا

عفو

ایک دشمن پر چڑھائی فوج اسکندر نے کی — وہ مقید ہو گیا جس طرح خاتم میں نگیں
قید کر کے لائے اُس کو جب حرم اسکندر کے پاس — سامنے ہوتی نہ تھی اُس کی نگاہِ شرمگیں
اُڑ گیا تھا رنگ اور چہرہ عرق سے تر تھا یوں — شب کی شبنم سے ہو جیسے صبح کو ترباسمیں
لیکن اسکندر کے چہرے پر ذرا غصہ نہ تھا — لب تھے خنداں اور شگفتہ صورتِ گل تھی جبیں
ہنس کے اسکندر نے آخر کی خطا اُس کی معاف — اب وہ اوپر کو اُٹھی تھی جو نظر تھی سوئے زمیں
تلخ جانا تھا جسے اُس کا مزہ شیریں ملا — جس کو قیدی زہر سمجھا اصل میں تھا انگبیں
رحم نے بڑھ کر زبانِ عفو سے کہلا دیا — ملک لو جا کر مکانِ سلطنت میں ہو مکیں
اک ندیمِ خاص اسکندر سے یوں کہنے لگا — تم سا میں ہوتا تو اُس پر کھینچتا شمشیرِ کیں

مسکرا کر یہ سکندر نے دیا اُس کو جواب — خیر ہے شکر اللہ کا یہ ہو کہ میں تم سا نہیں

سخاوت

ایک سائل جاکے پہونچا پاس ابن العاص رضؓ کے — کی تمنا اپنی ظاہر کرکے اُن سے عرضِ حال
لکھ دیا رقعہ یہ ابن العاص رضؓ نے خازن کے نام — پانسو اس شخص کو دے دو کہ پورا ہو سوال
درہم و دینار کی تفصیل سہواً رہ گئی — گاہ خازن کو تھا اِس کا گاہ اُس کا احتمال
دل تھا مالک کا سخی تو ہاتھ خازن کا سخی — دے کے درہم ٹال دے یہ سیر چشمی سے محال
جاکے خود تفصیل چاہی اُس نے ابن العاص رضؓ سے — دیر دینے میں ہوئی اُس کو ہوا یہ انفعال
ہنس کے ابن العاص رضؓ نے یہ اپنے خازن سے کہا — اب تو دو دینار۔ گو تھا پہلے درہم کا خیال
قوم کو ہو آج کل علم و ہنر کی احتیاج — بہرِ اربابِ دول ہو کاش کافی یہ مثال

حکمت اور دولت

جن کو حکمت دی خدا نے پوچھئے اُن سے یہ بات — کیوں ہوئی دولت کی حاجت عالمِ اسباب میں
اس سے گر مدِّ نظر ہو صرف نشّہ کبر کا — تو ہے کافی جتنا نشّہ ہے شراب ناب میں
اس کے نشّے سے جو چکر ہو تو ہو بے فائدہ — یوں پھرے سر جس طرح تنکا پھرے گرداب میں
صرف بے جا ہو جو دولت کا تو ذلت ہو نصیب — لاکھ تم سیٹھی بگھارو بیٹھ کر احباب میں
مال کے صرفِ بجا سے عقل پاتی ہے جلا — جس طرح سورج سے آتی ہے چمک مہتاب میں
چشمِ حکمت سے سلیمان عؑ کا صحیفہ دیکھ لو — وہ نبی تھے اور کیا فرما گئے اس باب میں
رہتی ہے بیدار حکمت ساتھ جب دولت کا ہو — فقر ہوتا ہے تو وہ رہتی ہے غافل خواب میں

حلم

کاہل تھا اک غلام جنابِ امیرؑ کا
حضرت پکارتے رہے اُس نے نہ لی خبر

آئے خود اُٹھ کے آپ کہ دیکھیں کہاں ہے وہ
دیکھا اُسے تو چین سے لیٹا ہے فرش پر

پوچھا یہ آپ نے کہ صدا کیا سُنی نہ تھی؟
کیا بات ہے کہ ناشنوائی ہے اس قدر

بولا ۔ ضرور میں نے سُنی آپ کی صدا
اُٹھنا مگر گراں تھا بچھونے کو چھوڑ کر

پوچھا یہ کیوں؟ کہا کہ ہیں حضرت بہت حلیم
کھٹکا عتاب کا ہے نہ مجھ کو سزا کا ڈر

آزاد کر کے اُس کو یہ فرمایا آپ نے
اب جا کے اپنی عمر کرو چین سے بسر

لوگوں نے عرض کی کہ یہ کیا بات ہے جناب
بے سزا کے اس پہ ہوئی رحم کی نظر

فرمایا آپ نے کہ یہ سمجھا مجھے حلیم
امیدوارِ حلم کو پہونچاؤں کیا ضرر

اب ایک دوسرے کا کسی کو نہیں ہے غم
آزاد وہ اُدھر ہے تو آزاد میں اِدھر

خلق

تھے علیؑ ابن موسیٰؑ ایک دن حمام میں
رنگ فطری اُن کے رخ کا تھا بہت ہی سانولا

کچھ ضرورت خادمِ حمام کو پیش آ گئی
چھوڑ کر حمام میں اُن کو وہ اپنے گھر گیا

ایک وحشی آ گیا اور گھس گیا حمام میں
وہ تھا صحرائی نہ تھا حضرت کا صورت آشنا

اُس نے نادانی سے یہ جانا کہ حمامی ہیں آپ
یہ اُٹھاؤ وہ دھرو سب خدمتیں لینے لگا

آپ سب احکام کی تعمیل فرماتے رہے
جو کہا اُس نے نہ کی اُس میں ذرا چون و چرا

آ گیا اتنے میں حمامی پلٹ کر کام سے
سُن پڑی حمام کے اندر سے وحشی کی صدا

وہ گیا گھبرا کے اندر اور کہا نادان سے / کیا سلوک اپنے امامِ وقت سے تو نے کیا

ہنس کے حضرت نے یہ فرمایا کہ خیر اب چپ رہو / کیا خطا اس کی، یہ سب ہے میری نگت کی خطا

فائدہ دونوں کو پہونچا۔ کوئی گھاٹے میں نہیں / اُس کو میں نے خوش کیا۔ مجھ کو ثواب اُس نے دیا

حجت

باہمی حجت سے حجت کے سوا کیا فائدہ / نفس پر غالب ہو ضد تو کام اُس سے کیا بنے

علم حاصل کر کے آخر جاہلانہ بحث کیوں / جس کو آنکھیں دیں خدا نے کیوں وہ نابینا بنے

خواہشِ شہرت اگر کج بحثیوں سے ہو تو ہو / کیا یہ مطلب ہے کہ بگڑے دین اور دنیا بنے

عالموں کی حجتوں سے پڑ گئی جھگڑے میں خلق / اُن کی منطق صرف ضد ہے قوم بگڑے یا بنے

جنگ پر آمادہ گویا خلق سے بہرہ نہیں / اتنے ہی جاہل بنے جتنے قلم فرسا بنے

مُنہ سے املی کو کہو آم اور اُس پر ہٹ کرو / یوں کہاں بازارِ دین و علم کا سودا بنے

ل سے تم اچھے رہو چھوڑو جو ہوے اختلاف / بوند پانی کی ملے دریا سے تو دریا بنے

دو ہی رُخ جھگڑے کے ہیں اور دونوں خلاف / یا کسی پر جا بنے - یا خود کھیں پر آ بنے

حجتی پر ٹھیک ہے ابن[1] ابی لیلیٰ کا قول / یا تو جھٹلائے کسی کو یا تو خود جھوٹا بنے

[1] تابعی اور مجتہد وقت

پاسِ محبت

ایک دن آ کر کہا اک یار نے اک یار سے / چار سو دینار دو اس دم ضرورت ہے مجھے

دے دئے لا کر اُسی وقت اور اُن سے یہ کہا / کیا زیادہ تم سے دولت کی محبت ہے مجھے

وہ گئے جب لے کے تب رونے لگے یہ زار زار / بولیں بیوی اُن کی اس رونے پہ حیرت ہے مجھے

اتنا صدمہ ہے تو دینار اُن کو دینا ہی نہ تھے کاش مجھ سے وہ طلب کرتے یہ حسرت ہے مجھے
طنز سن کر اپنی بیوی سے یہ شوہر نے کہا دے کے پچھتاؤں گوارا کب یہ خست ہے مجھے
اُس قدر احباب کو لینے کی رغبت ہی نہیں جس قدر احباب کو دینے کی رغبت ہے مجھے
اس کا رونا ہے کہ کیوں میں بے خبر ایسا رہا یہ پریشاں کرنے والی اپنی غفلت ہے مجھے
اپنا دینا میں تو بھولا اُن کو دے دینے کے بعد مانگنے آئے وہ مجھ سے اس کی خفت ہے مجھے
بے طلب ہونا تھا مجھ کو یار کا حاجت روا آگئی نوبت طلب کی یہ ندامت ہے مجھے

حلم

یہودیوں میں کہیں جا پڑے جنابِ مسیحؑ وہ شکل دیکھتے ہی گالیوں سے پیش آئے
دکھائی بے ادبی پر بھی اپنی حلم کی شان کہ تیوریوں پہ ذرا بھی نہ آپ بل لائے
حلیم پا کے برافروختہ ہوئے وہ اور علاج جتنا کیا اُتنا ہی وہ بو لائے
لگے یہ کہنے حواری کہ ہیں یہ سب کم بخت نگاہِ قہر ہی شاید کچھ ان کو سمجھائے
جو در گزر ہو تو سیدھا نہ ہو کبھی بدخو ہے کام ضرب کا اُس پر جو سانپ لہرائے
نہ انفعال ہو جس کو زباں درازی پر کرم خود اُس سے ہو نادم کریم پچھتائے
مسیحؑ بولے نہ مجھ کو کہو نہ اُن کو کچھ بھرا ہو ظرف میں جو کچھ وہی چھلک جائے

راست بازی

ایک تاجر شہر بصرہ میں تھا جس نے لے کے مال سوس کو بھیجا غلام اپنا تجارت کے لئے
اُس نے مالک کو لکھا ضائع ہوئی سب نیشکر ملک میں ہوگا شکر کا قحط خلقت کے لئے

چپکے چپکے گھر میں بھر لو تم شکر جتنی ملے
مہنگے مولوں لوگ لیں ہی گے ضرورت کے لئے

شہر میں تاجر شکر کا اک مسلماں اور تھا
جو شکر رکھتا تھا وافر اہلِ حاجت کے لئے

سب شکر لی اس سے مخفی رکھ کے رازِ نیشکر
اس کی قسمت پر کیا وار اپنی قسمت کے لئے

لے گیا وہ سوس کو تو خوب ٹوٹے اہلِ سوس
رال ٹپکی ان کی شیرینی کی لذت کے لئے

جب شکر سب بک چکی اور ہو چکا نفعِ کثیر
تب وطن یاد آیا اس کو اپنی راحت کے لئے

آ کے سوچا وہ کہ یہ سرزد ہوا ایسا گناہ
رنگِ رخ کافی نہیں جس کی ندامت کے لئے

لے گیا مال اس کے گھر جس شخص سے لی تھی شکر
معذرت کی جرمِ اخفائے حقیقت کے لئے

اس کو دینے پر تھی ضد اور اس کو لینے میں تھا عذر
بحث شاہد بن گئی تھی حسنِ نیت کے لئے

دینے والے نے کہا میں تو نہ لوں گا مال نفع
یہ طمع مقراض ہو قطعِ محبت کے لئے

کر دیا یہ مال اس سے راستی برباد ہو
داغ ہے یہ مال دامانِ حمیت کے لئے

دے کے مانا اور کہا رو کر کہ یارب کر معاف
اپنے بھائی سے دغا کی لینے دولت کے لئے

افشائے راز

کہی کسی سے سکندر نے اپنے راز کی بات
مگر وہ بات نہیں تھی زباں پہ لانے کی

کہی تھی جس سے وہ سن کر نہ رکھ سکا مخفی
چلا وہ چال سکندر کے دل دکھانے کی

کہا حکیم بلیناس سے سکندر نے
زبان کتنی ہے بے باک اس زمانے کی

ہے مشق بات اڑانے کی یوں ہی لوگوں کو
ہوا کو مشق ہے جس طرح خاک اڑانے کی

بتاؤ یہ کہ میں اس جرم کی سزا کیا دوں
کہ درگزر نہ ہے ضرورت بدی سکھانے کی

کہا حکیم نے۔ پہلے تمھیں کرو تجویز
کہ کیا سزا ہے غلط راز داں بنانے کی

تمھیں ضرورتِ اخفا تھی۔ تم چھپا نہ سکے | اُسے تو کوئی ضرورت نہ تھی چھپانے کی

سخاوت

ابو مرثد بہت مشہور تھے وصفِ سخاوت میں
برنگِ مہرِ تاباں شغل اُن کا تھا زر افشانی

رہا کرتا تھا اُن کی سرزمیں پر اُن کے ہاتھوں سے
رواں چشمہ کرم کا جس طرح برسات کا پانی

قصیدہ اُن کی تعریفوں میں کہہ کر ایک شاعر نے
دکھایا پڑھ کے اُنکے روبرو زورِ سخندانی

بہ حُسنِ اتفاق اُس دن تھے خالی ہاتھ ابو مرثد
خزاں میں جیسے خالی ہو بہار سے نخلِ بستانی

یہ سوچے وہ اگر کچھ عذرِ ناداری کروں اس سے
تو گویا میں قصیدہ کے صلے میں دوں پشیمانی

کہا اُس سے کہ پہلے ایک وعدہ تم کرو مجھ سے
سمجھ لو تم بہت اچھے رہے یہ بات اگر مانی

وہ بولا مان لی میں نے تو یہ بولے کہ یوں کہنا
مرے وعدے کا شاہد ہے کلامِ پاک ربانی

قسم لے کر کہا اُس سے کہ میں اس وقت مفلس ہوں
کرو تم قرض کا دعوے تو دولت لو بآسانی

اُسے تسلیم کر کے قید میں حبسِ دم میں جاؤں گا
عزیزوں پر گراں گزرے گی یہ میری پریشانی

ادا کر کے چھڑا لے جائیں جب وہ قید سے مجھ کو
ہنسیں ہم تم کہ کیا اچھی ہوئی مشکل کی آسانی

ہوا دعویٰ تو پھر کیا دیر تھی تسلیم کرنے میں
کیا جب عذرِ ناداری تو بیٹھے ہو کے زندانی

اعزا اُن کے پہونچے مال لے کر پاس قاضی کے
کہ تھی جودِ ابو مرثد سے دولت کی فراوانی

درم دینا پڑے سب جمع کر کے دس ہزار اُن کو
ہوا شاعر کو حاصل اس طرح لطفِ ثنا خوانی

کبھی ہم اس طرح آپس میں کام آتے تھے لوگوں کے
کبھی تھا ہم میں ایسا فیض ایسا خلقِ انسانی

گیا وہ وقت جب قدرِ سخن تھی اہلِ دولت کو
جو شاعر آئے پیاسا تو نہ دیں اب بوند بھر پانی

غصّے کا علاج

امیر بوالحسنؒ فرماں روائے شہر واسط؎ تھے
سنانِ ابن ثابتؒ اُن سے ملنے ایک دن آئے

سناں تھے وہ حکیم وقت اگر اُن تک رسائی ہو
تو آئینہ بشر کے علم و دانش کا جلا پائے

کہا یہ بوالحسنؒ نے کوئی صورت ایسی ممکن ہے
کہ غصّہ میرے چہرے پر نہ اپنا رنگ کھلائے

غضب مجھ میں بہت ہے اور ڈرتا ہوں قیامت سے
یہاں جو ظلم و ستم کی ہے وہاں مجھ پر ستم لائے

سناں بولے کہ تدبیر اسکی کچھ مشکل نہیں لیکن
طبیعت آپ کی اک بات اگر منظور فرمائے

کہا یہ بوالحسنؒ نے میں ضرور ارشاد مانوں گا
نہ توڑوں گا یہ عہد اپنا طبیعت لاکھ پھیلائے

سناں بولے کہ آئے آپ کو جس کام میں غصّہ
اُسے تب کیجئے جب آپ کا غصہ اُتر جائے

؎ واسط عراق عرب کے ایک شہر کا نام ہے

فیاضی

کسی نے آکے امام حسنؓ سے کی یہ عرض
کہ مفلسی مری اب ہوگئی ہے جاں فرسا

نہیں کچھ اور سوا آبرو کے میرے پاس
میں آج آپ کے ہاتھ اس کو بیچنے آیا

یہ سُن کے رحم سے آنکھوں میں اشک بھر لائے
محل سرا میں گئے اُٹھ کے حضرت والا

محل سرا سے نکلنے میں کچھ جو دیر ہوئی
تو سامنا ہوا سائل کو نا امیدی کا

پیام اُس نے یہ بھیجا کہ یوں ہی خالی ہاتھ
میں بال بچوں میں کیا لے کے جاؤں مُنہ اپنا

دئے امامؓ نے تب لا کے دس ہزار درم
کمی سے ہو کے خجل آپ نے یہ فرمایا

کچھ اور کرتے اگر انتظار میرا تم
تو میں کچھ اس سے زیادہ سبیل کر سکتا

کبھی تھا فیض کا وہ حال اور آج یہ ہے
کہ قوم میں نہیں بھائی کی بھائی کو پروا

رباعیات

دل زلف سے دب گیا بلا کے نیچے
تن نقش کی صورت کفِ پا کے نیچے
کیون مانگ کے سودے سے نہ ہو گرم دماغ
یہ ملک ہی خطِ استوا کے نیچے

جینے پہ نہ بس نہ موت ہی مرضی سے
بھاگو دنیا کی راحت فرضی سے
قد ضعف سے جھک کے کر رہا ہے ثابت
مجبور ہے خاک کشش ارضی سے

فانی ہی حرارت غریزی اے دل
ثابت نہ رہے گا پیکر آب و گل
رخ روح کا ہی عالم بالا کی طرف
ہو جیسے ہوا کرے کی جانب مائل

وہ مہر لقا شب کو تو ہمدوش نہیں
لیکن دن بھر ہی پاس و لپوش نہیں
تقسیم سے مسئلہ ہوا حل اے شوق
ہی یہ قوس[1] النہار آغوش نہیں

صورت تری جب مجھ کو نظر آتی ہی
حالت مری تب رنگ نیا لاتی ہی
کیون ہو نہ تری شکل سے حیرت زائل
سورج[2] کے اثر سے جان پڑ جاتی ہی

[1] علم ہیئت میں فلک مرئی پر سیر آفتاب کی مقدار کا حصہ قوس النہار قرار دیا گیا ہے۔ ÷ ÷ ÷ ÷
[2] رحم میں پتلا سبعہ سیارہ کے اثر سے بنتا ہے اور جان سورج کے اثر سے پڑتی ہی ÷ ÷ ÷

زاہد ہی اگر منکر حسنِ صورت　　سمجھا نہیں شوقؔ وہ دلیلِ حکمت
ہر ناز گواہِ حسن یون ہی جس طرح　　ہی شاہدِ علّت العلل ہر علّت

اپنے عاشق سے کیون خفا ہی ظالم　　اللہ سے ڈر یہ کیا جفا ہی ظالم
دی ہی الفت تو عہدِ الفت کو نہ بھول　　اس بیچ کا نام باوفا ہی ظالم

حکمت سے بنا ہی اس حسین کا نقشا　　صورت ہی سے ہی شکل ریاضی پیدا
لب ہی خطِ مفروش تو بینی ہی عمود　　آنکھین گوشون مین زاویے ہین گویا

بیٹھے ہم ہاتھ زندگی سے دھو کر　　دی جان فراق یار مین رو رو کر
تھی جتنی رطوبت غریزی اے شوقؔ　　آنکھون سے نکل گئی وہ آنسو ہو کر

اُمید کا سودا، نہ خلش بیم کی ہی　　حاصل دولت رضا و تسلیم کی ہی
ہون مین اے شوقؔ مالکِ ہفت اندام　　شاہنشاہی یہ ہفت اقلیم کی ہی

قامت سے بڑھے تو زلف کی طرح لٹے　　منھ ہی سے جٹے تو رنگ کی شکل کٹے
اے شوقؔ زمانے مین شب و روز کی طرح　　ہم گھٹتے کبھی بڑھے کبھی بڑھ کے گھٹے

افسوس نہ رنگ اس جہان کا بدلا　　شیوہ نہ ستم سے آسمان کا بدلا

دل اتنا جلا کہ زندگی تلخ ہوئی　　تب آئی تو ذائقہ زباں کا بدلا

لب ہو نہیں سکتے غم کے مارے گویا　　راحت نہیں بخت میں ہمارے گویا
گرتا ہے فلک سے ہم پہ چھن چھن کے غبار　　سوراخ ہیں چھلنی کے ستارے گویا

آئینہ ہے ہم پہ شوق حالت سب کی　　اوچھوں نے شکم پہ دھری آخر کب کی
تقدیر فلک میں صرف دو نائیں ہیں　　ان میں بھی ہے گرم دن کی ٹھنڈی شب کی

فرقت میں جنوں ہے میرے سر کا مالک　　غم دل کا تو درد ہے جگر کا مالک
آنکھیں اشکوں سے تر بدن ضعف سے خشک　　ہے خسرو عشق، بحر و بر کا مالک

سرخی رنگ مسی میں کچھ چھپ ڈوبی　　کم ہوگئی اس سے رنگ پاں کی خوبی
اچھے تو ہیں، لیکن نہیں پہلے کے سے　　مرجان اب بھی ہیں لب مگر مسوبی

اقبال کرے جو ناتوانوں کی مدد شو　　دے اوج سے قسمت کے چمکنے کی سند
نخوت سے نہ پھول شوق دیکھ آنکھوں سے　　اوپر تو کلس ہے اور نیچے گنبد

جب زلف کھلی تو کیوں میں زنجیر کہوں　　سنبل نہ کہوں نہ پیچ تقدیر کہوں
چھٹکی ہوئی دیکھنے پہ حق یہ ہے کہ شوق　　واللیل اذا سجیٰ کی تفسیر کہوں

کیونکر ہو سخن سے وہ دہن کھلکے دونیم　　پیدا ہوتی ہے اس سے شکل تقسیم
ممکن نہیں تقسیم اسی سے اے شوق　　ہم جوہر فرد کہہ چکے ہیں تسلیم

بیجا ہے مئے کبر سے جوشِ مستی　　ہے ساتھ فراز کے نشیب ہستی
تقدیر کی گردش سے بشکل دولاب　　رہتی ہے بلندی کے برابر پستی

داغی دل پرسوز ہے شامت یہ ہے　　اُس ماہ سے ہجر کی علامت یہ ہے
منحوس ہے اجتماع خورشید و قمر　　معشوق نجومی ہے قیامت یہ ہے

سوچے جو بلند و پست کو ہم تا دیر　　سمجھے کہ ہے ان میں صرف ترکیب کا پھیر
جو شکل عروج ہے وہی شکل زوال　　اوپر وہی خط زبر ہے اور نیچے زیر

پالا غم سے پڑا ہے یا دشمن سے　　شعلے تپ کے نکل رہے ہیں تن سے
آنسو آنکھوں سے ٹپکے یوں رخ پہ چلے　　جیسے جلتے توے پر پانی چھن سے

قزاق جہالت نے بہت گھر لوٹے　　دیکھو تو مسلمان ہیں ٹوٹے پھوٹے
کیا ہند میں ہیں حواسِ خمسہ باطل　　ہوے شش و پنج ایسے چھکے چھوٹے

کیوں آکے یہاں ہوئے مکیں یا قسمت　　راحت نہیں ہند میں کہیں یا قسمت

سنجار[1] کا میدان تو بھولے ہم لوگ
اب ناپتے پھرتے ہیں زمیں یا قسمت

اعلیٰ تعلیم لطف دکھلاتی ہے
انسان کی عقل روشنی پاتی ہے
پستی سے بلند ہو کے دنیا دیکھو
ٹیلے سے نگاہ دور تک جاتی ہے

چلتا ہے ارے عقل کے دشمن ٹیڑھا
طالع کو نہ جان ہو کے بدظن ٹیڑھا
اس بے ہنری پہ کیوں زمانے کا گلہ
خود ناچ نہ آئے اور آنگن ٹیڑھا

دنیا میں وقار و اوج کچھ کھیل نہیں
مشکل یہ ہے کہ پھوٹ ہے میل نہیں
افلاس و نفاق و جہل اس پر نخوت
اے شوق منڈھے چڑھے یہ وہ بیل نہیں

اب کے اد سے گو ہیں اگر یں آنکھیں
جام اپنے مے حسن سے بھریں آنکھیں
ہے لطف کہ آ کے پھر نہ جانے پائے
پلکوں کے کواڑ بند کر لیں آنکھیں

تھک تھک گئی روح خار کھاتے کھاتے
رک رک گئی جانِ زار جاتے جاتے
مر مر کے جئے ہم اور وہ اٹھ اٹھ کر
رہ رہ گئے بار بار آتے آتے

بدلیں ترے تیور تو یہ غم ہو مجھ کو
ہستی مری آپ ہی عدم ہو مجھ کو

---

[1] وادی سنجار میں مسلمانوں نے کرۂ ارض کی ایک عظیم دائرے کی پیمائش کی تھی۔

تو مجھ سے پھرے تو میں پھروں دنیا سے — الٹی سیفی پلٹ کے دم ہو مجھ کو

آیا تھا نظر شب کو قمر پانی میں — غیرت سے تری گرا مگر پانی میں
سورج نے نکالا ہے اسے دن نکلے — ڈوبا رہا ورنہ رات بھر پانی میں

گو نون کی شکل اکثر اوراق پہ ہے — روشن مہ نو کی صورت آفاق پہ ہے
لیکن مری آنکھوں میں کھبا وہ ابرو — اس جفت کا انحصار اسی طاق پہ ہے

چھوڑا نہیں جوش عشق دل بر ہم نے — دکھلایا جنوں کا زور مر کر ہم نے
گو جان نہیں شوق بدن میں لیکن — دنیا کو اٹھا لیا ہے سر پہ ہم نے

جوشش تب غم سے طرفہ حیرانی ہے — رگ رگ سے بدن میں آتش افشانی ہے
نیرنگ ہے اے شوق لہو کی حالت — پانی میں ہے آگ، آگ میں پانی ہے

ذلت ہوئی اقبال کے گھر سے پیدا — پستی ہوئی اوج کے جگر سے پیدا
دانے سے شجر، شجر سے گل، گل سے ثمر — دانہ ہوا پھر بطن ثمر سے پیدا

دل خوف فنا سے ہو گیا افسردہ — کیا بام طرب پہ جاؤں میں غم خوردہ
چڑھتا ہوں جو میں تو شکل سایہ بیجان — بڑھتا ہوں تو مثل سر ناخن مردہ

یوسف کی طرح نہ تخت شاہی دنیا — ہاں بخت ثبوت بے گناہی دنیا
دل چاک کیا ہی اک زلیخا وش نے — او طفل سرشک تو گواہی دینا

غنچے آئے تو ہاتھ مین زر لائے — لائے تو کہاں سے لائے کیونکر لائے
عاشق زر داغ لے گئے زیر زمیں — غنچے زیر زمیں سے باہر لائے

شب حاملہ رہتی ہی نہیں آمین کلام — روشن ہی مگر حمل کا ناقص انجام
دیتی ہی سحر کو ایک بیضہ ہر روز — کھا جاتی ہی آپ ہی پھر اس کو سر شام

کاش اب رہ ہستی سے قدم ہٹ جائے — عمر آپ ہی رنگ کی طرح کٹ جائے
او زور جنوں مدد کہ مانند انار — اتنا تو ہو جوش خوں کہ سر پھٹ جائے

حاضر محفل میں ہر شب اور ہر دن میں — عشاق کے ذیل میں نہیں لیکن میں
تقطیع سے رہتا ہوں ہمیشہ باہر — مصرع میں ہوں گویا الف ساکن میں

کھولے ہوئے زلف دلستاں پیش آیا — یا دشمن دل عدوے جاں پیش آیا
دل زلف کے حلقوں سے کہاں بچ سکتا — کمبخت جدھر گیا کنواں پیش آیا

کب درد سے چین دل مرا پاتا ہی — جاتا ہی جو ایک دوسرا آتا ہی

لایا ہی دل آبلہ تو اب داغ کہاں
ہو پھل کو نمو تو پھول گر جاتا ہی

صبح اور شفق پیکر خوں آلودہ
نور اور شفق چادر خوں آلودہ
ہے صحن فلک کہ کربلا کا خطہ
سورج ہی شفق میں سر خوں آلودہ

رخ صدمۂ گرم و سردِ عالم سے ہی زرد
برعکس ہی حالت جہان پر درد
یہ ضد دیکھو کہ گھر کنوئیں کا پانی
سرما میں ہی گرم اور گرما میں ہی سرد

دنیا میں کسی سے مال اگر ہم نے لیا
اوروں کے سنبھالنے ہی میں صرف کیا
ہم ہیں ابر کرم کہ جس نے پانی
دریا سے لیا، زمین کو بخش دیا

راحت کے لئے مد نظر تکیہ ہی
یعنی بستر پہ زیر سر تکیہ ہی
لیکن غافل کہ کہہ رہی ہی یہ لحد
آ میری بغل میں آ ادھر تکیہ ہی

دل ذائقۂ جہاں سے گھبراتا ہی
دنیا کی ہوا میں سم نظر آتا ہی
دانے سے اُگے تو زرد ہوتا ہی نہال
کھائے جو ہوا تو سبز ہو جاتا ہی

اعجاز چمن ہی آنکھ کے پیش نظر
ہی شان خدا روح نباتی کا اثر
ہر شاخ شجر نے مثل دامان مریم
پیدا کیا طفل غنچہ کو بے شوہر

دکھلاتا ہی ظلم رنگ اپنا آخر
خونخوار کو مل جاتا ہی بدلا آخر
جو خون پیا تھا رحم مادر میں
چیچک بنکر وہ پھوٹ نکلا آخر

یہ بات عجیب یار کے طور میں ہی
پہلو نخوت کا شیوۂ جور میں ہی
آغوش رقیب اور شرف کا دعوی
ہمنے تو یہ دیکھا کہ قمر ثور میں ہی

دو شخص ہوں دیکھنے میں ہرچند قریں
لیکن یکدل نہ ہوں تو کچھ لطف نہیں
دل صاف نہ ہو تو یوں کدورت ہو حجاب
جس طرح شب و روز میں حائل ہو زمیں

حیرت کیا ہی زباں زباں سے جو لڑی
کچھ بات نہیں جو گفتگو آئی کڑی
دو ہونٹھ ملے ہیں یوں کہ گویا ہیں جدا
تکرار کی بنیاد ازل ہی سے پڑی

مصروف جو خوش قدوں کے دیدار میں ہی
قطرہ نہیں کوئی چشم خونبار میں ہی
یہ مسئلہ اب ہی چشم دیدہ اے شوق
قوت کشش آب کی اشجار میں ہی

ہر دل ترے غم کے سہماتوں میں ہی
ہر جسم ترے سوختہ جانوں میں ہی
بجھتی نہیں بعد مرگ بھی آتش شوق
ثابت ہی کہ آگ استخوانوں میں ہی

صورت کوئی بد ہی یا حسیں ہم کو کیا
جانے اسے صورت آفریں ہم کو کیا

سوچیں ہم اپنی گردش بخت کا پیچ
گردش میں فلک ہے یا زمیں ہم کو کیا

روشن ہے کہ ہے قامت دلدار بلند
قامت پہ ہوئی آتش رخسار بلند
ہے یا تو کشش کرے کی یا رخ ہے کرہ
ہر شکل سے ٹھہرا کرۂ نار بلند

سمجھا میں ہوا نظام عالم پہ جو میل
رخ شمس ہے مانگ کہکشاں کاکل لیل
خال تہ ابرو جو نظر آیا شوق
روشن یہ ہوا کہ سفینے[1] میں سہیل

انجام غضب کیا ہے پشیمانی ہے
تو شکل بدلتا ہے تو نادانی ہے
غصے سے کوئی اور نہ ہو جائے گا تو
پانی کا بخار پھر وہی پانی ہے

افلاس سے ہر چند مصائب جھیلیں
ممکن نہیں لوگ کچھ فلک سے لے لیں
سیاروں میں اس طرح ہے مشغول یہ پیر
لڑکے جس طرح کوڑیوں سے کھیلیں

ایام جوانی کا بڑا ولولہ ہے
بد ہے زن بے زوج تو ناحق گلہ ہے
ہر روز کا رنگ خلق دیکھے اے شوق
شوہر نہیں کوئی اور شب حاملہ ہے

---

[1] سفینہ فلک کے نصف حصۂ جنوبی کی شکل ہفتم کا نام ہے جس میں سہیل ستارہ ہے۔

تو ہی او بخت آبرو دیتا ہی — ہر پست کو شانِ اوج تو دیتا ہی
مٹی میں ملائے کوئی جس دانے کو — سورج اوسے قوتِ نمو دیتا ہی

بے فیض کی ذات صورتِ بید فضول — جو کوئی دنی ہی اُس سے اُمید فضول
روٹی بھی نہ دی فلک نے اے شوق کبھی — گرم اُس نے کیا تنورِ خورشید فضول

گو صبر کی شان جوہر ذاتی ہی — تکلیف بھی شکل عیش دکھلاتی ہی
جسکو شک ہو وہ چل کے دیکھے اے شوق — بھنتے ہیں تو دانوں کو ہنسی آتی ہی

اچھا رہا جو خلق میں فیّاض جیا — پورا ہر مستحق کا حق اُس نے کیا
چمکا جو قمر تو ہر ثمر کو اُس نے — جتنی حاجت تھی اُس قدر رنگ[۵] دیا

قبضے میں ہمارے نہیں آتی ہی زمیں — نفرت ہم سے بہت جتاتی ہی زمیں
اللہ یہ آفتیں ہیں نازل ہم پر — پاؤں کے تلے سے نکلی جاتی ہی زمیں

لے جائے جدھر زمانہ چلنا ہی پڑے — ہمراہ زمانے کے نکلنا ہی پڑے
ہی بادِ زمانہ اور بشر بادنما — بدلے جو ہوا تو رخ بدلنا ہی پڑے

---

۵ پھلوں میں رنگ قمر ہی کے اثر سے آتا ہی۔

قطعات تاریخ وفات حضرتِ شوق مرحوم

از نتیجہ فکر

جناب تصدق حسین خانصاحب شمس لکھنوی جانشین حضرت مولانا رضا لکھنوی مرحوم

چل بسے ہائے شوقِ قدوائی
یادگارِ اسیر تھے مرحوم
لکھنؤ کے اساتذہ میں تھے
اب کہاں وہ محاورات کا لطف
تھے محقق بھی اور مجدد بھی

مدتوں رہ کے میہمانِ سخن
اُن کے دم سے تھی عزوشانِ سخن
ہی زمیں جس کی آسمانِ سخن
اب ہو ویسی کہاں زبانِ سخن
ہیں مقر اس کے کاملانِ سخن

شمس لکھ دو وفات کی تاریخ
اُٹھ گیا قبلۂ جہانِ سخن
۱۳۴۳ھ

جناب لسان الہند کاظم حسین صاحب محشر لکھنوی

کاملِ فن جہان سے اُٹھا
نام احمد علی تخلص شوق
دوست میرے تھے اور سچے دوست

محفلِ نظم آج برہم ہی
سب کو جن کی وفات کا غم ہی
جتنا صدمہ مجھے نہ ہو کم ہی

کلکِ محشر نے لکھا سالِ وفات
شوق کا دُور دُور ماتم ہی
۱۳۴۳ھ

جناب مولوی سید مقبول حسین صاحب وصل بلگرامی اڈیٹر رسالہ مرقع لکھنؤ

اب کہاں ہیں مصحفی منشی اسیر
اب کہاں منشی امیر احمد امیر
شوق وہ روحِ سخن احمد علی
ایسا کامل اب نہیں پائیں گے ہم
اُس کی جب تحقیق مانیں اہلِ فن
تازہ نظمیں کس کی دیکھیں آج ہم
شعر اپنے اب سنائیں کس کو ہم
کس کو بتلائیں مماثل اُس کا ہم
اُس کے غم سے ایک طوفاں ہو بپا
کیوں نہ جوشِ غم سے ہو بیتاب جگر
کیوں نہ غم سے آسماں کا دل ہو خوں
اقربا کو چین آئے کس طرح
ہاں بجز اس کے نہیں ہے کچھ علاج
ہم کو بھی تھی فکرِ تاریخِ وصال

کس کے کس کے غم میں ہم آہیں بھریں
کس کی کس کی یاد میں ماتم کریں
آہ وہ بھی چل بسا اب کیا کہیں
شمع نے کر لاکھ عالم میں پھریں
کیوں نہ اس تحقیق کے سکے جمیں
اور کس سے اب نئی غزلیں سُنیں
دادِ خاطر خواہ اب ہم کس سے لیں
آج ہم تمثیل اُس کی کس سے دیں
اشک اتنے چشمِ عالم سے بہیں
کیوں نہ موجیں مضطرب ہو کر اُٹھیں
سُرخ بوندیں کیوں نہ شبنم کی گریں
اور اعزا یہ الم کیوں کر سہیں
صابر و شاکر مشیت پہ رہیں
وصل ہم بھی غور میں تھے کیا لکھیں

حکم خالق کا یہ رضواں سے سنا
شوق آئے شوق سے فردوس میں
۱۳۴۳

قطعات تاریخ طبع دیوان شوق مرحوم

از نتائج افکار گہر بار جناب مولانا ابوالعلا حکیم سید سعید احمد صاحب ناطق لکھنوی

در زمین کلام حضرت شوق — چمن ذوق و شوق می روید
فکر ناطق بہ فکر تاریخش — سخن شوق و ذوق می گوید
۱۹۲۸

جناب مولوی سید مقبول حسین صاحب وصل بلگرامی اڈیٹر رسالہ مرقع لکھنؤ

مبارک ہو ہر طبع مشتاق کو — ہوا چھپ کے تیار دیوان شوق
وہ حُسنِ معانی وہ حُسنِ بیاں — مٹی حسن پر اسکے تھی جانِ شوق
چھپے سامنے میرے دیواں مرا — نہ تھی حد شوقِ فراوانِ شوق
مگر آج دنیا سے جانے کے بعد — نکلتے ہیں اس طرح ارمانِ شوق
جناب رضی اور جناب معین — ہیں اک روحِ شوق اور اک جانِ شوق
انہیں دونوں اصحاب کی سعی سے — ہوا چھپ کے تیار دیوانِ شوق
زبانِ ادب کی سند ہیں ہیں شعر — زبانِ سخن پر ہے احسانِ شوق
بنایا اسے ہر طرح مستند — یہ تھی واقعی شانِ شایانِ شوق
شگفتہ نہ کیوں غنچۂ ذوق ہو — کہ پھولا پھلا اب گلستانِ شوق
جسے دیکھئے اسکا مداح ہے — سب اہلِ زباں ہیں ثنا خوانِ شوق
عیاں اس سے ہے شوق کا مرتبہ — نمایاں زمانے میں ہے شانِ شوق

اگر فکر ہے نام و تاریخ کی
لکھو شوق سے وصلؔ فیضانِ شوق
۱۳۴۷ھ

حقوق طباعت

بنام

شیخ طاہر علی صاحب قدوائی بی ایس سی

خلف الرشید

حضرت شوق قدوائی مرحوم

محفوظ ہیں

ملنے کا پتہ

خان بہادر شیخ رضی الدین احمد صاحب بیرسٹر ایٹ لا

گونڈہ (اودھ)